عدل کا اسلامی تصور

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

Marfat.com

21635
DATA ENTERED

عدل کا اسلامی تصور

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

مقبول اکیڈمی
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

Marfat.com

©جملہ حقوق محفوظ

اہتمام	ملک مقبول احمد
ناشر	مقبول اکیڈمی
سرورق	انیس یعقوب
مطبع	خورشید مقبول پریس
قیمت	500 روپئے

Marfat.com

اسلام کے عدالتی نظام کا امتیاز

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان

(سورت النحل ۔ آیت ۔ ۹۰)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ (انسانوں) کو عدل کرنے اور خوبصورت
طرز عمل اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مشمولات

تعارف۔

پہلا حصہ

عدل اور اسلامی عدالتی نظام

1	عدل اور عدالتی نظام کا اسلامی تصور۔	15
2	عدل و احسان کا اسلامی مفہوم۔	22
3	اسلامی عدالتی نظام کا طریق کار۔	26
4	اسلامی عدالتی نظام کے نفاذ کی ایک کوشش۔	32
5	اسلام کا عدالتی نظام بازیچہ اطفال نہ بنایا جائے۔	36
6	اسلام کے عدالتی نظام کے نفاذ کی خواہش۔	42
7	انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ یا نائب نہیں ہے۔	51
8	عدالتی مقدمات کی تعداد کو کس طرح کم کیا جاسکتا ہے۔	64
9	اجتہاد اور عدلیہ کی ذمہ داری۔	69
10	علامہ اقبال اور اسلامی قانون کی تشکیل جدید۔	76
11	مختلف اسلامی ادوار میں اسلامی عدالتی نظام کا طریق کار۔	81
12	اسلامی عدالتی نظام کی بنیاد۔ قرآن حکیم۔	89
13	رسول اللہ صلعم اور مساوات محمدی۔	94
14	رسول اللہ صلعم دنیا کے عظیم قانون دان۔	100
15	اسلامی مساوات اور کراچی کے مسائل کا اسلامی حل	104
16	اسلامی عدالتی نظام کے لئے اسلامی معاشرے کی تشکیل	109
17	اسلام کے عدالتی نظام کی روح۔	114

Marfat.com

دوسرا حصہ

اسلامی عدالتی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد

1	اسلامی عدالتی نظام کے نفاذ میں روکاوٹیں۔	121
2	اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے واضح طرز عمل اختیار کرنے کی ضرورت	125
3	اسلامی نظام کے نام پر جمہوریت کے خاتمے کی جدوجہد۔	130
4	اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے جدوجہد۔	135
5	عدالتوں کے اسلامی تشخص کو اجاگر کرنے کی ضرورت۔	140
6	شرعی عدالت کا دائرہ کار۔	144
7	عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی۔	148
8	آئین میں آٹھویں ترمیم کی اسلامی دفعات کا جائزہ	153
9	شریعت اسلامی اور عوام کو درپیش معاشی مسائل۔	158
10	قرآن و سنت کا قانون یا حنفی فقہ۔	163
11	اسلامی معاشرہ سے فرقہ پرستی ختم کرنے کی کوشش۔	167
12	شریعت اسلامی میں تفرقہ بازی کی ممانعت۔	171

تیسرا حصہ

اسلامی طریقہ تفتیش

1	اسلامی طریقہ تفتیش سے مجرمانہ ذہنیت کی اصلاح ہوتی ہے۔	179
2	جرائم کی تفتیش کا اسلامی طریقہ۔	184
3	تصویر یا فوٹو جرائم کی تفتیش کا اہم ذریعہ ہیں۔	188
4	قرآن مجید میں تصاویر کا ذکر۔	190
5	احادیث اور حرمت تصاویر کے بارے میں فقہاء کا مسلک۔	202

Marfat.com

6 خفیہ تفتیشی اداروں کی اصلاح کی ضرورت۔ 213

7 نفاذ اسلام ۔ مالی فوائد اور پولیس۔ 217

8 انسانی معاشرے میں امن قائم کرنے کے اسلامی اصول۔ 221

چوتھا حصہ

1 شرعی حدود کا فقہی تصور 227

2 اسلامی قانون میں کوڑوں کی سزا کا تصور۔ 239

3 بدکاری کی تہمت از خود سنگین جرم ہے۔ 243

4 مسئلہ ارتداد کے بارے میں شرعی حکم کی غلط تعبیر۔ 248

5 چوری کی شرعی حد۔ 253

6 چوری کی شرعی حد کے بارے میں غلط فہمی۔ 260

7 دور رسالت اور خلافت راشدہ میں کسی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا۔ 266

8 شریعت اسلامی میں عورت کی دیت کا مسئلہ۔ 270

9 اسلامی شریعت اور انسانی اعضاء کی پیوند کاری۔ 274

10 ہیروئن کی آمدنی سے یورپ میں تبلیغ دین۔ 279

11 کیا اسلامی مملکت کے حکمران شرعی حدود سے بالا ہیں۔ 283

12 عورت حکمران بھی بن سکتی ہے اور قاضی اور کمانڈر انچیف بھی۔ 287

13 حضرت عائشہؓ کی جانب سے مسلمان حکمرانوں کا احتساب۔ 292

14 مطلقہ عورت کے اسلامی حقوق۔ 297

15 اسلامی عدالتی نظام کے ذریعے عورتوں سے ناانصافیاں ختم کرنی ہونگی۔ 303

ضمیمہ

اسلامی ریاست کے عدالتی نظام پر ایک کتاب کا تعارف

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

قیام پاکستان کے بعد ہی سے ملک عزیز میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کیا جارہا ہے لیکن افسوس ہے کہ نصف صدی گزر جانے کے باوجود اس بارے میں ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی۔ ہاں کچھ عرصہ پہلے فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق صاحب نے اسلام کے عدالتی نظام کو نافذ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن چونکہ انہوں نے اسلامی عدل کے اصولوں کو اپنائے بغیر ایسا کیا تھا اس لئے اس کے مطالبہ نتائج حاصل نہ ہوسکے۔ موجودہ حکومت نے ایک دفعہ پھر اسلام کے عدالتی نظام کو نافذ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے۔ اس مقصد کے لئے قومی اسمبلی سے شریعت بل بھی پاس کر دیا جاچکا ہے کیبنٹ سے اس کی توثیق کے بعد اسلامی عدالتی نظام کے نفاذ کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

جنرل صاحب نے جب اسلامی عدل کے بغیر' اسلام کے عدالتی نظام کو نافذ کیا تو راقم نے ان کی توجہ اس طرف دلائی کہ اگر وہ اس نظام سے مثبت نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر موجودہ معاشرے کو اسلامی عدل کے اصولوں کے مطابق استوار کرنا ہوگا اور اس نظام کو صحیح خطوط پر چلانے کے لئے اسلامی قانون کے ماہروں کی ایک جماعت تیار کرنی ہوگی۔ جنرل صاحب نے اس بارے میں میری مختلف تحریروں کا

Marfat.com

نوٹس لیا اور بات چیت کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلامی عدل پر گفتگو کی بجائے صرف زکوۃ اور عشر آرڈیننس تک بات کو محدود رکھا۔ اس آرڈیننس کے بارے میں راقم نے یہ عرض کیا تھا کہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور اسلامی عدالتی نظام کے کامیابی میں روکاوٹ ثابت ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اس آرڈیننس کے عشر والے حصے کو فوری طور پر معطل کر دیا تھا۔ لیکن پھر چار سال بعد معطلی کا یہ حکم واپس لے لیا تھا۔

اب جب کہ موجودہ حکومت' اسلام کے عدالتی نظام کے نفاذ کے بارے میں سنجیدہ دکھائی دیتی ہے تو راقم نے مناسب سمجھا کہ اس نظام کو کامیابی سے چلانے کے لئے راقم نے جو تجاویز جنرل صاحب کے سامنے پیش کی تھیں انہیں کتابی صورت میں شائع کرا دیا جائے تاکہ اس نظام کی خواہش کرنے والے حضرات اور اس سے دلچسپی رکھنے والے حکمران' اس سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ اس دوران بعض علماء نے اسلامی عدالتی نظام سے متعلق کچھ مسائل کے بارے میں اختلاف کا اظہار کیا تھا مثلاً یہ کہ تصاویر اور فوٹو شریعت اسلامی میں حرام ہیں جبکہ آج کل جرائم کی تفتیش میں ان کو اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان تمام مسائل کے بارے میں' اس کتاب میں صحیح اسلامی نقطہ نظر پیش کر دیا گیا ہے۔

امید ہے کہ اس بندہ ناچیز کی یہ ناتمام سی کوشش' ملک عزیز میں اسلامی عدالتی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں ممدومعاون ثابت ہوگی اس نظام کے ذریعے یقیناً متاثرہ لوگوں کو سستا اور فوری انصاف مل سکے گا۔ جس سے ہمارے معاشرے میں نہ صرف یہ کہ جرائم کی تعداد کم ہو جائے گی بلکہ بہت سی برائیوں کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ اور مصیبت زدہ لوگوں کو یقین ہو جائے گا کہ اسلامی نظام واقعی ان کے لئے باعث رحمت ہے۔

لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۹۹ — رفیع اللہ شہاب

Marfat.com

پہلا حصہ

عدل اور اسلامی عدالتی نظام

Marfat.com

Marfat.com

عدل اور عدالتی نظام کا اسلامی تصور

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس خطہ زمین میں مسلمان اپنی زندگیاں اسلامی' تعلیمات کے مطابق گزار سکیں۔ لیکن ملک عزیز کے قیام پر نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور ابھی تک اس بارے میں کوئی سنجیدہ' قدم نہیں اٹھایا گیا۔ بعض حکمرانوں نے اسلام کے عدالتی نظام کو نافذ کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ اس بارے میں انہیں صحیح اسلامی تعلیمات کا علم نہیں تھا اس لئے ان کی کوششیں کوئی مثبت نتائج پیدا نہ کر سکیں۔

ہمارے ہاں انگریزوں کا عطا کردہ عدالتی نظام مروج ہے ہمارے قانون دان بھی اسی نظام کے ماہر ہیں' ان میں سے شاید ہی کوئی ایک دو فرد ایسے ہوں کہ جنہیں اسلامی قانون پر مناسب دسترس حاصل ہو اس لئے جب تک ملک میں اسلامی قانون کے ماہرین کی ایک جماعت پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک اسلام کے عدالتی نظام کے نفاذ کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن بدقسمتی سے اس بارے میں ابھی تک کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ ہمارے قانون کی تعلیم دینے والے کالجوں میں ابھی تک انگریزی قانون کی ہی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسلامی قانون میں مہارت حاصل کرنے کیلئے تو ضروری ہے کہ قانون کے نصاب میں اسلامی قانون کی مستند کتابیں شامل کی جائیں۔ جنہیں ان کی اصل زبان عربی میں پڑھایا جائے۔ حیرت کی بات ہے کہ یورپ

Marfat.com

کے تمام ممالک میں قانون کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ملکی زبان کے علاوہ لاطینی زبان کا علم بھی ضروری ہے۔ لیکن ہمارے ہاں ابھی تک عربی زبان کو یہ اہمیت نہیں دی گئی۔

انگریز کے مروجہ عدالتی نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک تو یہ بہت مہنگا ہے دوسرے مقدمات کے فیصلوں میں مہینوں بلکہ بعض اوقات کئی سال لگ جاتے ہیں۔ جبکہ اسلامی عدالتی نظام کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ اس کے ذریعے مقدمات کے فیصلے دنوں میں نہیں بلکہ گھنٹوں میں ہو جاتے ہیں' اس میں شک نہیں کہ اسلام کے عدالتی نظام کے ذریعے متاثرہ لوگوں کو فوری انصاف مہیا کیا جاسکتا ہے لیکن اس نظام کے نفاذ سے پہلے معاشرے کی تشکیل اسلامی عدلت کے اصولوں پر ضروری ہے۔

ہمارے ہاں اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی بنا پر اسلامی عدل اور اسلامی عدالتی نظام کو ایک ہی چیز سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ دونوں مختلف ہیں اور اسلامی عدالتی نظام کو کامیابی کے لئے' معاشرے کو اسلامی عدل کے مطابق استوار کرنا ضروری ہے۔ موجودہ زمانے کی اصطلاح میں اسلامی عدل کو سوشل جسٹس یا سماجی انصاف کیا جاتا ہے' اس کے ذریعے معاشرے سے معاشی ناہمواری دور کرکے' ہر فرد معاشرہ کی بنیادی ضروریات کو ضمانت دی جاتی ہے۔ ایسے معاشرے میں سرمایہ داروں کو یہ اجازت نہیں ہوتی کہ وہ غریب مختلف کشوں کی محنت کا استحصال کرسکیں۔ اسی مقصد کے لئے ربو جس کا ترجمہ سود کیا جاتا ہے شریعت اسلامی میں بہت بڑا جرم قرار دیا گیا ہے یہاں تک کہ قرآن مجید میں اسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم یعنی اسلامی ریاست سے بغاوت قرار دیا گیا ہے۔

دور رسالت اور خلافت راشدہ کے دوران جب اسلام کے عدل اجتماعی کا پورا پورا خیال کیا گیا تو اس دور میں امیر اور غریب کے درمیان بہت کم فرق رہ گیا تھا۔ اس مقصد کے لئے خود رسول اللہ صلعم اور خلفائے راشدین نے عملی نمونے پیش کئے۔ رسول اللہ صلعم اسلامی ریاست کے سربراہ تھے اگر آپ چاہتے تو اپنے وقت

Marfat.com

کے حکمرانوں کی طرح اپنے لئے شاندار محل بنوا سکتے تھے۔ لیکن آپ نے ایسا کرنے کی بجائے ایک ایسا سادہ مکان میں رہنا پسند کیا کہ جو معاشرے کا غریب آدمی بھی اپنے لئے بنا سکتا تھا۔ اس زمانے میں گھوڑا' امیر لوگوں کی سواری' تھا اور متوسط طبقے کے لوگ اونٹ اپنی سواری کے لئے استعمال کرتے تھے۔ جبکہ غریب لوگوں کو مشکل سے گدھے کی سواری میسر تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم نے غریبوں کا خیال کرتے ہوئے گھوڑے کی بجائے' اونٹ اور گدھے کو اپنی سواری کے لئے منتخب فرمایا۔

صحابہ کرام نے بھی آپؑ کی تقلید کی۔ خلفائے راشدین کی زندگیاں بھی آپ کی طرح سادہ تھیں۔ خلیفہ ثالث' عرب کے امیر ترین شخص تھے کہا جاتا ہے کہ تجارتی قافلوں میں ہزاروں اونٹوں پر ان کا سامان تجارت ہوتا تھا۔ لیکن اسلام لانے کے بعد انہوں نے اپنا تمام مال' مسلمانوں کی بہبودی پر خرچ کر دیا ہے۔ یہاں تک کے وفات کے وقت آپ کے گھر میں صرف دو اونٹ رہ گئے تھے۔

اس کے مقابلے میں ہمارے ہاں چند فیصدی لوگ' ملک کی کثیر آبادی کا استحصال کر رہے ہیں۔ وہ تو عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں جبکہ غریب لوگ فاقہ کشی پر مجبور ہیں۔ شاید ہی کوئی دن ایسا ہو کہ اخبارات میں ملک کے کسی نہ کسی حصے سے ان غریب لوگوں کی خودکشی کی خبریں شائع نہ ہوتی ہوں۔ ایسے معاشرے میں اسلام کے عدالتی نظام کے نفاذ سے مثبت نتائج کیسے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔؟

چوری ایک ایسا سنگین جرم ہے عام طور پر اس کا ارتکاب ایسے لوگ کرتے ہیں جو فاقہ کشی کی وجہ سے موت کے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں۔ شریعت اسلامی نے معاشرے سے اس جرم کے خاتمے کے لئے نہایت ہی سخت سزا مقرر کی ہے۔ وہ سزا چور کا ہاتھ کاٹنا ہے۔ لیکن اس شرعی حد کے نفاذ سے پہلے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ اسلام کے عدل اجتماعی کے ذریعے معاشرے کے تمام افراد کی بنیادی ضروریات کا مناسب بندوبست کیا جائے۔ روایت بیان کی جاتی ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں جب مدینہ منورہ میں قحط پڑ گیا تو انہوں نے چوری کی شرعی حد کا نفاذ

Marfat.com

معطل کر دیا۔ اور فرمایا کہ جب حکومت اس حالت میں نہیں کہ وہ معاشرے کے تمام افراد کی ضروریات کا مناسب بندوبست کرسکے تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ چوروں کے ہاتھ کاٹتی پھرے۔ کہا جاتا ہے کہ اس عرصے کے دوران ایک مالک نے آپ کے پاس شکایت کی کہ اس کے غلاموں نے اس کا ایک اونٹ چرا کہ ذبح کرکے کھالیا ہے۔ غلاموں نے اپنے جرم کا اقبال کیا لیکن ساتھ ہی یہ کہا کہ ان کا آقا انہیں پوری خوراک نہیں دیتا تھا اور انہوں نے بھوک سے مجبور ہو کر ایسا کیا تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ نے ان غلاموں کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے۔ ان کے مالک کو سرزنش کی کہ وہ انہیں مناسب خوراک مہیا کیا کرے۔

مستند روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو دور رسالت میں اور نہ ہی خلافت راشدہ کے دوران کسی چور کا ہاتھ کاٹا گیا' اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کے عدل اجتماعی کے ذریعے سے معاشرے کی تشکیل اس طرح کر دی گئی تھیں کہ اس جرم کے ارتکاب کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ اس کو مزید تفصیلات کتاب کے آئندہ صفحات میں قارئین کے سامنے آئے گی۔

لیکن بعد میں جب اسلامی حکومت' ملوکیت میں بدل گئی' اور حکمرانوں نے اپنی عیش پرستی کے لئے غریبوں کا استحصال کرنا شروع کیا۔ تو معاشرے میں جرائم میں بھی' اضافہ ہونے لگا۔ حکمرانوں کے اس طرز عمل کی وجہ سے ان کے کئی مخالف بھی پیدا ہوگئے۔ ان ظالموں نے معاشرے سے جرائم کے خاتمے کی بجائے اپنے مخالفوں کو ختم کرنے کے لئے ان پر شرعی حدود کا نفاذ شروع کر دیا۔ اس صورت حالات نے عظیم فقہاء کو بڑا پریشان کیا چنانچہ انہوں نے چوری کی شرعی حد کو اس طرح تشریح کی کہ حکمرانوں کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ اسے اپنے ذاتی مقاصد کے لئے استعمال کرسکیں اس بارے مین امام شافعی نے یہ فتویٰ دیا کہ معاشرہ چونکہ اسلام کے عدل اجتماعی کی برکتوں سے محروم ہے اس لئے کسی چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جاسکتے ہاں اسے اس جرم سے باز رکھنے کیلئے قید میں ڈالا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس جرم

Marfat.com

سے توبہ کر لے بعد کے مسلمان حکمرانوں نے چوروں کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے' امام شافعی کے اس فتویٰ کو اختیار کرلیا۔ اس کی مزید تفصیلات کتاب میں ملیں گی۔

شریعت اسلامی میں دو طرح کے حقوق ہیں ایک حقوق اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق جیسے عبادات وغیرہ اور دوسرے حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ حقوق اللہ کی کوتاہی کو تو معاف کردے گا لیکن جن لوگوں نے اپنے بھائی بندوں کے حقوق غصب کئے ہونگے۔ وہ جب تک متعلقہ لوگ معاف نہیں کرینگے اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں کرے گا۔ جب مسلمانوں میں ان حقوق کا احساس ہو جائے تو پھر جرائم کا ارتکاب خود بخود کم ہو جاتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں انسانوں کے حقوق کی حفاظت تو کجا جانوروں کے حقوق کی تلفی کی بھی اجازت نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو انسانوں کی خوراک اور دوسری سہولتوں کے لئے پیدا کیا لیکن اس امر کی اجازت نہیں دی کہ ان پر کسی بھی صورت میں ظلم کیا جائے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں ذبح کیا جائے تو ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ انہیں کم سے کم تکلیف ہو۔ اسی مقصد کے لئے جانوروں کی شکار کرنے کی اجازت دی گئی۔ ان کا شکار کھیلنے سے منع کر دیا گیا۔ جب کہ آج کل ان جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے جو حرام ہے۔

ملک عزیز میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ تو قیام پاکستان کے بعد ہی کیا جانے لگا ہے۔ لیکن اس بارے میں ابھی تک کوئی خاص پیش رفت نہیں ہو سکی۔ بلاشبہ بعض حکمرانوں نے اسلام کے عدالتی نظام کا موجودہ انگریز کا عدالتی نظام میں پیوند لگانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے مثبت نتائج نہ نکل سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کے عدالتی نظام کو کامیابی کے لئے معاشرے کو اسلام کے عدل اجتماعی کے اصولوں پر ڈھالنا' بنیادی شرط تھی۔ ایسا کرنے کی بجائے' الٹا سرمایہ داری نظام اور فیو ڈلزم کا جڑیں مضبوط کرنے کی کوشش کی گئی۔ خیال رہے کہ اسلام کے عدل اجتماعی کی روشنی میں اسلامی معاشرے میں زمین کی خرید و فروخت کی اجازت نہیں ہر

Marfat.com

ضرورت مند اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے دوسرے الفاظ میں ایسے اسلامی معاشرے میں فیوڈلزم کو سرے سے گنجائش ہی نہیں۔ جبکہ ہمارے بعض جید علماء نے فیوڈلزم کو اسلامی ادارہ ثابت کرنے کیلئے مستقل کتابیں لکھیں۔ ایسے معاشرے میں اسلام کا عدالتی نظام کیسے مثبت نتائج دے سکتا ہے؟

آج ساری دنیا میں اس حقیقت کو تسلیم کیا جاچکا ہے کہ جب تک معاشرہ کو عدل اجتماعی کے اصولوں پر ڈھال کر' رفاہی مملکت میں تبدیل نہیں کیا جائے گا اس وقت سے معاشرے سے جرائم کا خاتمہ ممکن نہیں۔ چنانچہ موجودہ دور میں یورپ کے بہت سے ممالک نے اپنے اپنے ممالک کو فلاحی ریاستوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ برطانیہ جو یورپ کا امیر ترین ملک ہے اس کا وزیر اعظم اپنے دفتر کے اوپر ایک ایسے مکان میں رہتا ہے کہ جس میں تین یا چار سونے کے کمرے ہیں۔ امریکہ اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ امیر ملک تسلیم کیا جاتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں ہمارے غریب ملک کے وزیر اعظم کی رہائش اخباری اطلاعات کے مطابق امریکی صدر کی رہائش گاہ سے دس گناہ بڑی ہے۔ اس سے دوسری سہولتوں کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مختصر یہ کہ اگر ہمارے حکمران' ملک عزیز میں اسلامی نظام کے نفاذ کے بارے میں مخلص ہیں تو انہیں معاشرے کو اسلام کے عدل اجتماعی کے اصولوں کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ خود سادہ طرز زندگی اختیار کرنا ہوگا۔ اور یہ کوشش کرنی ہونگی کہ ملک میں امیر اور غریب میں معاشی تفاوت کم ہو۔ اور معاشرے میں کوئی فرد بھوکا نہ رہ جائے۔ اس صورت میں' اسلام کا اجتماعی نظام اپنے ضرور مثبت نتائج دے گا۔ معاشرے سے نہ صرف یہ کہ جرائم کا خاتمہ ہو جائے گا بلکہ دوسری بہت سی خرابیوں کا خود بخود قلع قمع ہو جائے گا۔

اس بارے میں ایک اور بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔ کہ مقدمات کی کارروائی غیر ملکی زبان کی بجائے مقامی زبان میں ہوگی۔ مختلف اسلامی ادوار میں مقدمات کے

Marfat.com

لئے وکلاء حضرات کی خدمات حاصل نہیں کی جاتی تھیں۔ قاضی ہی فریقین کی باتیں سن کر، ان کے درمیان فیصلہ کرتا تھا۔ جب کہ آج کل وکلاء کی خدمات حاصل کرنا ضروری ہیں۔ اس سلسلے میں بھی غریب لوگوں کو سہولتیں مہیا کرنا ہونگی تاکہ وہ اسلام کے سستے اور فوری انصاف کو برکات سے فیض یاب ہو سکیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل و احسان کا اسلامی مفہوم

۱۴ اگست ۱۹۸۸ء کو یوم آزادی کے موقع پر قومی پرچم لہرانے کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے صدر محمد ضیاء الحق مرحوم نے اعلان کیا کہ ملک عزیز میں ۱۶ نومبر سے پہلے پہلے عدل واحسان کا نظام قائم کر دیا جائے گا۔ عدل اور احسان اسلامی نظام کی اہم اصطلاحات ہیں۔ اس لیے ان پر گفتگو کرنے سے پہلے ان کا مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔

عربی زبان میں عدل کے لفظی معنی برابری کے ہیں۔ اونٹ کے دونوں طرف جو بوجھ باندھا جاتا ہے جو ایک دوسرے کے بالکل برابر ہوتا ہے' ان میں سے ہر ایک کو عدل کہتے ہیں اگر دونوں کے وزن میں کمی بیشی ہوگی تو انہیں عدل نہیں کہا جائے گا اور اس صورت میں اونٹ کے لیے ایسا وزن اٹھانا باعث تکلیف ہوتا ہے۔ اونٹوں کے مالکوں کو اس کا فوراً اندازہ ہو جاتا ہے۔ وہ ان اونٹوں کا بوجھ کم کرنے کی بجائے انہیں برابر کرنے کی بہت کوشش کرتے ہیں اور جس طرف بوجھ کم ہو' اس طرف پتھر باندھ دیتے ہیں۔ پتھر باندھ دینے سے بظاہر اونٹ کا بوجھ زیادہ ہو جاتا ہے لیکن چونکہ دونوں طرف کا بوجھ برابر ہو کر عدل بن جاتے ہیں' اس لیے اونٹ کو یہ زیادہ بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ عربی لفظ عدل کے اردو ترجمے انصاف کا بھی یہی مفہوم ہے

۱۱۷۶۱

Marfat.com

یعنی دوسرا نصف حصہ۔

احسان کا مادہ حسن ہے جس کے معنی ہم خوبصورتی کرتے ہیں لیکن عربی زبان میں کسی بگڑے ہوئے توازن کو ٹھیک کرنے کو احسان کہتے ہیں۔ اوپر والی مثال میں اونٹ کے دونوں طرف کے بوجھ کو برابر کرنے کیلئے اس کے ایک طرف کے بوجھ میں اضافہ کرنے کے لیے جو پتھر باندھا گیا ہے وہ اصل میں اس اونٹ سے احسان کیا گیا ہے کیونکہ اس طریقے سے اس کے بوجھ کا توازن ٹھیک ہو جاتا ہے۔ امام راغب اصفہانی نے اپنی مشہور لغت مفردات القرآن میں احسان کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ احسان دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک تو کسی دوسرے پر انعام کرنا' یعنی اس کی کمی پورا کرکے' اس کا توازن درست کر دینا۔ دوسرے خود اپنی سیرت و کردار میں توازن پیدا کرنا۔

اسلامی معاشرے کی بنیادیں عدل و احسان پر استوار ہوتی ہیں۔ اس معاشرے میں کسی فرد سے ناانصافی نہیں ہوتی یعنی ہر ایک کو اس کی محنت کا پورا پورا معاوضہ ملتا ہے' کوئی دوسرا اس کی محنت کا پھل ناجائز طریقے سے حاصل نہیں کرسکتا۔ پرانے زمانے میں اور آج کے دور میں بھی سودی نظام ایک ایسا طریقہ تھا اور ہے جس کی مدد سے سرمایہ دار غریب محنت کشوں کی محنت کا پھل ناجائز طریقے سے حاصل کرلیتے تھے اور کرلیتے ہیں اس لیے اسلام نے اسے انسانیت کے خلاف سب سے بڑا جرم قرار دیا۔ اسلام میں اس سے زیادہ سنگین جرم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ قرآن مجید نے اسے اللہ اور رسولؐ کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف قرار دیا ہے۔

اس اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے قرآن مجید میں یہ ہدایات نازل ہوئیں۔

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر' راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے

Marfat.com

کہ تم انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔ یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو' اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

(سورہ المائدہ:۸)

ان ارشادات ربانی کی روشنی میں علمائے اسلام نے اسلامی حکومت کے جو فرائض قرار دیئے ہیں' انہیں علامہ ابن رشد قرطبی نے ان الفاظ میں یہ بیان کیا ہے۔

ترجمہ: اسلامی حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ہر فرد معاشرہ کو اس کی محنت کا پورا پورا پھل دلوائے کوئی اس کی محنت کا استحصال نہ کرسکے یہ تو ہوا مالی معاملات میں عدل اور انسانی جانوں کے معاملوں میں بھی عدل قائم کیا جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی پر ظلم کیا جائے تو مظلوم کو اس کا بدلہ دلوایا جائے۔ ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دی جائے یہ سب عدل کے تقاضے ہیں۔

(بدایۃ المجتہد جلد دوم نمبر ۴۶۳)

قریش مکہ کو اسلام کی دعوت پر غصہ ہی اس وجہ سے تھا کہ اس کی بنیاد عدل و احسان پر تھی۔ جس کے مطابق حاکم و محکوم' آزاد اور غلام طاقتور اور کمزور بہادر امیر و غریب کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہا۔ سب کنگھی کے دانوں کی طرح برابر تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ آپس میں اونچ نیچ کا برتاؤ نہ کریں۔ اور اس کی عملی پیش کرنے کے لیے آپ نے عملاً اس طرح زندگی گزاری جس طرح کہ اسلامی معاشرے کا ایک عام فرد گزار سکتا تھا۔

شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اسلام نے غلامی کو ختم نہیں کیا تو یہ دراصل اس تدریجی طریقے کو اچھی طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے عرب معاشرہ غلام اور آقا کے دو طبقات تھے۔ اسلام نے دونوں کا درجہ برابر کر دیا معاشرے میں جو غلام پہلے سے موجود تھے انہیں اسلامی معاشرے کے برابر کے شہری بنانے کے لیے مختلف

Marfat.com

اقدامات کئے گئے اور آئندہ کے لیے قرآن مجید کی سورہ محمد کی آیت نمبر ۴ نازل ہوئی جس میں غلامی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا۔ لیکن بعد میں ملوکیت نے اپنے مفادات کے لیے غلامی کے ادارے کو دوبارہ زندہ کر دیا۔

اسلام کی رسی عدل و احسان کی تعلیمات تھیں جن کی وجہ سے قریش مکہ جو صدیوں سے اہل عرب کی سرداری کرتے چلے آرہے تھے۔ آگ بگولا ہو گئے تھے۔ قریش مکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر نہیں تھے۔ لیکن ان کے ذہنوں میں توحید کا محدود تصور تھا۔ جس کا انسان کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اگر قریش کو توحید الٰہی کے اس محدود و تصور کو دعوت دی جاتی اور ان کے سماجی اور اقتصادی نظام میں جو اونچ نیچ تھی' اسے نہ چھیڑا جاتا تو ان کی بڑی اکثریت آسانی سے ایمان لے آتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قریش کے لوگ اپنے بتوں سے مخلصانہ عقیدت نہیں رکھتے تھے۔ ان کے بارے میں ان کی کیفیت' تذبذب کی سی تھی۔ یہ سارے بت ان کی نگاہ میں اصل مقصود نہیں تھے۔ بلکہ عام عربوں کو قابو رکھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کا غیظ و غضب جس قدر بتوں کی مذمت کی وجہ سے تھا اس سے کہیں زیادہ اس بات پر تھا کہ اسلام کی عدل و احسان کی تعلیمات سے ان کا سماجی نظام ہلنے لگا تھا اور آپ ایک ایسے عدل پر مبنی معاشرے کی دعوت دیئے تھے جو ان کی سیادت و قیادت کے مفادات کے خلاف تھا۔

عدل و احسان کے نظام کے قیام سے ہمارے معاشرے سے ناہمواریاں ختم ہونی شروع ہو جائیں گی۔ ہر فرد معاشرہ کے ساتھ انصاف ہو گا۔ کوئی کسی کا حق نہیں چھینے گا۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو حکومت اسے کرنے سے روک کر عدل و مساوات قائم کرے گی۔ اس طرح ایک صحیح اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی طرف یہ ایک بہت ہی اہم پیش رفت ہو گی۔ (اگست ۱۹۸۸)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلامی عدالتی نظام کا طریق کار

اسلامی عدالتی نظام کا طریق کار' انسانی معاشرے کیلئے اتنا زیادہ مفید ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں' اسے اختیار کر رہی ہیں۔ اس طریق کار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ زیادہ تر مقدمات کا فیصلہ عدالتوں سے باہر افہام و تفہیم کے ذریعے ہو جائے۔ اس سے ایک تو عدالتوں پر مقدمات کا بوجھ کم ہو جاتا تھا اور دوسرے لوگوں کو فوری اور سستا انصاف مل جاتا تھا۔ اس نظام عدل میں جہاں عدالتوں میں مقدمات کے فیصلے کرنے کیلئے حکومت کی جانب سے قاضی مقرر کئیے جاتے تھے وہاں عدالتوں سے باہر مفتی حضرات موجود ہوتے تھے۔ جو لوگ عدالتوں میں جانا پسند نہیں کرتے تھے وہ ان مفتی حضرات سے متعلقہ مقدمے کے بارے میں شریعت اسلامی کا فیصلہ پوچھ لیتے اور پھر باہمی افہام و تفہیم سے اس پر عمل کرتے۔ آج امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں بھی اس طریق کار کو اختیار کیا جاچکا ہے اور وہاں بھی یہ کوشش کی جاتی ہے کہ زیادہ تر مقدمات کا فیصلہ عدالتوں سے باہر ہی ہو جائے۔ عام لوگوں کو تو جانے دیجئے حال میں خود امریکہ کے صدر نے اپنے ایک مقدمے کا فیصلہ عدالت سے باہر افہام و تفہیم کے ذریعے کیا ہے۔

ابتداء میں تو حکومت کی طرف سے صرف قاضی مقرر کئے جاتے تھے' مفتی

Marfat.com

حضرات کا حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ انہیں اسلامی علوم پر کافی دسترس ہوتی تھی اس لئے معاشرے میں ان کا ایک مقام ہوتا تھا۔ بلکہ قاضی حضرات سے بھی زیادہ عزت کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ چونکہ اسلامی نظام عدل کا یہ طریق کار بہت ہی موثر تھا اس لئے بعد میں حکومتوں نے سرکاری طور پر بھی مفتی مقرر کرنے شروع کئے لیکن عوام کو جو اعتماد غیر سرکاری مفتیوں پر تھا۔ یہ سرکاری مفتی وہ اعتماد حاصل نہ کرسکے۔ وجہ یہ تھی کہ بعض اوقات غیر عالم لوگوں کو مفتی مقرر کر دیا جاتا تھا۔ جو اسلام کے مفید عدالتی نظام کیلئے نقصان دہ ثابت ہوا۔ عوام صرف ان مفتی حضرات کے پاس جاتے تھے کہ جن پر انہیں اعتماد ہوتا تھا۔ آج ہمارے ملک میں اس نظام کو سرکاری طور پر تو نہیں اپنایا گیا لیکن ابھی تک اس کے کچھ آثار باقی ہیں اور اکثر نیک لوگ اپنے مقدمات' عدالتوں میں لے جانے کی بجائے' ان مفتی حضرات سے معاملے کی شرعی حقیقت معلوم کرکے اس پر عمل کرتے ہیں۔

اس نظام کی بنیاد رسول اللہ صلعم کے ایک مشہور عدالتی فیصلے پر رکھی گئی تھی روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ دو فریق اپنا مقدمہ لیکر دربار رسالت میں پیش ہوئے۔ یہ مقدمہ جائیداد کی تقسیم کے بارے میں تھا۔ رسول اللہ صلعم نے مقدمے کے فیصلے سے پہلے فریقین پر یہ واضح کر دیا کہ ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک فریق' زبان کا تیز و طرار ہو اور اسے زیادہ باتیں بنانی آتی ہوں اور اپنے حق میں موثر دلائل دے سکتا ہو۔ جبکہ دوسرا فریق ایسا نہ کر سکتا ہو اور میں چونکہ ایک انسان ہوں۔ اس کے دلائل کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ دے سکتا ہوں۔ لیکن اگر ایسے فریق نے میرے فیصلے کے ذریعے اپنے فریق مخالف کی حق تلفی کی تو قیامت کے دن اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلعم نے یہ بات کچھ ایسے موثر پیرائے میں کہی کہ مقدمے کا جو فریق دوسرے فریق کی حق تلفی کرنا چاہتا تھا۔ وہ سخت شرمندہ ہوا اور رسول اللہ صلعم سے اپنے قصور کی معافی چاہی اور اعلان کیا کہ

Marfat.com

وہ کسی بھی صورت میں دوسرے فریق کی حق تلفی نہیں کرے گا بلکہ اسے اپنا حق دینے کو بھی تیار ہے۔

آج کے مروجہ عدالتی نظام میں لوگوں کے حقوق کا بہت کم خیال کیا جاتا ہے' وکیل صاحبان کو اپنے مؤکل کے مجرم ہونے کا بخوبی علم ہوتا ہے' لیکن بعض اوقات بھاری معاوضہ لیکر وہ ایسے مجرموں کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور قانونی الفاظ کی اس طرح تشریح و تعبیر کرتے ہیں کہ جن سے ان کے موکلوں کو فائدہ پہنچ سکے۔ دنیا جانتی ہے کہ اس طریقے سے بڑے بڑے مجرموں کو بری کرالیا جاتا ہے۔ ایسے مجرم اور زیادہ بے باکی سے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں جبکہ عدالتی نظام کا بنیادی مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ معاشرے سے جرائم کا خاتمہ ہو لیکن موجودہ ناقص قسم کا عدالتی نظام' ان میں اضافے کا سبب بن رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں دن بدن جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔

عدالتی نظام کے ساتھ ساتھ اسلام اس امر کو بھی کوشش کرتا ہے کہ ایسا معاشرہ قائم کیا جائے کہ جس میں کوئی شخص دوسرے کی محنت کا استحصال نہ کرسکے۔ اور ہر ایک شخص کو اس کی محنت کا پورا معاوضہ ملے۔ اور کوئی دوسرا شخص اسے اس کی محنت کے پھل سے محروم نہ کرسکے۔ دنیا کے ہر دور میں سود کا کاروبار' غریب محنت کشوں کی محنت کا استحصال کرتا رہا ہے۔ اور یہ استحصال ابھی تک جاری ہے۔ اسلام نے سود کو اسلامی معاشرے کے خلاف سب سے بڑا جرم قرار دیا۔ قرآن مجید میں تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑائی کے برابر قرار دیا گیا۔ اس زمانے میں سرمائے کی سب سے بڑی صورت زمین کی بے حد و حساب ملکیت ہوتی تھے۔ ایسے مالک اپنی زمینوں کو غریب کاشتکاروں سے کاشت کراتے۔ انہیں پیداوار کا کچھ حصے دے دیتے اور باقی گھر بیٹھے خود سمیٹ لیتے۔ رسول اللہ صلعم نے اس طرح کے کاشت کے معاملے کو خالص سود قرار دے دیا۔ اور زمین کے مالکوں کو یہ حکم دیا کہ وہ جتنی زمین اپنی ضروریات کے لئے کاشت کرسکتے ہیں' وہ اپنے پاس رکھیں اور اپنی

Marfat.com

زائد زمین بلا قیمت ضرورت مند مسلمان بھائیوں کے حوالے کر دیں۔ اور اگر کوئی مالک زمین ایسا نہیں کرتا تھا تو وہ دوسرے لوگوں سے بھی اپنی زمین بٹائی کے اصول پر کاشت نہیں کرا سکتا تھا۔ اس طرح سے جو کوئی اپنی زمین کے کسی ٹکڑے کو تین سال تک آباد نہیں کر سکتا تھا اس پر سے اس کی ملکیت خود بخود ختم ہو جاتی تھی۔

اگرچہ اس زمانے میں زمین کی ملکیت ہی بہت زیادہ دولت جمع کرنے کا ذریعہ تھی اور آج بھی کسی حد تک اس ذریعہ کو اختیار کیا جاتا ہے۔ تاہم بعض لوگ سونے چاندی کی صورت میں بھی اپنی دولت جمع کر کے رکھتے تھے۔ انسان اگر اپنے آپ کو حلال کی کمائی تک محدود رکھے تھے تو پھر بہت کم لوگ دولت جمع کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے بھی یہ حکم ہوا کہ ان کے پاس' ان کی ضرورت سے زیادہ جو دولت ہے اگر وہ سمیٹ کر رکھیں گے تو وہ ان کے لئے وبال جان بن جائیگی' اس لئے وہ اپنی ضرورت سے زیادہ دولت کو' اپنے ضرورت مند بھائیوں کی ضروریات پوری کرنے پر صرف کر دیں۔ سونے کے زیورات بھی اس زمانے میں اور آج بھی دولت جمع کرنے کا ذریعہ سمجھے جاتے ہیں' رسول اللہ صلعم نے مسلمان عورتوں کے لئے بھی سونے کے زیورات کا استعمال ممنوع قرار دے دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ صرف چاندی کے زیور استعمال کریں کہ جو غریب لوگ بھی آسانی سے اپنے اہل خانہ کو مہیا کر سکتے تھے۔

اس طرح سے معاشرے سے استحصال اور اونچ نیچ ختم کرنے کے بعد اسلام نے ایک ایسا فلاحی معاشرہ قائم کر دیا کہ جہاں تمام لوگوں کی ضروریات زندگی احسن طریقے سے پوری ہونے لگیں۔ تو پھر جرائم میں بھی بڑی حد تک کمی واقع ہو گئی۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی بدبخت کسی جرم کا ارتکاب کرتا تو شریعت اسلامی نے اس کے لئے سخت سزائیں مقرر کیں جنہیں شرعی حدود کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اب جرائم کا ارتکاب صرف عادی مجرم ہی کر سکتے تھے اور انہیں معاشرے سے ختم کرنے کیلئے انہیں سخت سزائیں دینے کی ضرورت پیش آتی۔ لیکن روایات میں آتا ہے کہ سخت

Marfat.com

قسم کے عادی مجرموں نے بھی اپنی اصلاح کرلی تھی اور رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں بہت کم لوگوں پر شرعی حدود کا نفاذ کیا گیا' عادی مجرموں نے اپنی اصلاح کس طرح کی اس کو وضاحت ایک مثال سے ہوگی۔ مدینہ منورہ کے قریب حوار میں ایک نہایت ہی ظالم قسم کا مجرم رہتا تھا۔ جو چوری' ڈاکہ' زناکاری اور قتل سب جرائم میں ملوث تھا۔ وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور تسلیم کیا کہ وہ ایک بہت بڑا مجرم ہے اور کوشش کے باوجود اپنے آپ کو جرائم سے باز نہیں رکھ سکتا۔ آپ اس کے حق میں دعا فرمائیں کہ وہ جرائم کے ارتکاب سے باز آجائے۔ آپؐ نے دعا کے ساتھ اس سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ یہ وعدہ کرے کہ آئندہ کبھی جھوٹ نہیں بولے گا ہمیشہ سچ کہے گا۔ چنانچہ وہ مجرم یہ وعدہ کرکے چلا گیا۔

رات کو جب ہی اسے کسی جرم کے ارتکاب کی خواہش ہوتی تو اسے فوراً رسول اللہ صلعم سے کیا ہوا اپنا وعدہ یاد آجاتا۔ کہ وہ جرم کے ارتکاب کے بعد جھوٹ تو بول نہیں سکتا تو اور رسول اللہ صلعم کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے اس کی کیا حالت ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اس اقرار کے بعد آپ کو اس جرم کی سزا دیں' اس طرح آہستہ آہستہ وہ عادی مجرم صرف جھوٹ ترک کرنے سے تمام جرائم کے ارتکاب سے بچ گیا۔ آج بھی جھوٹ ہی جرائم کا منبع ہے اور دکھ کی بات تو یہ ہے کہ اسی جھوٹ کی بنیاد پر عادی مجرموں کو سزا سے بچایا جاسکتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں جھوٹ کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی اس لئے جرائم کی تعداد بھی کم ہو جائے گی۔

جہاں تک شرعی حدود کے نفاذ کا تعلق ہے تو شرعی سزائیں چونکہ سخت ہیں تو اس کیلئے ضروری ہے کہ ان کے نفاذ سے پہلے اسلامی فلاحی معاشرہ قائم کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے ایسا معاشرہ قائم کرنے کے بعد ہی ان سزاؤں کو نافذ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ خلیفہ دوم کے زمانے میں قحط کی وجہ سے اسلامی حکومت' اس معاشرے کو قائم نہ رکھ سکی تو انہوں نے اس دوران چوری کی شرعی حد کے نفاذ کی

Marfat.com

معطل کر دیا تھا۔ مختصر یہ کہ اسلامی معاشرے سے جرائم کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ایسی فلاحی ریاست قائم کی جائے کہ جس میں معاشرے کے ہر فرد کی ضروریات مناسب طریقے سے پوری ہوں۔ اور کوئی طاقتور' غریب کی محنت کا استحصال کر کے دولتمند نہ بن جائے جیسا کہ سرمایہ داری نظام میں ہوتا ہے۔ اس وقت ہمارے ملک میں ہی ظالمانہ نظام قائم ہے اسلام کے عدالتی نظام کو قائم کرنے کیلئے اس کی بجائے اسلامی نظام قائم کرنا ہوگا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلام عدالتی نظام کے نفاذ کی ایک کوشش

اسلام آباد ۳۱ جنوری سینٹر قاضی عبداللطیف اور مولانا سمیع الحق نے ۱۳ جولائی ۱۹۸۵ء کو سینٹ میں نفاذ شریعت بل ۱۹۸۵ء پیش کیا۔ بل کو پیش کئے جانے کے بعد متعلقہ قائمہ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ ۱۰ نومبر ۱۹۸۵ء کو محرک کی طرف سے زبانی تحریک پیش کئے جانے کے بعد بل منتخبہ کمیٹی کو بھیج دیا گیا تھا۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۱۲ دسمبر ۱۹۸۵ء کی یہ بل منتخبہ کمیٹی کی پیش کردہ صورت میں سینٹ کے زیر غور لایا گیا بل حسب ذیل ہے۔

چونکہ قرار داد مقاصد کو جو کہ سابقہ وساتیر میں بطور تمہید کے رکھی گئی تھی جناب صدر مملکت نے اپنے صدارتی اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے دستور کا مستقل کا حصہ قرار دے دیا۔

اور چونکہ قرار داد مقاصد میں اس ملک کا حاکم اعلیٰ تشریعی اور تکوینی دونوں حیثیتوں سے رب العلمین خالق کائنات کو تسلیم کیا گیا ہے۔

اور چونکہ یہ ملک مسلمانوں کی عملی زندگی کو قرآن اور سنت کے مطابق ڈھالنے کے لئے معرض وجود میں لایا گیا۔

اور چونکہ اس ملک کے باشندوں کے ساتھ یہ عہد کیا گیا کہ یہاں قرآن و سنت کا قانون زندگی کے ہر شعبے پر ہادی اور نافذ ہوگا اور چونکہ موجودہ ریفرینڈم اور

Marfat.com

انتخابات میں عوام نے صدر مملکت اور پارلیمنٹ کو شریعت کے عملی نفاذ کیلئے منتخب کیا ہے۔

لہذا۔ اب حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔

۱۔ مختصر عنوان وسعت اور آغاز نفاذ (ا) یہ ایکٹ نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۸۵ء کے نام سے موسوم ہو گا۔

۲۔ یہ پورے پاکستان پر نافذ ہو گا۔

یہ فی الفور نافذ العمل ہو گا۔

۲۔ تعریف:۔ اس ایکٹ میں شریعت سے مراد۔

(الف) دین کا وہ خاص طریقہ ہے جس اللہ تعالیٰ نے خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اپنے بندوں کے لئے مقرر کیا ہے۔

ج۔ کوئی حکم یا ضابطہ جو اجماع امت سے ثابت اور ماخوذ ہو۔ شریعت کا حکم متصور ہو گا۔

د۔ ایسے احکام جو امت کے مسلمہ اور مستند فقہا (مجتہدین) نے قرآن پاک سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت کے قیاس و اجتہاد کے ذریعے مستنبط کر کے مدون کئے ہیں شریعت کے احکام متصور ہوں گے۔

۳۔ کوئی مقننہ شریعت کے خلاف قانون نہیں بنائے گی۔ مقننہ کوئی ایسا قانون یا قرار داد منظور نہیں کر سکے گی جو شریعت کے احکام کے خلاف ہو۔ اگر ایسا کوئی قانون یا قرار داد منظور کر لی گئی تو اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

۴۔ ملک عدالتیں شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کریں گی ملک کی عدالتیں تمام امور و مقدمات میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوں گی۔

۵۔ وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار:۔ وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار سماعت و فیصلہ بلا استثنیٰ تمام امور و مقدمات پر حاوی ہو گا۔

۶۔ شریعت کے خلاف احکامات دینے پر پابندی:۔ انتظامیہ کا کوئی بھی فرد بشمول

Marfat.com

صدر مملکت اور وزیراعظم شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا۔

۷۔ عدالتی عمل اور احتساب:۔ حکومت کے تمام اعمال بشمول صدر مملکت اسلامی قانون عدل کے مطابق عدالتی احتساب سے بالاتر نہیں ہوں گے۔

۸۔ حذف کردی گئی

۹۔ غیر مسلم کو تبلیغ کی آزادی:۔ غیر مسلم باشندگان مملکت کو اپنے ہم مذہبوں کے سامنے مذہبی تبلیغ آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون کے مطابق کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۰۔ علماء کہ جج مقرر کیا جائے گا:۔ تمام عدالتوں میں حسب ضرورت تجربہ کار جید اور مستند علماء دین کا بحیثیت جج اور معاونین عدالت تقرر کیا جائے گا۔

۱۱۔ ججوں کی تربیت کے انتظامات:۔ علوم شرعیہ اور اسلامی قانون کی تعلیم اور ججوں کی تربیت کا ایسا مئوثر انتظام کیا جائے گا کہ مستقبل میں علوم شرعیہ اور خصوصاً اسلامی قانون کے ماہر جج تیار ہوسکیں۔

۱۲۔ قرآن وسنت کی تعبیر:۔ قرآن اور سنت کی وہی تعبیر معتبر ہوگی جو اہل بیت' عظام ' صحابہ کرام اور مستند مجتہدین کے علم اصولی تفسیر اور علم اصول تفسیر حدیث کے مسلمہ قواعد اور ضوابط کے مطابق ہو۔

۱۳۔ اعمال حکومت کے لئے شریعت کی پابندی:۔ انتظامیہ عدلیہ مقنّنہ کے ہر فرد کیلئے' فرائض شریعت کی پابندی اور محرمات شریعت سے اجتناب کرنا لازم ہوگا۔

۱۴۔ ذرائع ابلاغ کی تطہیر:۔ تمام ذرائع ابلاغ کو خلاف شریعت پروگراموں فواحش اور منکرات سے پاک کیا جائے گا۔

۱۵۔ حرام کمائی پر پابندی:۔ حرام طریقوں اور خلاف شریعت کاروبار کے ذریعہ دولت کمانے پر پابندی ہوگی۔

۱۶۔ بنیادی حقوق کا تحفظ:۔ شریعت نے جو بنیادی حقوق اہل ملک کو دیئے ہیں ان کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا

Marfat.com

اغراض وجوہ

۳۔ بل کی اغراض وجوہ بھی حسب ذیل ہین
مملکت خداداد پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔
اس کی بنیاد' اسلام کے نظریہ پر قائم ہے۔
اس مسودہ قانون کی غرض و غائیت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ملک کے اسلامی نظریہ کا استحکام ہے۔
اہل ملک کو جو بلا امتیاز عرصہ سے اس نظام کیلئے بے چین ہیں مطمئن کرنا ہے۔
ملک میں صحیح اسلامی معاشرہ کے ذریعہ امن و امان اور اسلامی مساوات قائم کرنا ہے۔

۱۴۔ ۲۶ جنوری ۱۹۸۶ء کو منعقد ہونے والے سینٹ کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ بل پر تین ماہ کے اندر یعنی ۲۵ اپریل ۱۹۸۶ء تک رائے عامہ حاصل کرنے کیلئے اسے مشتہر کیا جائے۔

۱۵۔ عوام میں سے کوئی شخص یا کوئی ادارے یا انجمنیں وغیرہ جو بل کی تمام یا اس کی کسی دفعہ پر اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہتے ہوں وہ اپنی رائے سیکرٹری سینٹ سیکرٹریٹ سٹیٹ بنک بلڈنگ اسلام آباد کو زیادہ سے زیادہ ۲۵ اپریل ۱۹۸۶ء تک بھیج سکتے ہیں۔

(فروری ۱۹۸۶ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلام کا عدالتی نظام بازیچہ اطفال نہ بنایا جائے

حال ہی میں سینٹ کی جانب سے جو شریعت بل پاس کیا گیا ہے اور جس کے حوالے سے جمہوری حکومت کی نیت پر ابھی سے حملے کئے جا رہے ہیں اس پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بل کے مجوزین اور علم برداروں کو اسلام کے عدالتی نظام کی بنیادی اصطلاحات تک کا علم نہیں انہی اصطلاحات مین سے ایک قاضی اور مفتی کا فرق ہے۔ مفتی کسی بھی اسلامی دور میں کوئی سرکاری عہدہ نہیں رہا لیکن یہ حضرات اپنے بل میں یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ سرکاری مفتی مقرر کئے جائیں۔ اس سلسلے میں مجوزہ بل کی دفعہ ۴ کے تحت پوری چھ سفارشات کی گئی ہین جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

ایسے تجربہ کار اور مستند علماء جو اس قانون کے تحت مفتی مقرر کئے جانے کے اہل ہوں عدالتوں کے ججوں اور معاونین عدالت کے طور پر مقرر کئے جانے کے اہل ہوں گے۔

ایسے اشخاص جو پاکستان یا بیرون ملک اس مقصد کے لئے متعلقہ حکومت کے تسلیم شدہ اسلامی علوم کے معروف اداروں سے شریعت کا واضح علم رکھتے ہوں۔

فی الوقت نافذ کسی دوسرے قانون میں شامل کسی امر کے باوجود شریعت کی

Marfat.com

تشریح اور تعبیر کے لئے عدالت کے سامنے اس مقصد کے لئے وضع کئے جانے والے قواعد کے مطابق پیش ہونے کے اہل ہوں گے۔

مفتی جس کا درجہ ڈپٹی اٹارنی جنرل کے برابر ہوگا کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ایسے قانونی امور کے بارے میں جن پر شریعت کی تشریح و تعبیر درکار ہو مشوہ دے۔ اور ایسے دیگر فرائض انجام دے جو حکومت کی طرف سے اس کے سپرد یا اس کو تفویض کئے جائیں اور اسے حق حاصل ہوگا کہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں عدالت عظمیٰ اور عدالت عالیہ میں جب کہ وہ اس قانون کے تحت اختیار سمت استعمال کر رہی ہو وہ وفاقی عدالت میں سماعت کے لئے پیش ہوں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شریعت بل کے مجوزین حضرات کو قاضی اور مفتی کے فرق کا علم نہیں تھا قاضی اسلامی حکومتوں میں ایک سرکاری عہدہ ہوتا تھا جب کہ مفتی کا نہ تو کوئی سرکاری عہدہ ہوتا تھا اور نہ ہی کسی مسلمان حکمران نے سرکاری طور پر کبھی مفتیوں کا تقرر کیا۔ مفتی کے لفظی معنی ہیں فتویٰ دینے والا' لوگ ان سے اپنے طور پر شرعی مسائل کے بارے میں رائے پوچھتے تھے۔ اسلام کے ابتدائی ادوار میں مسلمانوں کے درمیان جب تنازعے پیدا ہوتے وہ عدالتوں میں قاضیوں کے پاس جانے کی بجائے انہیں خود ہی نمٹانے کی کوشش کرتے تھے اس سلسلہ میں وہ یہ دیکھتے تھے کہ ان کے علاقے میں سب سے بڑا عالم دین کون سا ہے وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوتے' اپنے تنازعے کا ذکر کئے بغیر وہ اس سے اس قسم کے تنازعے کے بارے میں شریعت کا حکم معلوم کرتے اور پھر خاموشی سے اس حکم پر عمل کرکے تنازعہ کو ختم کر دیتے تھے وہ عوام میں مفتی کے نام سے مشہور ہو جاتا تھا۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس اصول پر عمل کرتے تھے اپنے تنازعات کا ذکر کئے بغیر رسول اکرمؐ سے اس قسم کے معاملات کے بارے میں شریعت اسلامی کا حکم معلوم کرتے اور پھر چپکے سے اس پر عمل کر لیتے خود ہمارے اس گئے گزرے زمانے میں بھی ایسے بعض لوگوں کی کمی

Marfat.com

نہیں جو عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹانے کی بجائے ایسے علماء جو مفتی کہلاتے ہیں' سے شرعی حکم معلوم کرکے اس پر عمل کرتے ہیں مختصر یہ کہ مفتی اسلامی تاریخ کے کسی دور میں سرکاری عہدہ نہیں رہا بلکہ یہ ہمیشہ ایک غیر سرکاری شخص ہوتا تھا جو لوگوں میں مفتی کے نام سے مشہور ہو جاتا۔ اور چونکہ سرکاری اثر و رسوخ سے آزاد ہوتا اس لئے حکومتیں اگر غلط کام کرتیں تو ان کے خلاف بھی فتوے جاری کر دیتا تھا۔
شریعت بل کے مجوزین کو اگر قاضی اور مفتی کا یہ فرق معلوم نہیں تھا تو وہ کم از کم اپنے زمانے کے ایک مفتی کے مقام پر غور کر لیتے ہمارا اشارہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی طرف ہے ان کے فرقے کے علماء حضرات کی جانب سے انہیں مفتی اعظم پاکستان کا خطاب دیا گیا تھا حالانکہ نہ تو وہ حکومت پاکستان کے کوئی عہدہ دار تھے اور نہ ہی حکومت نے انہیں یہ خطاب دیا تھا۔ علماء حضرات انہیں مفتی اعظم اس لئے کہنے لگے کہ عوام کی اکثریت ان سے درپیش ہونے والے مسائل کے بارے میں شریعت اسلامی کا حکم معلوم کرتی تھی اور اس پر اپنے طور پر عمل کر لیتی تھی۔

اب شریعت بل کے تحت مفتی کا سرکاری عہدہ قائم کیا جا رہا ہے یعنی ایسا عہدہ جس کا پچھلے چودہ سو سال میں کسی اسلامی ملک میں وجود نہیں رہا پھر اس عہدے کے لئے جن علماء حضرات کو موزوں قرار دیا جا رہا ہے ان کی علمیت کا راقم کو بڑا ہی تلخ تجربہ ہے وہ یوں کہ جنرل ضیاء الحق نے مولوی حضرت کی جانب سے ان کے مارشل لاء کی تائید کے عوض میں ان کے مدارس کی درس نظامی کے سند کو ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات کی ڈگری کے برابر قرار دے دیا اس طرح وہ کالجوں میں لیکچراروں کے طور پر منتخب ہونے کے اہل قرار دے دیئے گئے۔ اتفاق سے اس فیصلے کے بعد کالجوں کے لئے عربی اور اسلامیات کے لیکچراروں کی بھرتی کے لئے جو انٹرویو ہوئے اس کی ذمہ داری راقم کو سونپی گئی پچھلے تین چار سال میں تین چار ہزار سے زائد ان علماء حضرات کا انٹرویو لینے کا اتفاق ہوا یہ حضرات شریعت اسلامی کا علم تو کجا اپنی درس

Marfat.com

نظامی والی عربی ڈگری کا اردو میں ترجمہ نہیں کرسکتے تھے۔ اتفاق سے ان کے درس نظامی کی ڈگری شہادہ العالمیہ' کی ترکیب عربی زبان کی گرائمر کے مطابق غلط تھی۔ اس لئے وہ بیچارے اس کا غلط ترجمہ کرتے رہے پھر انہیں بتایا گیا کہ ان کی ڈگری کے عنوان میں عربی زبان کے مطابق ایک سنگین غلطی ہے لیکن وہ اس غلطی کی نشاندہی نہ کرسکے۔ وغیرہ وغیرہ۔

درس نظامی میں علامہ بیضاوی کی تفسیر شامل ہے ان حضرات سے اس تفسیر کے حوالے قرآن مجید کی پہلی آیت کا ترجمہ پوچھا گیا تو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان میں کوئی بھی اس کا صحیح ترجمہ نہ کرسکا جہاں تک قاضی کے عہدے کا تعلق ہے تو بلاشبہ اسلامی حکومتوں میں یہ ایک معزز عہدہ رہا ہے۔ لیکن اس مقصد کے لیے ایسے جید علماء کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں جنہیں اس زمانے کے تمام فقہی ذخیرے پر مکمل عبور حاصل ہوتا تھا اور ہمارے علماء کی جو علمی حالت ہے اس کی طرف اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے۔

جنرل ضیاء صاحب نے مارشل لاء کی تائید کے بدلے میں مولوی حضرات سے ایک وعدہ یہ بھی کیا تھا کہ وہ جلد ہی علماء حضرات کو ملک کی عدالتوں میں قاضی مقرر کردیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس عہدے کے لئے مطلوبہ لیاقت حاصل کریں چنانچہ ان کے اشارے پر قاضی تیار کرنے کے لئے مختلف دینی مدارس میں قاضی کلاسیں شروع کی گئیں ان میں سب سے اعلیٰ ادارہ فیصل آباد کا شریعت کالج تھا جو فیصل آباد کے تین دینی مدارس کے تعاون سے قائم کیا گیا تھا۔ یہ مدارس جامعہ تعلیمات اسلامی دار العلوم اسلامیہ اور جامعہ سلفیہ تھے۔ اس منصوبے کو حکومت کا تعاون بھی حاصل تھا اور قاضی کا کورس کرنے والے امیدواروں کو سرکاری فنڈز سے وظیفے دیئے گئے اس کالج کا افتتاح پنجاب کے گورنر نے اپنے دست مبارک سے کیا تھا۔

اس کالج کی پہلی کلاس علماء اور وکلاء حضرات پر مشتمل تھی انہوں نے اس

Marfat.com

کالج میں چار ماہ کی تربیت حاصل کی اور پھر بعد میں کامیاب طلباء کو مزید تربیت کے لئے سعودی عرب بھیجا گیا اب جو شریعت بل میں قاضی کے عہدے کے لئے جن ضروریات کا تعین کیا گیا ہے ان کے مطابق یہ لوگ اس ملک میں قاضی بننے کے اہل ہیں لیکن عملاً یہ حضرات شریعت اسلامی سے بالکل نابلد ہیں۔

اسلامی فقہ جسے اسلامی قانون کہا جاتا ہے کی ڈیڑھ ہزار متداول کتابیں ہیں لیکن قاضیوں کی تربیت کرنے والے اس کالج کے نصاب میں ان میں سے ایک کتاب بھی شامل نصاب نہیں کی گئی تھی فقہ کی ایک چھوٹی سی کتاب بدایۃ المجتہد کے صرف چند صفحات داخل نصاب کیئے گئے اور وہ بھی مولوی حضرات کے لئے وکلاء حضرات اس سے مثتنی تھے یعنی قاضی کے عہدے کے لئے جن لوگوں کو تیار کیا جارہا تھا انہیں اسلامی قانون کی ایک بھی کتاب نہیں پڑھائی گئی حالانکہ اس مقصد کے لئے دوسرے ممالک میں آٹھ زندہ فقہی مذاہب کی درجنوں کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

سارا نصاب چند لیکچراروں پر مشتمل تھا اور کلاس کے خاتمہ پر جو امتحان ہوا اس کے پرچے ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قاضی کورس کے اساتذہ کو اسلامی قانون کی مبادیات تک کا علم نہ تھا مثلاً اجتہاد کے بارے میں ان قاضیوں سے یہ سوال پوچھا گیا تھا کہ اجتہاد کا دروازہ کیوں بند کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ دروازہ کبھی بند نہیں ہوا اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں تو اس کی وجہ ان کی اسلامی فقہ اور اسلامی قانون سے جہالت ہے ابھی کل کی بات ہے کہ اسلامی معاشرے میں سگریٹ نوشی کا رواج ہوا جس کے بارے میں اسلامی قانون کی کتابوں میں کوئی حکم موجود نہیں تھا تمام اسلامی ممالک کے علماء نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس نئے پیدا ہونے والے مسئلہ کا جائزہ لیا اور حیرانی کی بات ہے۔ کہ وہ سب ایک ہی نتیجے پر پہنچے کہ یہ شریعت اسلامی میں جائز نہیں ہوسکتا چنانچہ ان سب نے سگریٹ نوشی کے حرام ہونے کا متفقہ فتویٰ صادر کر دیا۔

اگر حکومت اس ملک میں اسلام کا عدالتی نظام نافذ کرنا چاہتی ہے تو پھر اسے

Marfat.com

موجود لاء کالجوں میں اسلامی قانون کی چند مستند کتابیں اس کی اصلی عربی زبان میں پڑھانے کا انتظام کرنا چاہیے وگرنہ جس طرح کے قاضی تیار کئے جا رہے ہیں اس سے اسلام کا عدالتی نظام بازیچہ اطفال بن جائے گا جس سے عامتہ الناس اسلام سے بھی متنفر ہوں گے۔

(جون ۱۹۹۰ء

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلام کے عدالتی نظام کے نفاذ کی خواہش

ملک عزیز میں اس وقت ہمارے سابقہ انگریز حکمرانوں کا نافذ کردہ عدالتی نظام ہی جاری و ساری ہے۔ ایک تو یہ نظام مہنگا ہے دوسرے اس کے ذریعے لوگوں کو انصاف حاصل کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ بعض اوقات اگر انصاف ملتا بھی ہے تو بہت دیر سے۔ اس لئے کافی عرصے سے یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ یہاں اسلام کا عدالتی نظام نافذ کیا جائے۔ موجودہ حکومت کو بھی اس کا احساس ہے اور وہ اسلام کے عدالتی نظام کے نفاذ کے بارے میں سنجیدہ دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اس بارے میں سب سے بڑی روکاوٹ یہ ہے کہ ہمارے اکثر قانون دانوں کو اسلام کے عدالتی نظام سے مناسب واقفیت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ہمارے ملک میں قانون کو جو تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے نصاب میں اسلامی قانون کی کوئی مستند کتاب شامل نہیں ہے۔

اس کمی کو پورا کرنے کیلئے راقم پچھلے چالیس سالوں سے متعلقہ حضرات کے سامنے یہ تجویز پیش کرتا رہا ہے کہ قانون کو تعلیم میں داخلے کیلئے عربی زبان سے واقفیت کو بنیادی شرط قرار دیا جائے اور یہ کہ قانون کے نصاب میں اسلامی قانون کی کوئی مستند کتاب شامل کی جائے۔ لیکن ابھی تک میری اس تجویز کو قبولیت حاصل

Marfat.com

نہیں ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے ایسے قانون دان' جو اسلام کے عدالتی نظام کے نفاذ کے دلی خواہشمند ہیں وہ بھی اس کی تفصیلات سے اچھی طرح اگاہ نہیں ہے۔ اور اسلام کے عدالتی نظام کی تعریف کرتے ہوئے بعض ایسی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں کہ جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

مثلاً ان میں سے اکثر حضرات یہ دعوے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اپنا خلیفہ یا نائب بنا کر بھیجا ہے اور اسے اپنے کچھ اختیارات تفویض کئے ہیں کہ جن کے مطابق وہ فیصلے کرے۔ حالانکہ سرے سے یہ عقیدہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ تھے اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ علامہ الماوردی نے اس امر پر امت مسلمہ کے تمام علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ جو کوئی بھی یہ عقیدہ رکھے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے وہ فاسق و فاجر ہے (احکام السلطانیہ ۱۵) امام ابن تیمیہ نے اس عقیدے کو سراسر کفر قرار دیا ہے۔ (اللفتادی الکبری جلد دوم صفحہ ۵۵۳)

ان حضرات کی دوسری سنگین غلطی اسلامی قانون کی مشہور اصطلاح اجتہاد کے بارے میں ہے۔ ان کے خیال کے مطابق قدامت پسند علماء حضرات نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا تھا جسے اب کھولنے کی ضرورت ہے اور پھر اسلامی تعلیمات سے عدم واقفیت کی بنا پر اجتہاد کا اطلاق ایسے مسائل پر کرتے ہیں کہ جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں واضح احکامات موجود ہیں یہ چونکہ ایک اہم موضوع ہے اس لئے اس کو وضاحت ایک مستقل مکالے میں کی گئی ہے جو آئندہ سطور میں قارئین کے سامنے آجائے گا۔

اسلام کے عدالتی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں روزنامہ جنگ نے اس نظام سے دلچسپی رکھنے والے قانون دانوں کے خیالات کا ایک سروے شائع کیا تھا۔ اس کا ایک حصہ قارئین کی دلچسپی کے لئے آئندہ صفحات میں نقل کیا جارہا ہے۔

Marfat.com

وکیل انجم

انصاف مسلم معاشرے کا طرہ امتیاز رہا ہے تاریخی واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ہر زمانے میN اسلام کے فرزندوں نے سماجی انصاف کا بول بالا کیا اور سب سے زیادہ خیال حقوق انسانی اور عدل و انصاف کا ہی رکھا ہے جس کی مثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ ہے جو بنی نوع انسان کے لئے مساوات کا درس بھی ہے اور جامع دستاویز بھی۔ اسلام نے ایسے معاشرے کو جنم دیا جو صراط مستقیم پر گامزن ہے۔ اس معاشرے کا ہر فرد نیکی کا گرویدہ اور بدی سے بچنے والا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی نیک کام کا حکم دینا اور برے کاموں سے روکنا) کو اپنا فرض منصبی بنا کر اسلامی معاشرہ "امت وسط" کے لقب کا مستحق ہوا ہے دنیا میں عدل اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب برائی کو روک دیا جائے اور نیکی کو رائج کیا جائے۔ انصاف کی بدولت ہی دنیا کے نظم و نسق میں بہتری پیدا ہو سکتی ہے اسلامی معاشرہ دنیا کی تاریخ میں واحد مثال ہے جس میں لوگ صلح و آشتی اور امن و امان کے ساتھ بستے تھے اور تمام شہریوں کو مساویانہ شہری حقوق حاصل تھے۔ سیاسی معاملات اور تجارتی لین دین میں کمی بیشی کرنے کے عمل کو اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔ قیمتوں پر کنٹرول کرنے کے لئے اشیاء کو بازار سے ناپید کر دینا سخت گناہ قرار دیا۔

"تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آچکی ہے تو تم ناپ تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ پیدا کرو، اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے۔
(الاعراف ۸۵)

ان سماجی خرابیوں کو روکنے کے لئے عدالتی نظام کو بھی اسلامی معاشرے میں استحکام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ نظام عدل مسلمان حکمرانوں کے

Marfat.com

نظم و نسق کا ایک ضروری جز رہا ہے۔ جب دنیا میں پہلی اسلامی مملکت بنی تو یہ ایک نئے تصورات حیات اور ایک بلند نصب العین کے ساتھ قائم ہوتی تھی اس کا اولین مرکز مدینہ تھا جہاں مکہ کے مہاجر' مدینہ کے مسلمان اور مدینہ کے غیر مسلم عرب اور یہودی سب ہی اس مملکت میں شامل تھے۔ اس مملکت کا دستور تحریری شکل میں منظر عام پر آیا اور یہ اسلام کی پہلی مملکت تھی جو سیاست کے بلند تصورات کے ساتھ قائم ہوئی اس میں عدل کو سب سے زیادہ مقام حاصل تھا اگرچہ ہر قوم اور ہر تہذیب مین انصاف کا تصور مختلف رہا ہے اور یہ تصور حالات' زمانے اور جگہ کے مطابق بدلتے رہے بلکہ ہر قوم اور زمانے نے "عدل" کو ایک خاص زاویہ نگاہ سے دیکھا اور یوں سزا کا تصور بھی بدلتا رہا اس کے ساتھ ساتھ ججوں کے معیارات اور مختلف معاملات میں فیصلے بھی مختلف رہے ہیں جبکہ کتاب اللہ میں "عدل" کا تصور بہت بلند ہے تمام اسلامی قوانین ایک مربوط نظام عدل کا حصہ ہیں۔ ان میں سے بعض کو اختیار کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا درست نہیں کیونکہ.....

حد زنا مسلم معاشر میں گناہ کبیرہ ہے اس حد کا اسلام کے عائلی قوانین سے گہرا تعلق ہے اسلام نے نکاح کے قانون میں وسعت اور گنجائش رکھی ہے ایک آدمی حسب حالات و شرط عدل ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ اس قانونی وسعت کے باوجود اگر کوئی زنا جیسے جرم کا مرتکب ہو گا تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔

اسلامی نظام عدل میں جہاں جرائم کی سخت سزاؤں کا حکم دیا گیا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ قاضی کو اس بات کی اچھی طرح تسلی کر لینی چاہیے کہ وہ جس جرم کی سزا سنا رہا ہے وہ شہادتوں اور دلائل کے مطابق ہے۔ اگر جھوٹی شہادتوں کی بنیاد پر سزا دے بھی دی جائے اور بعد میں اصل مجرم سامنے آجائیں تو قاضی کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔

Marfat.com

جسٹس (ر) شفیع محمدی

اسلام میں انصاف کا پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ عدالت کسی بھی شخص کے خلاف اس کا موقف سنے بغیر فیصلہ نہ دے اس اصول کا اظہار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان سے بھی ہوتا ہے جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اس فرمان کو ابوداؤد نے اپنی سنن میں' ترمذی نے اپنی جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ........

"جب دو فرد تمہارے پاس کوئی مقدمہ لائیں تو تمہیں فیصلہ کسی ایک شخص کے حق میں نہیں کرنا چاہیے جب تک تم دوسرے کی بات نہ سن لو کیونکہ دونوں کو سننے کے بعد ہی تم صحیح فیصلہ کر سکتے ہو۔

اسلام کی ان تعلیمات کو سامنے رکھ کر ایسے جج ضرور سوچیں جو مقدمے کے کسی ایک فریق کی غیر حاضری پر عموماً "ایکس پارٹی" آرڈر دوسرے فریق کے حق میں کر دیتے ہیں چاہے دوسرے فریق کا مقدمہ کتنا ہی کمزور ہو اور جس کے خلاف آرڈر کیا جاتا ہے اس کا مقدمہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ اسلام میں انصاف کا دوسرا اصول ہے کہ ہر شخص چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم' امیر ہو یا غریب' بادشاہ ہو یا فقیر سب قانون کی نظر میں برابر ہیں اسی اصول کی تشریح صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں درج شدہ چوری کے ایک واقعہ سے ہوتی ہے۔ عرب کے ایک بااثر قبیلہ بنو مخزومہ کی ایک عورت چوری کے ایک کیس میں پکڑی گئی۔ قرآن مجید کے حکم کے مطابق اس کی سزا کڑی تھی قریشی بہت پریشان تھے کیونکہ بنو مخزومہ جیسے بااثر قبیلہ کی عورت کو سزا دینے کے سیاسی طور پر منفی اثرات مرتب ہو سکتے تھے۔ معاملہ چونکہ بڑا حساس تھا اس لئے بڑے غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ حضرت اسامہ بن زید کو سفارش کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا جائے کیونکہ صحابہ کرام کا یہ خیال تھا کہ آپؐ ان کی بات نہ ٹالتے تھے تاہم یہ سفارش رد کر دی گئی عورت کو سزا

Marfat.com

دی گئی اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک تم سے پہلے قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ وہ سزا کا اطلاق بااثر لوگوں پر نہیں کرتی تھیں، اگر وہی جرم کوئی مجبور شخص کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ قسم ہے اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ایک یہودی کے مابین ایک مقدمہ ایک قاضی کے سامنے پیش ہوا تو قاضی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احترام میں کھڑا ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو ناقابل معافی قرار دیا کیونکہ قاضی کا یہ فعل اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ مقدمہ سنتے وقت اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اس کے مخالف کے ساتھ برابر کا سلوک روانہ رکھا تھا چنانچہ عدالتی معاملات میں مساوات کے آفاقی اصول کو نظرانداز کرنے کی بنیاد پر خلیفہ وقت نے جو حکمران بھی تھے فوراً انہیں ہٹا دیا۔

اسلام میں انصاف کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ کوئی جج کسی ایسے مقدمے کا جس میں اس کا بالواسطہ یا براہ راست تعلق ہو خود فیصلہ نہیں کر سکتا اسلام کا یہ اصول بھی آفاقی ہے اسلام کے اس اصول پر بھی آج پوری دنیا میں عمل کیا جاتا ہے۔ مدینہ کی مملکت کے قیام کے بعد دنیا کا پہلا تحریری آئین (میثاق مدینہ کی صورت میں) مرتب کیا گیا جس پر ہر مشہور قبیلے کے نمائندوں نے دستخط کئے تھے اس آئین کی روشنی میں مدینہ کے تمام قبائل، مہاجر، انصار اس بات کے پابند تھے کہ اگر مدینہ پر کہیں سے حملہ ہو گا تو وہ سب اس کی حفاظت کریں گے۔ قبیلہ بنو قریظہ بھی اس آئین کا پابند تھا۔ اسی آئین کے تحت تمام شہریوں کو مساوی حقوق حاصل تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحیثیت خلیفہ قاضی بھی تھے ان کا اختلاف ایک مسئلے میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ہوا تو انہوں نے اس کا فیصلہ خود نہیں کیا بلکہ اس مقدمہ کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس لے جایا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود خلیفہ ہونے کے ناطے سے مملکت کے چیف قاضی بھی تھے انہوں نے اپنے ماتحت قاضیوں

Marfat.com

کے کئی غلط فیصلے بدل دیئے اسلام میں قاضی کے لئے یہ اصول طے کر دیا گیا ہے کہ وہ ایسے مقدمے کا فیصلہ خود نہیں کر سکتا جس میں وہ بالواسطہ یا براہ راست ایک فریق کی حیثیت رکھتا ہو یا اس سے کسی قسم کا اس کا تعلق ظاہر ہوتا ہو فقہ کی تمام کتابوں میں بھی اس اصول کو پوری طرح وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے فقہ کی مشہور کتاب معین الحکام کے صفحہ ۳۵ پر اس سلسلہ میں جو عربی عبارت درج ہے اس کا ترجمہ کچھ یوں ہے ''قاضی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کیس کا فیصلہ اپنے حق میں کرے یا ان لوگوں کے حق میں کرے جس میں وہ گواہ نہیں بن سکتا کیونکہ انصاف کا انحصار گواہی پر ہے جب وہ کسی کیس میں گواہی نہیں دے سکتا تو اس کیس میں فیصلہ بھی نہیں کر سکتا۔''

اسلامی نظام عدالت میں سب سے بڑا جج اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی ذات نے یہ کام انبیاء کرام کے سپرد کیا۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں یہ کام اپنے صحابہ کے سپرد کیا لیکن چونکہ قضا کی اصل ذمہ دار آپؐ پر تھی اسی لئے آپؐ اپنے قاضیوں کے فیصلوں پر پوری نظر رکھتے تھے۔ تواریخ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور میں گورنروں اور قاضیوں کو ہر سال حج کے موقع پر مکہ بلاتے اور عوام کے سامنے ان کی کارکردگی کے متعلق پوچھتے تھے صرف ایک سال آپ خود ایسا نہ کر سکے مگر اس سال بھی آپ نے ایک صحابی کو اس مقصد کے لئے مقرر کیا۔

سید افضل حیدر ایڈووکیٹ

اسلام میں قاضی یا جج کی بڑی اہمیت ہے اس کے بغیر ''نظام عدل'' قائم نہیں ہو سکتا جج یا منصب مکمل طور پر قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلے کرنے میں آزاد ہوتا ہے انتظامیہ یا حکومت اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈال سکتی کیونکہ وہ انتظامیہ سے مکمل طور پر آزاد ہوتا ہے قاضی نے فیصلہ حقائق، شہادتوں، براہین اور احکام الٰہی کے

Marfat.com

مطابق کرنا ہوتا ہے اسلام میں جج یا قاضی کے فیصلہ کے خلاف اپیل بھی کی جا سکتی ہے جب فیصلہ حتمی ہو جائے تو انتظامیہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اسے نافذ کرے۔

حصول انصاف معاشرے کا بنیادی رکن ہے کیونکہ "عدل" اسلام کا اہم رکن ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ فیصلہ کرنے والا مکمل طور پر آزاد ہو اور اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہونا چاہیے حکمرانوں کی طرف سے مداخلت یا دباؤ قرآن و سنت کے احکامات کے بھی منافی ہے قاضی اپنی مرضی سے نہیں بلکہ وہ انصاف اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرتا ہے اگر کوئی قاضی بیرونی مداخلت یا دباؤ کو قبول کرتا ہے نہ صرف وہ یہ کہ قرآنی احکامات کی خلاف ورزی کرتا ہے بلکہ وہ انصاف کا خون بھی کرتا ہے اور ایسا قاضی منصف کے عہدے سے خارج تصور ہوگا جہاں تک گواہ کا تعلق ہے اس کی گواہی قرآن و حدیث کے اصولوں پر پوری اترتی ہو عدالت نے فیصلہ گواہوں کی روشنی میں کرنا ہوتا ہے اگر گواہی دینے والا جھوٹا ثابت ہو جائے تو اسلام میں جھوٹا شخص گواہی دینے کے لئے ہمیشہ کیلئے نااہل ہو جاتا ہے اور اسلام میں کسی کیلئے یہ سب سے بڑی سزا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں یہ تحریک پیدا کی جائے کہ وہ سچی گواہی دیں جہاں تک جرائم کے خاتمہ کے لئے ایک وکیل کا تعلق ہے اس کا کام اہم نوعیت کا ہوتا ہے وکیل عدالت کو صحیح فیصلہ کرنے میں مدد دے گا وکیل عدالت' ثبوت اور گواہوں کے درمیان پل کا کام کرتا ہے وکیل فریقین کے درمیان امن' صلح' رواداری قائم رکھنے کے لئے تمام بوجھ اپنے اوپر لیتا ہے اور حصول انصاف میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔

رانا اختر علی ایڈووکیٹ

اسلام میں اقتدار اعلیٰ شخصی نہیں بلکہ خالق کائنات ذات برحق خدا تعالیٰ کو ہی حاصل ہے قرآن کریم نے اقتدار اعلیٰ کا جو تصور دیا ہے اس کے مطابق انسان دنیا میں خدا تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے وہ زمین پر خدا کے عطا کردہ اختیارات استعمال کرتا

Marfat.com

ہے۔ حاکمیت کے اعلیٰ و مسلم اصولوں کے مطابق عدل اسلامی حکومت کا مستقل اور اہم شعبہ ہے اس کا نام "صیغہ قضا" ہے۔ عدل ظلم کی ضد ہے عدل یہ ہے کہ حق دار کو حق دلایا جائے اور جس کا حق نہیں اس سے حق لیا جائے۔ "صیغہ عدل" اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کے حقوق' امن' آزادی اور مساوات کا محافظ ہے۔ قاضی کا فرض ہے کہ وہ حق کے ساتھ میزان عدل کے دونوں پلڑے سو فی صد برابر رکھے۔ نظام عدل کو اسی لئے اہمیت حاصل ہے کہ اس کے سامنے مملکت کا ہر انسان جواب دہ ہے اور برابر ہے۔ اسلامی نظام عدل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ نہ صرف حاکم' عدالت' وکیل اور قاضی کو عادل ہونا چاہیے بلکہ گواہ بھی عادل ہو یہ خوبی دنیا کے کسی نظام عدل میں نہیں پائی جاتی۔

اس کے علاوہ اسلام کے زریں اصولوں کو مد نظر رکھتا ہو۔ قاضی کے لئے سب سے اولین فرائض میں یہ شامل ہے کہ وہ مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت صریح قرآنی احکام یا مسلمہ یا مشہور حدیث یا اجماع کی پیروی کرے۔ قاضی ہمیشہ اپنے عدالتی صوابدیدی اختیارات کا استعمال ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق کرتا ہے۔ اگر قاضی قرآن و حدیث کی روشنی میں کوئی فیصلہ کرنے میں مشکل کا شکار ہو یا مقدمہ میں اس کا کسی قسم کا تعلق ظاہر ہو رہا ہو تو وہ مقدمہ دوسرے قاضی کو منتقل کرنے کی درخواست کر سکتا ہے۔ اسلام میں قاضی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی قسم کے دباؤ سے آزاد رکھے اور کمزور کے مقابلے میں طاقت ور کو اہمیت نہ دے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ نہیں ہے

پچھلے چالیس سال سے پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام شائع کیا جارہا ہے جس کی اس وقت تک کوئی بیس جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ راقم کو پہلے یہ کتاب دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا کیونکہ اس کتاب کا انگریزی نسخہ میری ذاتی لائبریری میں موجود تھا۔ ان دنوں مجھے برصغیر کی اسلامی ریاست بھوپال کی اسلامی خدمات کی تفصیلات معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے لیے پنجاب یونیورسٹی کے شائع کردہ انسائیکلو پیڈیا کی ورق گردانی کی۔ اس کے بارے میں کسی زمانے میں یہ الزام لگا تھا کہ یہ یورپ میں تیار کردہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا ترجمہ ہے لیکن اس الزام کی تردید میں متعلقہ ادارے کی جانب سے وضاحت کی گئی تھی کہ یہ ترجمہ نہیں بلکہ اس میں اسلام کے بارے میں بہت سی مزید معلومات دی جارہی ہیں جو انگریزی ایڈیشن میں نہیں۔ ریاست بھوپال نے برصغیر میں اسلامی علوم کی جو خدمات سرانجام دی ہیں۔ شاید ہی دنیا کے کسی اسلامی ادارے نے اتنی خدمات سر انجام دی ہں۔ اسی ریاست میں تین سو علماء کا ایک ادارہ قائم کیا گیا تھا جنھوں نے اسلامی علوم پر سینکڑوں کتابیں مرتب کیں جو ریاست کے خرچ پر شائع کر کے برصغیر پاک و ہند کے طول و عرض میں مفت تقسیم کی گئیں۔ ریاست بھوپال نے یہ دینی

Marfat.com

خدمات ایک مسلمان حکمران عورت ملکہ شاہ جہان کے عہد زریں میں سر انجام دی تھیں لیکن پنجاب یونیورسٹی کے شائع کردہ انسائیکلو پیڈیا کی ورق گردانی کے بعد یہ تلخ حقیقت سامنے آئی کہ اسلامی ریاست بھوپال کی اسلامی خدمات تو کجا' سرے سے اس اسلامی ریاست کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ یا تو ایسا دانستہ کیا گیا کیونکہ اس سے اسلام میں مسلمان عورت کی حکمرانی کا جواز ثابت ہوتا تھا' یا پھر اہل علم کا یہ الزام درست دکھائی دیتا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کا انسائیکلوپیڈیا انگریزی ایڈیشن کا ترجمہ ہے۔

اگر یہ یورپ میں شائع شدہ انگریزی انسائیکلو پیڈیا کا ترجمہ ہے' تو پھر یہ ترجمہ بھی ناقص ہے۔ کیونکہ اصل کتاب میں جو مضمون صحیح صحیح بیان کیا گیا ہے ترجمے سے اس کو غلط بنا دیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید' میں حضرت آدم علیہ السلام کے سلسلے میں جس لفظ کا ذکر ہے انگریزی انسائیکلو پیڈیا میں تو اس کے صحیح معنی بیان کیے گئے یعنی نائب یا پیچھے آنے والا اور بس اور پھر ان معانی کی روشنی میں خلیفہ کے لفظ پر مفصل بحث کی گئی ہے لیکن پنجاب یونیورسٹی کے انسائیکلو پیڈیا میں انسان یا آدم کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ثابت کیا گیا ہے اور متعلقہ آیت کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے"

"میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں۔" (یہاں اس ترجمے مین' اپنا' کا لفظ اپنی جانب سے اضافہ کیا گیا ہے' کیونکہ یہ قرآن مجید کے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں) پھر فرماتے ہیں کہ خلیفہ کے لغوی معنی ہیں پیچھے آنے والا یا نائب' قرآن مجید میں مذکورہ مفہوم کے ضمن میں ایک نیا مفہوم خلافت بمعنی نیابت الٰہی نکلا ہے (جلد ہشتم ص: ۹۸۸)

اسلام میں نیابت الٰہی کا عقیدہ سب سے پہلے تصوف کے امام شیخ ابن عربی نے پیش کیا تھا اور اس کی بنیاد ان کا وحدہ الوجود کا عقیدہ تھا یعنی انسان اور اللہ تعالیٰ کا نعوذ باللہ' ایک وجود ہے۔ علمائے اسلام نے اسے رد کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حی و قیوم ہے جو ہر جگہ موجود ہے جبکہ خلیفہ ایسی ذات کا بنایا جاتا ہے جو موجود نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ نے یہ

Marfat.com

فتویٰ ا ۔ ر نی ٰ یا تھا کہ جو کوئی کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ سمجھے گا وہ مشرک اور کافر ہے۔

(الفتاویٰ الکبریٰ جلد دوم ص ۵۵۳)

علامہ الماوردی نے اس بارے میں یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ جو انسان یہ عقیدہ رکھے کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے تو اس کے فاسق و فاجر ہونے پر علمائے امت کا اتفاق ہے۔ (احکام السلطانیہ صفحہ: ۱۵) حیرت کی بات ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کے شائع کردہ انسائیکلو پیڈیا میں اس غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

اردو انسائیکلو پیڈیا کا مطالعہ کرتے وقت ایک اور غلطی سامنے آئی وہ یہ کہ سارے انسائیکلو پیڈیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درود کی وہ عبارت استعمال کی گئی ہے جو عربی زبان کی گرائمر کے مطابق غلط ہے عربی زبان کی گرائمر کے امام سیبوہ نے اسے ایک بہت ہی قبیح غلطی قرار دیا ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ سلف صالحین سے درود کی جو عبارت منقول ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: صلی اللہ علیہ وسلم

بعد میں کچھ لوگوں کی جانب سے اس میں الہ کا اضافہ کرکے یوں پڑھا جانے لگا۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔" چونکہ یہ ترکیب عربی زبان کے مطابق غلط تھی۔ عربی زبان میں مجرور ضمیر پر اسم ظاہر کا عطف نہیں ہوسکتا۔ اس عبارت میں علیہ ضمیر مجرور ہے جبکہ "الہ" اسم ظاہر ہے چنانچہ نحو کے امام سیبوہ نے فرمایا کہ اگر الہ کا اضافہ کرنا ہے تو اس سے پہلے حرف جار "علی" کو دوبارہ لایا جائے تو پھر درود کی عبارت ٹھیک ہو جائے گی اور یہ یوں پڑھا جائے گا:

صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم

کچھ لوگ جو آل کو نبوت میں شریک سمجھتے تھے۔ عربی عبارت کی اس اصلاح کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور "علی" کے بغیر درود کو مروج کیا۔ اس لیئے اگر اس کے استعمال کو گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس غلطی سے عقیدہ ختم نبوت پر زد پڑتی

Marfat.com

ہے۔ چنانچہ سیبویہ نے ان حضرات کو چیلنج کیا تھا کہ وہ اپنے دعوے کی دلیل میں قرآن و حدیث کی کوئی عبارت پیش کریں جسے پیش نہ کیا جاسکا۔

اس موضوع پر خود ہمارے اخبارات میں پچھلے آٹھ دس سال سے بحث ہوتی رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو انسائیکلو پیڈیا اسلام کے مرتبین میں شاید عربی کا ذوق نہیں ورنہ یہ غلطی ان پر واضح ہو جاتی نہ ہی وہ اس بحث سے آگاہ ہیں جو اخبارات میں چلتی رہی ہے۔ ان تفصیلات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام کے بارے میں صحیح صحیح معلومات پیش کرنے کی شعوری کوشش کرنی چاہیے اور اس ضمن میں ہر ممکن احتیاط برتنی چاہیے۔

خلیفہ کے بارے میں راقم کی تحقیق اخبارات میں شائع ہوئی۔ تو حکومت نے اس کی روشنی میں قرار داد مقاصد میں بھی ترمیم کر دی۔ جس کے بارے میں تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہو۔

پاکستان کے لئے دستور میں قرار داد مقاصد کے پہلے پیرے میں ایک اہم ترمیم عمل میں لائی گئی ہے۔ یہ ترمیم جو مولانا کوثر نیازی وزیر اطلاعات و نشریات اوقات و حج کی جانب سے پیش کی گئی تھی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اپنی حاکمیت اعلیٰ کے اختیارات کسی کو تفویض کرتا ہے' اسلامی عقیدہ توحید کے سلسلے میں غلط فہمی پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ ان کی ترمیم پر لفظ (DELEGATED) یعنی اختیارات کی تفویض کے لفظ کو حذف کر دیا گیا۔ علماء نے تو اس ترمیم کو قابل تعریف اقدام قرار دیا ہے۔ نوائے وقت ۱۸ اپریل ۱۹۷۳ء کی اشاعت میں جناب عبدالنصیر غوری صاحب نے اس ترمیم کے خلاف کچھ اعتراضات اٹھائے ہیں۔ ان کے اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ یعنی نمایندہ یا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ اسے اپنے کچھ اختیارات تفویض کئے ہیں اور قرار داد مقاصد میں انہی الفاظ یعنی تفویض اختیارات کی وجہ سے پاکستان میں عدلیہ کو خود مختاری اور آزادی حاصل ہے بلکہ آخر میں تو یہاں تک فرما جاتے ہیں کہ ان عدالتوں کو

Marfat.com

اختیارات براہ راست حاکم اعلیٰ (یعنی اللہ تعالیٰ) سے حاصل ہیں اور اسی وجہ سے اسلام میں عدلیہ اور انتظامیہ کی علیحدگی کی قطعی ضمانت ہے۔ لیکن مولانا کوثر نیازی صاحب کی ترمیم سے عدلیہ کی خود مختاری بری طرح متاثر ہونے کا اندیشہ ہے اور یہی ان کے مضمون کا عنوان ہے۔ چنانچہ فاضل مقالہ نگار نے اس بارے میں جو اعتراضات اٹھائے ہیں ہم ان کے متعلق کچھ عرض کرینگے۔

دینی اور غیر دینی علوم کے طرز تحقیق کے بارے میں ہم نے اپنے اہل علم کا عجیب و غریب طرز عمل دیکھا ہے۔ غیر دینی علوم میں ہمارے اہل قلم عقل و فکر کی ایسی جولانیاں دکھاتے ہیں کہ عقل محو حیرت ہو جاتی ہے چنانچہ فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں جو عقلی دلائل دیئے ہیں۔ قارئین اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لیکن جب دینی علوم کا معاملہ آتا ہے تو یہی صاحبان اپنی عقل و فکر کے دروازے بند کر لیتے ہیں۔ اور محض سنی سنائی باتوں پر اپنے استدلال کی بنیادیں اٹھانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ مثلاً مضمون زیر تبصرہ میں فاضل مضمون نگار نے عربی لفظ "خلیفہ" کے صحیح معنوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ لیکن وہ اپنے مضمون کی بنیاد اس کے بالکل برعکس اس لفظ کے سنے سنائے اور غلط مفہوم پر اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ لفظ خلیفہ کے اس صحیح مفہوم پر کہ جو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبانی نقل کیا ہے پر تھوڑا سا غور و فکر کر لیتے تو انہیں سرے سے یہ مضمون لکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔

لفظ خلیفہ کا صحیح مفہوم

لفظ خلیفہ کا صحیح مفہوم سامنے لانے سے پہلے ہم یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ اس بارے میں فاضل مضمون نگار کا استدلال اس کے اپنے الفاظ میں نقل کر دیا جائے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجا۔ **انی جاعل فی الارض خلیفہ** گویا انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ زمین پر خدا کی نمائندگی

Marfat.com

کرے۔ چنانچہ انسان اللہ تعالیٰ کے اختیارات اور اس کی بعض صفات کی نمائندگی کر سکتا ہے (صفحہ ۵ کالم ۲) یعنی وہ اسے وائسرائے کے معنی میں لیتے ہیں جو بوجوہ غلط ہے۔ عربی زبان کی معتبر لغت تاج العروس میں الخلیفہ کے معنی یہ لکھے ہیں کہ دوسرے کا جانشین نیز وہ فرمانروا جو اپنے سے پہلے فرمانروا کا جانشین ہو۔ اس کی جمع خلفاء اور خلائف ہے۔ جانشین وہ ہوتا ہے جو کسی کے بعد یا کسی کی عدم موجودگی میں اس کی جگہ لینے والا ہوتا ہے۔ انگریزی زبان کا لفظ (SUCCESSOR) اس کی صحیح صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے۔ اب ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہستی کی جانشینی کا تصور ہی سرے سے باطل ہے۔ یہی وجہ تھی جیسا کہ فاضل مضمون نگار آگے چل کر لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کسی نے خلیفہ اللہ کہہ کر پکارا تو آپ نے فوراً اس کی اصلاح کی کہ میں تو خلیفتہ الرسول ہوں نہ کہ اللہ کا خلیفہ۔ یعنی آپ رسول اللہ صلعم کے وصال کے بعد ان کے جانشین SUCCESSOR بنے اور جو خود ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہو۔ یعنی اللہ تبارک تعالیٰ تو اس کے جانشین بننے یا بنانے کا تو سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہماری اس وضاحت کی روشنی میں یہ تصور صرف باطل ہی نہیں بلکہ اگر کوئی اس پر اصرار کرے گا۔ تو وہ خود سوچ لے کہ اس کی زد کہاں جاکر پڑتی ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ فاضل مضمون نگار نے جو ایک پیش کش کی ہے یعنی انی جاعل فی الارض خلیفہ تو اس میں اگر خلیفہ سے اللہ کا جانشین مراد لینا اسلامی عقیدہ کے مطابق باطل ہے تو پھر اس کا صحیح مفہوم کیا ہی تو اس ضمن میں عرض ہے کہ اس آیت میں صرف لفظ "خلیفہ" ہے نہ کہ خلیفہ اللہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حضرت آدم کے لئے یہ لفظ آیا ہے لیکن اسے خلیفتہ اللہ نہیں کہا گیا بلکہ خلیفتہ فی الارض فرمایا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ زمین میں اپنے سے پہلی مخلوق کا جانشین ہے نہ کہ نعوذ باللہ خود اللہ تعالیٰ کا جانشین ہے۔ اور پھر سورہ الکھف کی پچاسویں آیت میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ انسان سے پہلی

Marfat.com

مخلوق کے۔ انسان جس کا جانشین بنا وہ جنوں کی مخلوق تھی۔

جب انسان کو اللہ کا جانشین یا نمایندہ کہنا ہی سرے سے شرک کی تعریف کے ذیل میں آتا ہو تو پھر ایسے مفروضہ جانشین کو اختیارات تفویض کرنے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں نے کسی کو اپنے اختیارات تفویض کئے ہیں۔ اور نہ ہی حضورؐ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں اختیارات مجھے یا اپنے کسی بندے کو تفویض کر دیئے ہیں۔ اور نہ ہی امت مسلمہ میں کسی خلیفہ، امام یا قاضی نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کے اختیارات ہی کو تو DIVINE AUTHORITY DHINE RIGHTS کہتے ہیں۔ جہاں تک راقم کے محدود مطالعے کا تعلق ہے امت مسلم میں کسی صحیح الذہن مسلمان تو کجا کسی جھوٹے نبی یا فاترالعقل شخص نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اسے کوئی خدائی اختیارات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے ہیں۔ تاریخی لحاظ سے اس نظریے کی بنیاد یہودیوں میں پائی جاتی ہے۔ اور یہودیوں سے باہر غالباً صرف انگلستان کے بادشاہ جیمز دوم نے ان اختیارات کا دعویٰ کیا تھا۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر زندگی گزارنے آیا ہے نہ کہ اس کا نمایندہ بن کر کسی نسل پر حکومت کرنے آیا ہے۔

عدلیہ اور انتظامیہ کی علیحدگی کا تصور

اب ہم بحث کے اس حصے کی طرف آتے ہیں کہ جس کے لئے فاضل مضمون نگار نے اپنے استدلال کی بنیاد خلیفہ کے غلط مفہوم پر اٹھائی ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ جب بنیاد ہی ٹیڑھی ہوگی تو عمارت چاہے ثریا تک پہنچ جائے اس میں کجی باقی رہے گی۔ اس بارے میں فاضل مضمون نگار مولانا کوثر نیازی صاحب پر یہ الزام لگانے کے بعد کہ اس ترمیم سے عدلیہ کی خود مختاری بری طرح متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔ اپنے مضمون کے آخر میں فرماتے ہیں کہ حاکم اعلیٰ (یعنی اللہ تعالیٰ) کے تفویض

Marfat.com

کردہ اختیارات کا اسلامی تصور عدلیہ کی آزادی کی کتنی بڑی ضمانت ہے۔ تاہم یہ ثابت ہے کہ حاکمیت اعلیٰ کی تفویض کا تصور، پاکستان میں اسلامی اقدار کے فروغ عدلیہ کی آزادی اور مقنّنہ انتظامیہ اور عدلیہ کی قطعی علیحدگی کی ضمانت ہے۔

فاضل مضمون نگار نے ایک غلط بنیاد پر اٹھائی ہوئی اپنی بحث کے نتیجے میں عدلیہ، انتظامیہ اور مقنّنہ کی علیحدگی کا جو تصور پیش کیا ہے اس کی کوئی مثال نہ تو پورے دور رسالت ﷺ میں ملتی ہے اور نہ ہی خلفائے راشدین کے دور بابرکت میں کہ جسے اسلام کا مثالی دور سمجھا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلامی عدلیہ کی تاریخ کا مطالعہ کئے بغیر محض ایک سنی سنائی بات کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ قاضی ملازم رکھے تھے۔ عدلیہ اور انتظامیہ کی علیحدگی کا اسلامی تصور پیش کیا ہے آیئے ہم آپ کو اسلامی عدلیہ کی تاریخ کی ایک جھلک دکھاتے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے اس مضوع کی سب سے مستند کتاب ابن عرنوس کی تاریخ القصاء فی الاسلام کھلی پڑی ہے اس کتاب کا دنیا کی اکثر زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ ادارہ فروغ اردو لاہور کی جانب سے اس کا اردو ترجمہ بھی دس بارہ سال پہلے شائع ہوچکا ہے۔ اس کتاب میں خلافت راشدہ میں قاضی کے اختیارات اور دائرہ کار کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہم اس کے باب "اختصاص القاضی فی ہذا العصر" سے نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"اسلام کے ابتدائی دور میں ایک ہی شخص والی اور قاضی کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ حضرت فاروق اعظم نے علیحدہ قاضی بھی مقرر کئے تاہم ان قاضیوں کا کام مختصر نوعیت کا تھا اور یہ قاضی صرف شہری جھگڑوں کو نپٹاتے تھے اور اس بارے میں زیادہ تر اپنی طرف سے کوئی فیصلہ صادر کرنے کی بجائے وہ احتیاطاً خلیفہ کا حکم دریافت کرلیتے تھے۔ اسی کتاب کے ایک اگلے باب "مرجع القاضی فی احکامہ" کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔!

"قاضی اہم مسائل خلیفہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے ان کی طرف ارسال

Marfat.com

لرتے تھے۔ حضرت بن عبدالعزیز کے قاضی عیاض بن عبداللہ نے حق شفعہ کے متعلق خلیفہ کا حکم دریافت کیا' اس سے پہلے' قریبی پڑوسی' پھر اس کے قریب پڑوسی کے حق میں فیصلہ دیا جاتا تھا تو آپ نے جواباً لکھا کہ اب یہ حق صرف شریک ہی کو دیا جائے اور ساتھ ہی لکھا کہ جب میراث میں مختلف شرکاء کے واضح حصے مقرر کردیئے گئے اور لوگوں کے اپنے گھروں اور زمینوں میں جانے کے لئے علیحدہ علیحدہ راستے ہوں تو پھر حق شفعہ ختم ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے مسئلے میں ایک ایسی عورت کی دیت کے متعلق وضاحت چاہی جو کسی راہ رو کے گھوڑے کی وجہ سے جان بحق ہو گئی ہو اور اس شخص کے رشتہ دار دیت دینے سے انکاری ہوں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز نے یہ حکم لکھ کر بھیجا کہ دیت اس کے رشتہ داروں پر ہوگی۔ اس کے علاوہ بھی قاضی نے بہت سے مسائل دریافت کئے۔"

ان اقتباسات سے جو اسلام کے مثالی دور کے بارے میں نقل کئے گئے ہیں۔ یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اس دور میں عدلیہ اور انتظامیہ علیحدہ نہیں بلکہ ایک ہی شخص دونوں فرائض انجام دیتا تھا۔ اور مزید یہ کہ قانون کی تعبیر یا معروف و منکر کا فیصلہ کرنے کا اختیار صرف خلیفہ وقت کو حاصل تھا۔ نہ کہ کسی عدالت کو۔

تاہم ہمارے اس استدلال کا مطلب عدلیہ اور انتظامیہ کی علیحدگی کے تصور کے خلاف دلائل مہیا کرنا نہیں۔ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ جو حضرات اسے خلافت راشدہ کے دور سے ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ان کی اسلامی عدلیہ تاریخ سے بے خبری پر دلالت کرتا ہے۔ موجودہ دور کے ماہرین قانون انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی کے تصور کو انسانیت کے لئے نعمت غیر مرقبہ سمجھتے ہیں۔ اور آج اخلاقی معیار بھی وہ باقی نہیں رہا۔ جو خلافت راشدہ کے دور بابرکت میں تھا۔ تو اس صورت حالات میں اسلامی تعلیمات میں عدلیہ اور انتظامیہ کی علیحدگی کی گنجائش ملتی ہے۔ اور میرے خیال میں حکومت بھی اس کے حصول کے لئے آئین سے بھی پہلے قانون اصلاحات کے ذریعے اس طرف قدم اٹھا چکی ہے۔

Marfat.com

مسلمانوں کے خلیفہ سے کسی جرم کا سرزد ہونا

اب ہم ایک نئے مسئلے کی طرف آتے ہیں کہ جس کی وضاحت سے فاضل مضمون نگار کی غلط بنیاد پر اٹھائی ہوئی ساری عمارت دھڑام سے نیچے گر پڑے گی۔ یہ اہم مسئلہ ہے مسلمانوں کے خلیفہ سے اگر جرم سرزد ہو جائے تو اسے کس طرح اور کون سزا دے گا۔ جیسا کہ ہم تاریخ القضائی الاسلام سے نقل کر آئے ہیں۔ کہ قصاص اور حدود کے تمام مقدمات کے فیصلے خود خلفاء کرتے تھے۔ اسی طرح جب ماتحت گورنروں سے کوئی قصور سرزد ہو جاتا تو اس کی سزا بھی خلیفہ بنفس نفیس دیتا تھا۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشہور فیصلے کی عام طور پر مثال دی جاتی ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خود خلیفہ سے کوئی جرم سرزد ہو جائے تو اسے کون سزا دے گا۔ یا اس پر حد جاری کرے گا ہمارے فاضل مضمون نگار نے تو اسلامی تعلیمات کی جو تشریح و تعبیر فرمائی ہے۔ اس کے مطابق اسلامی ملک کی عدالتیں براہ راست حاکم اعلیٰ یعنی اللہ تعالیٰ سے اختیارات حاصل کرتی ہیں۔ اس لئے وہی خلیفہ کو سزا دینے اور اس پر حد جاری کرنے کی مجاز ہوں گی۔ لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ نکتہ جو فاضل مضمون نگار نے پیدا کیا ہے۔ نہ خلفائے راشدین کے ذہن میں اور نہ ہی امت کے ہزاروں ائمہ فقہ یعنی ماہرین قانون اسلامی کی سمجھ میں آسکا معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا مسئلہ خلفائے راشدین کے زمانے تک تو خلاف نظر ہی رہا۔ لیکن بعد کے خلفاء سے جرم سرزد ہوئے تو اس اہم مسئلے کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے ائمہ فقہ یا اسلامی قانون کے ماہرین اکٹھے ہوئے۔ اس بارے میں انہوں نے جو فیصلہ دیا وہ ان ہی کے الفاظ میں ہم حنفی فقہ کی معتبر کتاب ہدایہ اولین مطبوعہ مطبع مجیدی کے صفحہ ۴۹۳ سباب الوطی الذی یوجب الحدو الذی یوجنه سے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

کل شی صنعه الامام الذی لیس فوقه امام فلا حد علیه

Marfat.com

الا القصاص۔"

ترجمہ:۔ ایسا اسلامی حکمران جس کے اوپر کوئی دوسرا بڑا حاکم نہیں تو وہ جو بھی جرم کرے اس پر کوئی حد نہیں سوائے ان جرائم کے کہ جن میں قصاص ہے۔

ائمہ فقہ کے اس اہم فیصلے کی بنیاد یہ تھی کہ اسلامی ریاست میں خلیفہ سب سے آخری اتھارٹی ہے۔ جس کے اوپر کوئی دوسری اتھارٹی نہیں۔ اس لئے اس پر شرعی حد نافذ کرنی سرے سے ممکن ہی نہیں۔ ہاں جن جرائم میں قصاص لازم آتا ہے۔ وہ اسے خود ادا کر سکتا ہے۔ اس کا اندازہ اسلامی قانون میں جرائم کی مختلف نوعیتوں سے لگایا جاسکتا ہے مثلاً چوری کرنے' شراب پینے' زنا کاری کرنے پر شرعی حد جاری ہوگی۔ ان جرائم میں قصاص یعنی کسی بدل سے تلافی کی سرے سے گنجائش ہی نہیں۔ جبکہ بعض جرائم ایسے ہیں کہ جہاں حد نافذ نہیں کی جاتی بلکہ بدلہ یعنی قصاص دلا دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کی انگلی یا ہاتھ کاٹنے کا جرم سرزد ہوا ہے۔ تو ایسے مجرم پر حد جاری نہ ہوگی۔ بلکہ کسی بدل سے اس جرم کی تلافی کی جائے گی۔

قرارداد مقاصد میں عدلیہ کی علیحدگی ضمانت دی گئی ہے۔

یہ تو ہے فاضل مضمون نگار کے اس استدلال کی حقیقت جو انہوں نے اسلامی تعلیمات سے کیا تھا۔ اب ہم ان کے اس خدشے کو کہ قرارداد مقاصد میں ترمیم سے عدلیہ کی آزادی متاثر ہوگی' خود قرارداد مقاصد کے الفاظ کو لیتے ہیں۔ فاضل مضمون نگار تو پہلے پیرے سے صرف ایک لفظ کے حذف سے یہ نتیجہ نکال رہے ہیں۔ کہ اس سے عدلیہ کی آزادی متاثر ہوگی۔ حالانکہ اسی قرارداد مقاصد میں عدلیہ کی آزاد کے بارے میں ایک علیحدہ مختصر سا پیرا ہے کہ جس میں بڑے واضح الفاظ میں عدلیہ کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے جس کی موجودگی میں مولانا کوثر نیازی صاحب کی ترمیم سے کسی اثر کے پڑنے کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

Marfat.com

اسلامی سوشلزم کا ہوا

فاضل مضمون نگار نے مولانا کوثر نیازی کی ترمیم کے بارے میں وزیر قانون جناب عبدالحفیظ پیرزادہ صاحب کی اس وضاحت کا ذکر بھی کیا ہے کہ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ یہ ترمیم محض عقیدہ کی اصلاح سے متعلق ہے۔ یہ کسی قانونی دفعہ کو متاثر نہیں کرے گی۔ اس کے باوجود جو انہوں نے اتنی محنت سے یہ مضمون تیار کیا ہے۔ تو اس کے بارے میں بھی ایک موقع پر اپنے دل کی بات کہہ جاتے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ خود انہی کی زبانی اسے سنایا جائے۔ فرماتے ہیں۔

"مولانا کوثر نیازی ایک ممتاز عالم ہیں مگر ہمیں یقین ہے کہ قرار داد مقاصد اور آئین بل کے دیباچہ کے الفاظ کی توجیہہ کے پس پردہ ان کے دینی علم کی بجائے پیپلز پارٹی کے سوشلسٹ نظریات کار فرما ہیں۔ موجودہ بحث سے ثابت ہو جائے گا کہ آئین میں قرار داد مقاصد کے ان الفاظ کو شامل کر لینے سے جنہیں ترمیم کیا گیا ہے۔ برسر اقتدار جماعت سوشلسٹ نظام رائج کرنے کی کوشش میں اسلام کو بالائے طاق نہیں رکھ سکتی۔"

ان کی بحث سے جو کچھ ثابت ہوتا تھا وہ تو اوپر واضح کیا جا چکا ہے۔ اس طرح بلاواسطہ طور پر انہوں نے جن خدشات کا ذکر کیا تھا وہ بھی بے بنیاد ثابت ہوتے ہیں۔ دراصل ہمارے ایک خاص طرز فکر کے اہل علم اسلامی سوشلزم کی اصطلاح سے اس حد تک الرجک ہو چکے ہیں۔ کہ اگر حکومت کوئی بھی اچھا کام کتنی ہی نیک نیتی سے کیوں نہ کرے ان حضرات کو اس سے سوشلزم کی بو آنے لگتی ہے۔ مثلاً مسئلہ زیر بحث سے انہیں جو سوشلزم کی بو آئی ہے اس کے بارے میں راقم ایک ذاتی وضاحت پیش کرتا ہے کہ جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ اس ترمیم سے برسر اقتدار جماعت کا سوشلسٹ نظام رائج کرنے سے دور کا بھی تعلق نہیں اور جس کی وضاحت محترم وزیر قانون فرما چکے ہیں۔ دراصل راقم بھی ان لوگوں میں سے ہے۔ جنہوں نے

Marfat.com

مولانا کوثر نیازی صاحب کو قرار داد مقاصد کی اس غلطی کی طرف متوجہ کیا۔ اور پھر علمی طور پر انہیں قائل کیا۔ میں ان کی جرائت کی داد دیتا ہوں کہ جب انہوں نے ایک چیز کو حق سمجھ لیا تو اس کی اصلاح کے لئے اپنی مقدور بھر کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے ان کی اس کوشش کو تحسین کی نظر سے دیکھا ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدالتی مقدمات کی تعداد کو کس طرح کم کیا جاسکتا ہے!

ایک اخباری رپورٹ کے مطابق پنجاب کی ۵۶۹ عدالتوں میں زیر سماعت مقدمات کی تعداد بڑھتے بڑھتے چار لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ حکومت پنجاب کے ایک حامی اخبار نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ہمارے ججوں کے پاس روزمرہ کا کام نمٹانے کے لیے ضروری سہولتیں نہیں ہیں ان کے پاس گھر سے دفتر آنے کے لیے گاڑیاں نہیں ہیں ان کے پاس سٹینوگرافر نہیں ہیں اور اگلے گریڈوں میں ان کی ترقی کے مواقع بہت کم ہیں ان کو اپنے ہاتھوں سے فیصلے لکھنے پڑتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور یکم جون ۱۹۸۹ء)

معلوم نہیں ہمارے ملک کے بڑے بڑے صحافی مسائل کا تجزیہ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے اور جو کچھ انہیں بتایا جاتا ہے۔ اسے وہ اپنی رائے کے طور پر پیش کر دیتے ہیں حالانکہ وہ اس معاملے پر تھوڑا سا غور کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ اس مسئلہ کا حل موجود ہے جس پر بوجوہ عمل نہیں کیا جاتا اور جو حل وہ پیش کر رہے ہیں اس پر پولیس کے سلسلے میں عمل ہو چکا ہے لیکن اس کے کوئی خوشگوار نتائج نہیں نکلے' پولیس کی ناقص کارکردگی کے بارے میں بھی یہی رونا رویا جاتا تھا کہ اس کے پاس تیز رفتار گاڑیاں نہیں۔ انہیں یہ گاڑیاں مہیا کر دی گئیں تو ان کی

Marfat.com

کارکردگی کا جو حال ہے اس کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔

اس بارے میں اگر اپنے ملک کے ایک سابقہ صوبے یعنی مشرقی پاکستان کا حوالہ دیا جاتا تو اس کے حوالے سے ایسا طریقہ اختیار کیا جاسکتا تھا کہ جس کے نتیجے میں ہمارے ملک میں جرائم کی تعداد ہی کم ہونی شروع ہو جاتی جیسا کہ وہاں عملاً ہو چکی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مقدمات کو زیادہ تر تعداد کا تعلق تین جرائم یعنی زمین ' زن اور زر سے ہے اور یہ جرائم غیر حاضر زمینداری نظام کا خاصا ہیں سابقہ مشرقی پاکستان اور حال بنگلہ دیش میں غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ ہو چکا ہے اس لیے وہاں ان جرائم کی تعداد کم ہو چکی ہے اس لیے مقدمات میں اضافہ ہونے کی بجائے کمی ہوتی گئی حیرت کی بات ہے کہ بنگلہ دیش میں یہ انقلابی قدم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اٹھایا جاچکا ہے اور پنجاب کی حکومت صوبے میں اسلامی نظام نافذ کرنے کا اعلان کر چکی ہے اس لیے اس کے لیے اس اہم مسئلہ کے بارے میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل نہیں۔

بنگلہ دیش میں جب بنگال کا بندوبست دوامی مجریہ ۱۷۹۳ء کو منسوخ کر کے غیر حاضر زمینداری نظام ختم کیا گیا تو اس کی گونج پاکستان میں بھی سنی گئی۔ ان دنوں پاکستان قومی اتحاد کی جانب سے حکومت کے خلاف تحریک شروع کی جاچکی تھی۔ اس نے ۱۹۷۷ء کے قومی انتخابات کے لیے جو منشور شائع کیا اس میں بنگلہ دیش کے اس انقلابی قدم کی جھلک موجود تھی۔ اس منشور کے صفحہ ۱۶ پر قومی اتحاد کے لیڈروں کی جانب سے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ غیر حاضر زمینداری' خلاف اسلام ہے۔ قومی اتحاد برسراقتدار آکر اسے ختم کر دے گا۔ خیال رہے کہ قومی اتحاد کے اس منشور پر جناب مفتی محمود' ابو الاعلیٰ مودودی مولانا شاہ احمد نورانی سمیت تمام دینی جماعتوں کے سربراہوں کے دستخط تھے۔ یہ منشور ملک کے تمام اخبارات میں شائع ہوا تھا اور منشور کے مذکورہ بالا اعلان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ قومی اتحاد

Marfat.com

نے ''ہل'' کو اپنے انتخابی نشان کے طور پر منتخب کیا تھا۔ قومی اتحاد کے لیڈر جہاں بھی جاتے' غریب کسانوں کو یقین دلاتے کہ اب زمین اسی کی ہوگی جو اس میں ہل چلائے گا۔

قومی اتحاد میں شامل کچھ سیاسی پارٹیاں' انتخابات کے ذریعے تو نہیں البتہ سازش کے ذریعے برسراقتدار آگئی تھیں۔ لیکن برسراقتدار آنے کے بعد یہ اسلام کے نعرے لگانے والی پارٹیاں قوم اور غریب کسانوں سے اپنے کئے ہوئے وعدے کو بھول گئیں اور ملک سے غیر حاضر زمینداری ختم کرنے کی بجائے اس کی جڑیں مزید مضبوط کرنے کی کوشش کی۔

ان میں سے بعض جماعتیں اب اسلامی جمہوری اتحاد کے جھنڈے کے تحت پنجاب میں برسراقتدار ہیں۔ اگر وہ اپنے قومی اتحاد والے منشور پر عمل نہ کرسکیں تو اب تو اس جمہوری دور میں عمل کرسکتی ہیں۔ خاص طور پر پنجاب اسمبلی یہ قرار داد بھی پاس کرچکی ہے کہ زراعت اور غیر حاضر زمینداری صوبائی معاملہ ہے۔ اس میں وفاقی حکومت کو دخل نہیں دینا چاہیے۔ وفاقی حکومت نے تو دخل نہیں دیا۔ لیکن اب وہ اسلامی تعلیمات پر تو عمل کرسکتے ہیں۔ جن کا اعلان انہوں نے قومی اتحاد کے منشور میں کیا تھا۔ اس سے نہ صرف یہ کہ ہماری عدالتوں میں مقدمات کی تعداد بڑی حد تک کم ہو جائے گی۔ بلکہ معاشرہ پر اس کے کئی دوسرے خوشگوار اثرات مرتب ہوں گے۔

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ ہمارے ہاں مقدمات کا تعلق تین قسم کے جرائم سے ہے۔ یعنی زمین' زن اور زر اور بدقسمتی سے ان میں سے اکثر جرائم کے پیچھے ان غیر حاضر زمینداروں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ان لوگوں پر شاذ و نادر ہی ہاتھ ڈالا جاتا ہے بلکہ کوشش کی جاتی ہے کہ کسی غریب مزارع کو قربانی کا بکرا بنایا جائے اس کی وضاحت مارشل لاء دور کے مشہور شبنم کیس سے ہوتی ہے۔ ایک فوجی عدالت سے بڑے بڑے زمیندار گھرانوں کے چشم و چراغوں کو عورت کی بے حرمتی کا مجرم قرار دیا۔

Marfat.com

اس زمانے میں غریب لوگوں کو تابڑ توڑ کوڑے مارے جارہے تھے لیکن ان زمیندار گھرانوں کے شہزادوں کو ایسی سزا سے بچالیا گیا۔ ان کو جو قید کی سزا سنائی گئی تھی اس قید کے گزرنے کے بارے میں بھی کئی ناگفتنی باتیں کی جاتی رہیں۔

اگر زمین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق صرف اسے اس کاشتکار کی ملکیت قرار دیا جائے جیسا کہ بنگلہ دیش میں ہوا ہے تو زمین سے متعلق تمام مقدمات کا فوری طور پر خاتمہ ہو جائے گا۔ اخبارات کے صفحات گواہ ہیں کہ ہمارے ملک میں عورتوں کے خلاف جو جرائم کئے جاتے ہیں ان کے پیچھے بھی انہی بڑے زمینداروں کے ہاتھ ہوتے ہیں اور اگر یہ پکڑے بھی جائیں جیسا کہ ملتان کے قریب نواب پور میں غریب عورتوں کو انہوں نے بازار میں ننگا چکر لگوایا تھا اور پکڑے گئے تھے تو پھر بھی ان کا بال بیکا نہیں ہوتا کیونکہ ان کے پیچھے مفت کی آمدنی ہوتی ہے جسے خرچ کر کے خود تو بچ جاتے ہیں اور عام طور پر بے قصور لوگوں کو پھنسا دیتے ہیں۔ زر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے حوالے سے جو جرائم ہوتے ہیں ان کے پیچھے ان بڑے زمینداروں کا ہاتھ نہیں ہوتا۔ کیونکہ چوریاں' ڈاکے اکثر بڑے شہروں میں ہوتے ہیں۔ جن کے ساتھ ان زمینداروں کا تعلق نہیں تھا لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان جرائم کے ساتھ بھی ان کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے مثلاً لاہور میں پکڑے جانے والے کئی عادی چوروں نے یہ اعتراف کیا کہ وہ اپنے گاؤں سے زمینداروں کے مظالم سے تنگ آکر شہروں میں محنت مزدوری کرنے کے لئے آئی تو پھر بھی زمینداروں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور انہیں مختلف قسم کے مقدمات میں ملوث کروا دیا۔ ان مقدمات کی وجہ سے وہ رفتہ رفتہ عادی مجرم بن گئے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں گذارش ہے کہ عدالتوں میں مقدمات کی تعداد کم کرنے کے لئے ججوں کو گاڑیاں اور دوسری سہولتیں مہیا کرنے کی اتنی ضرورت نہیں جتنی ان عوامل کو ختم کرنے کی ضرورت ہے کہ جن کے نتیجے میں اکثر جرائم سرزد ہوتے ہیں اور ان کی سب سے بڑی وجہ ملک میں انگریز کا نافذ کردہ غیر حاضر

Marfat.com

زمینداری کا غیر اسلامی نظام ہے۔ اسے ختم کرنے سے مقدمات کی تعداد میں معتدبہ کمی ہو سکتی ہے اور اس کی عملی مثال بنگلہ دیش میں ایسا ہی قدم اٹھا کر پیش کی جاچکی ہے۔ (جون ۱۹۸۹)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اجتہاد اور عدلیہ کی ذمہ داری

اجتہاد کے لفظی معنی کوشش کرنے ہیں اور شریعت اسلامی میں اس سے مراد ایسا طریق کار ہے کہ اگر کسی معاملے کے بارے میں قرآن و حدیث میں واضح حکم نہ ملے تو اسے قرآن حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں حل کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اجتہاد کی ضرورت اس وقت پیش آسکتی ہے کہ جب ملک میں اسلامی نظام نافذ ہو اور تمام معاملات کے فیصلے اسلامی قانون کے مطابق ہو رہے ہوں۔ اس سلسلے میں مسلمان فقہاء کے فتاویٰ سے بھی مدد لی جاسکتی ہے کہ جنہوں نے اختلاف کے باوجود' ہر زمانے میں نئے نئے پیش آنے والے معاملات کے بارے میں اپنے فیصلے صادر کئے۔ ان میں سے جس عالم دین کے فیصلے کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق پایا جائے' اسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی اجتہاد ہی کی ایک قسم ہوگی۔

ہمارے ملک میں اسلامی علوم میں مہارت حاصل کرنے کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے بہت سے ایسے حضرات جو اپنے آپ کو علامہ کہلانے پر مصر ہیں' ان کا علم سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ بلکہ بعض' اوقات تو وہ ایسی ایسی تحقیقات پیش کرتے ہیں کہ جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوتی ہیں' اس کی جھلک آئندہ سطور میں قارئین کے سامنے خود بخود آجائے گی۔ ان میں سے جو حضرات اپنے آپ کو

Marfat.com

روشن خیال قرار دیتے ہیں ان کی حالت ان سے بھی بری ہے وہ ایسے مسائل کو اجتہاد کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں واضح احکامات موجود ہیں۔ لیکن چونکہ انہیں ان احکامات کا علم نہیں ہوتا تو وہ اپنی روشن خیالی کا بھرم رکھنے کے لئے اجتہاد کی روشنی میں ایسے مسائل کا دل پیش کرتے ہیں۔ جس سے وہ مسئلہ حل ہونے کی بجائے اور زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

اس کی مثال خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیم ہے۔ اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہی کہ آج اسے ایٹم بم کے بعد دنیا کا دوسرا اہم ترین مسئلہ قرار دیا جارہا ہے۔ ہمارے ہاں جب اس اسکیم کا نفاذ ہوا تو علماء حضرات کہ جنہیں اس بارے میں قرآن وحدیث کے احکامات کا علم نہیں تھا اسے خلاف اسلام قرار دے کر اس کی مخالفت شروع کر دی۔ روشن خیال علماء نے بھی یہ کوشش نہ کی کہ تھوڑی سی محنت کرکے اس بارے میں قرآن و حدیث کا حکم ہی معلوم کرلیں۔ انہوں نے علماء حضرات کی مخالفت سے یہ غلط اندازہ لگالیا کہ واقعی یہ اسکیم' اسلام کے خلاف ہے اور انہوں نے اجتہاد کے زور پر اسے جائز قرار دینے کی کوشش کی علماء حضرات نے ان کے اجتہاد کو ماننے سے انکار کر دیا اور پہلے سے بھی زیادہ اس مفید اسکیم کی مخالفت شروع کر دی۔

ہمارے ہاں جو یہ کہا جاتا ہے کہ علماء حضرات نے اجتہاد کا دروازہ بند کر رکھا ہے۔ تو یہ خیال بالکل غلط ہے۔ ہر زمانے میں مسلمانوں کو جب ایسے نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا کہ جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں واضح احکامات موجود نہیں تھے۔ تو انہوں نے اجتہاد کی روشنی میں ان کا حل پیش کیا یہ ایسے لوگ تھے کہ جنہیں اسلامی علوم پر کافی مہارت تھی اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ مختلف ممالک کے علماء نے ان مسائل کے بارے میں ایک ہی جیسے فتوے دیئے حالانکہ ان زمانوں میں نہ تو ڈاک و تار کا نظام تھا اور نہ ہی ان کے درمیان آج کی طرح رابطے ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے فتوے ایک جیسے ہوتے تھے۔

Marfat.com

اس کی مثال تمباکو نوشی کا مسئلہ ہے اسلامی ممالک میں اس کا رواج پچھلی صدی میں اس وقت ہوا جب یورپی طاقتوں نے بہت سے اسلامی ممالک کو اپنے زیر نگین کرلیا تھا قدیم زمانے کے اکثر جید علماء حکمت اور طب کے پیشے سے اپنی روزی کماتے تھے وہ آج کل کے علماء کی طرح' دینی خدمات کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے بلکہ اپنی گزر بسر طب کے پیشے سے کرتے تھے۔ انہوں نے تمباکو نوشی کے اثرات کا انسانی صحت ہر جائزہ لیا تو اسے نقصان دہ پایا۔ اسے اس عادت کا کوئی نفع بخش پہلو نہ ملا۔ چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس عادت کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اپنی دولت کو ضائع کیا جاتا ہے بلکہ اس کے ذریعے لوگوں کی صحت پر بھی اس کے مضر اثرات پڑتے ہیں تو انہوں نے اجتہاد استعمال کرتے ہوئے تمباکو' نوشی کو حرام قرار دے دیا۔ اس زمانے میں نہ تو ڈاک و تار کا نظام تھا اور نہ ہی مختلف اسلامی ملکوں کے علماء کے درمیان کوئی رابطے تھے لیکن حیرت ہے کہ ان سب نے ایک جیسے فتوے دیے۔ یعنی تمباکو نوشی کے حرام ہونے کے بارے میں جیسا فتویٰ مصر میں جاری ہوا ویسا ہی ایران کے علماء نے دیا۔ ہندوستان کے علماء کا فتویٰ بھی اسی کے مطابق تھا۔ اصل میں اس مطابقت کی بنیاد یہ تھی کہ ان تمام ممالک کے یہ علماء جید عالم دین تھے۔

اس وقت علما کوئی ایسا مسئلہ موجود نہیں کہ جس کے حل کرنے کیلئے اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہو۔ ہاں اسلامی قانون کے نفاذ کے بعد جب تمام عدالتی فیصلے اسلامی قانون کے مطابق ہونے لگیں گے۔ تو اس وقت کوئی ایسی صورت پیدا ہو سکتی ہے کہ کسی نئے پیش آنے والے معاملے کے بارے میں قرآن و حدیث میں واضح حکم نہ ملے۔ تو اس صورت میں جج صاحبان کو اجازت ہوگی کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کرتے ہوئے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کیلئے ضروری ہے کہ متعلقہ جج صاحبان کو اسلامی علوم پر مکمل دسترس ہو۔

اسلامی نظام کے نفاذ کا قابل عمل طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ان اسلامی احکامات کو نافذ کیا جائے کہ جن کے بارے میں امت مسلمہ کا کامل اتفاق ہے۔ اس

Marfat.com

طرح جب ابتداء ہو جائے گی تو آہستہ آہستہ اختلافی مسائل کے حل کو راہ بھی پیدا ہو جائے گی۔ اور انجام کار مختلف فرقوں میں اختلافات بھی کم ہوتے جائینگے۔ اتفاق سے اسلام کا مالیاتی نظام ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس پر اسلامی ریاست کی عمارت استوار کی جاتی ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ ہمارے علماء حضرات نے نہ تو کبھی اس نظام کے نفاذ کا مطالبہ کیا اور نہ ہی اس کی تفصیلات پیش کی ہیں بلکہ اس حوالے سے ان کو جو تحریریں سامنے آتی رہتی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو اس نظام کی شدبد بھی نہیں ہے۔

اسلام کے مالیاتی نظام کے مطابق ہمارے ملک کی تمام اراضی خراجی کے ذیل میں آتی ہے جو اصولاً تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت سمجھی جاتی ہیں اور حکومت نے ان کی طرف سے اس اراضی کا انتظام کرتی ہے۔ اس اراضی کو نہ تو بیچا جاسکتا ہے اور نہ ہی خریدا جاسکتا ہے' اس سے صرف فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس کی آمدنی کا ایک حصہ بطور خراج' اسلامی ریاست کے بیت المال میں جمع کرانا ہوتا ہے۔ یہ اسلامی حکومت کی آمدنی کی سب سے بڑی مد ہوتی تھی اور اس سے حکومت کے اکثر اخراجات پورے کیئے جاتے تھے۔ برصغیر ہندوپاکستان پر مسلمانوں نے کوئی ایک ہزار سال تک حکومت کی اور اس تمام دور میں اسلام کے اس مالیاتی نظام پر عمل ہوتا رہا۔ اگرچہ یہاں کے مسلمان حکمرانوں میں بڑی بڑی خرابیاں تھیں لیکن اس نظام کے طفیل ان کا ملک' اس وقت کے تمام ممالک میں خوشحال ملک شمار کیا جاتا تھا۔

جب انگریزوں نے اس ملک پر قبضہ کیا تو انہوں نے اس اسلامی نظام کو بدل کر اپنا مالیاتی نظام رائج کیا اور اسلامی دور حکومت میں جو لوگ زمین کا انتظام اور بندوبست کرنے پر مقرر تھے انہیں اس کا مالک بنادیا اور اس طرح ملک میں غیر حاضر زمینداری کا نظام وجود میں آگیا۔ جس کی اسلام میں گنجائش نہیں حیرت کی بات ہے کہ مودودی صاحب جیسے عالم دین نے اسے اسلامی ثابت کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں فیوڈلزم کو ایک اسلامی ادارہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔

Marfat.com

لیکن زمانے کے تقاضے بھی عجیب ہیں۔ اب جماعت اسلامی کے موجودہ امیر قاضی حسین احمد صاحب فیوڈلزم کو' اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دے رہے ہیں۔

اسلامی نظام عدل کے نفاذ کے لئے۔ اسلامی علوم ہر کامل دسترس از حد ضروری ہے۔ لیکن اسلام کے مالیاتی نظام کے بارے میں ہمارے علماء نے جو یہ اختیار کر رکھا ہے اس کی جھلک سابقہ سطور میں پیش کی جا چکی ہے۔ ان حضرات کا دوسرے اہم معاملات کے بارے میں یہی حال ہے۔ مثلاً مصر اور کچھ دوسرے عرب ممالک میں ۱۹۲۹ء میں مسلم عائلی قوانین کو جدید زمانے کے تقاضوں کے مطابق مدون کیا گیا۔ اس میں یہ طریق کار اختیار کیا گیا کہ مختلف فقہی مذاہب کے جو فتاویٰ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تھے' انہیں اختیار کر لیا گیا تھا۔ اسے اجتہاد ہی کی ایک قسم سمجھا جاتا ہے۔ برصغیر کے علماء نے مصری علماء کی اس کوشش کی بے حد تعریف کی۔ مودودی صاحب نے تو ان قوانین کو اردو کا جامعہ پہنا کر حقوق الزوجین نامی کتاب کی صورت میں پیش کر دیا۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ جب ۱۹۶۱ء میں یہی قانون اپنے ملک میں نافذ ہوئے تو انہوں نے اس کی مخالفت شروع کر دی۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ان قوانین کو اس بنیاد پر مخالفت نہیں کی گئی تھی کہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ بلکہ یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ حنفی فقہ کے خلاف ہیں۔ بلاشبہ ہمارے ملک کے مسلمانوں کو اکثریت حنفی فقہ کی پیروکار ہے۔ لیکن اگر موجودہ دور کے قانون دان جنہیں اسلامی علوم پر کامل دسترس حاصل ہو اور وہ کسی دوسرے مذہب کے فتوی کو' موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق سمجھیں تو اس کے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں اور مسلمان ہر دور میں اسے اختیار کرتے رہے ہیں۔ مثلاً شریعت اسلامی میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ لیکن ظالم بادشاہ اصل چوروں کو تو یہ سزا نہیں دیتے تھے لیکن اس کا غلط استعمال کرتے ہوئے اپنے مخالفوں پر چوری کا الزام لگا کر ان کے ہاتھ کٹوا دیتے تھے۔

Marfat.com

شافعی مذہب کے بانی امام محمد ادریس شافعی رحمۃ اللہ نے اس ظلم کو محسوس کیا اور انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ چور کو چوری کے بعد' جیل میں ڈال دیا جائے اور اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے اور یہ کہ وہ دوبارہ اس جرم کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ اگر وہ توبہ کرلے تو اسے رہا کر دیا جائے۔ ہاتھ کاٹنے کی سزا تو صرف اس عادی چور کو دی جائے کہ جو اپنے جرم سے توبہ کرنے پر راضی نہ ہو۔ بعد کے تمام مسلمان حکمرانوں نے جن میں سلطان اورنگ زیب عالمگیر بھی شامل تھے امام شافعی کا یہ فتویٰ اختیار کرلیا تھا۔ حالانکہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر حنفی فقہ کا کٹر پیروکار تھا اور اسے ملک میں نافذ کرنے کیلئے فتاوی عالمگیری مرتب کرایا تھا۔

ترکی کے حکمران بھی حنفی فقہ ہی کے پیروکار تھے۔ لیکن جب زمانہ جدید کے تقاضوں کے مطابق انہوں نے اسلام کے عدالتی نظام کو مدون کرنے کے لئے **مجلتہ الاحکام العدلیتہ** مدون کیا تو اس میں بعض ایسے فقہی مذاہب کے فتاویٰ بھی اختیار کرلئے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مردہ ہو چکے تھے۔ خیال رہے کہ جب شروع شروع میں اسلامی قانون کی تدوین کی گئی تو کوئی ستر کے قریب ایسے مذاہب وجود میں آگئے تھے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی مذاہب ختم ہوگئے اور ان میں سے صرف آٹھ مذاہب کے پیروکار باقی رہ گئے۔

مصر میں ان آٹھوں مذاہب کے پیروکار موجود ہیں۔ چنانچہ وہاں عدلیہ کی سہولت کے لئے اسلامی قانون کو اس صورت میں مدون کیا گیا کہ ہر مسئلہ کے بارے میں ان آٹھوں فقہی مذاہب کا مسلک پیش کر دیا گیا۔ یہ مجموعہ چونکہ کرنل جمال عبدالناصر' صدر مصر نے مرتب کرلیا تھا اس لئے اس ہی کے نام سے مشہور ہوا۔ ہمارے ملک کی عدلیہ بھی اس مجموعہ سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ حکومت نے اسلامی نظام میں پیش رفت کیلئے جو ادارے قائم کر رکھے ہیں اور جن کے کارناموں سے ابھی تک قوم ناواقف ہے ان کے ذمے یہ کام لگا دیا جائے کہ وہ اس مجموعہ کا اردو ترجمہ کرکے ملکی عدالتوں کی مدد کریں تاکہ وہ اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ

Marfat.com

دیں۔

ان تفصیل سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اسلام میں اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا۔ لیکن بہت کم ایسے مسائل ہونگے کہ جن کیلئے اجتہاد کو استعمال کرنے کی ضرورت ہوگی۔ ہمارے مختلف فقہی مذاہب کے فتوے' موجودہ زمانوں کے تقاضوں کے مطابق ہوسکتے ہیں انہیں عدالتی فیصلوں کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے ہاں اگر کسی مسئلہ کے بارے میں کسی بھی فقہی مذہب سے رہنمائی حاصل نہ ہوسکے تو پھر قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ اجتہاد کرنے والے حضرات کو اسلامی علوم' پر کامل دسترس حاصل ہو۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

علامہ اقبال اور اسلامی قانون کی تشکیل جدید

علامہ اقبال برصغیر کے پہلے اہل علم تھے جنہوں نے اسلامی قانون کو دور جدید کے تقاضوں کے مطابق نئے سرے سے مدون کرنے کا خیال پیش کیا۔ اگرچہ علامہ صاحب بنیادی طور پر ایک عظیم شاعر تھے لیکن وہ چاہتے تھے کہ اسلامی معاشرے میں بھی زندگی کے آثار پیدا ہوں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے علماء پر زور دیا کہ وہ قدامت پسندی ترک کر کے زمانہ جدید کے تقاضوں کے مطابق اسلامی قانون کی نئے سرے سے تشکیل کریں۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے ایک لیکچر میں ان اصولوں کی نشاندہی کی کہ جن کی روشنی میں یہ کام سرانجام دیا جاسکتا ہے اسی مقصد کے لئے انہوں نے اجتہاد کے دروازے کو دوبارہ کھولنے کی ضرورت پر زور دیا اور اس کے لیے ایک طریقہ کار بھی تجویز کیا۔

علامہ اقبال نے یہ طریقہ کار آج سے کوئی ساٹھ سال پہلے پیش کیا تھا اور تمام روشن خیال علماء نے اسے پسند کیا تھا۔ اس کے بعد سے ہمارے معاشرے میں بڑی بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں جن کا تقاضا ہے کہ اس پر علامہ نے جو نقطہ نظر پیش کیا تھا اس کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں ایسا کرنے کو علامہ اقبال کی بے ادبی تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ علامہ اقبال اگر زندہ

Marfat.com

ہوتے تو ان خیالات پر تنقید کو خوش آمدید کہتے کیونکہ انہوں نے اپنے خطبات کے دیباچے میں اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ ہر دور میں خیالات ترقی پذیر ہوتے رہتے ہیں اس لیے ممکن ہے کہ کچھ عرصے بعد دوسرے پیش کردہ نظریات سے بھی زیادہ اچھے تصورات پیش کئے جائیں (خطبات انگریزی ص :vi) چنانچہ علامہ صاحب کی اس وضاحت کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی قانون کی تشکیل جدید کے بارے میں ان کے خیالات کا مختصر سا جائزہ لیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی ترقی میں ہمارے عظیم فقہاء نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ (ایضاً صفحہ ۱۶۸) لیکن بعد کے علماء نے اجتہاد کا دروازہ بند کر کے اسلامی قانون کو جامد بنا دیا جس سے مسلمان معاشرہ تنزل کا شکار ہو گیا۔ (ایضاً صفحہ : ۱۴۸) حالانکہ اس جمود کی وجوہات کچھ دوسری تھیں۔ جن کی طرف علامہ اقبال نے توجہ نہیں فرمائی۔

یہاں اس حقیقت کو واضح کر دیا جائے کہ اس زمانے میں روشن خیال علماء اجتہاد سے کام لے کر اسلامی فقہ کی ثروت میں اضافہ کرتے رہے ہیں لیکن بدقسمتی سے اس دور میں ملوکیت نے اسلامی حکومت کی جگہ لے لی تھی اور اس نے عوام میں اپنی جڑوں کو مضبوط بنانے کے لیے اجتہاد کے حوالے سے کچھ بدعات کو مروج کیا۔ حق پرست علماء نے اس عمل کی سخت مخالفت کی اور انہوں نے اجتہاد پر عمل کرنے کے لیے سخت قیود عائد کیں جس کے نتیجے میں ہرایرے غیرے کے لیے اس اسلامی اصول کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اب اس زمانے جدید میں حالات بالکل بدل چکے ہیں اور دوسری صدی ہجری میں مرتب کردہ فقہ کے بعض قانون اس زمانے کے لیے قابل عمل نہیں رہے۔ ان قوانین کو زمانہ حال کی روشنی میں نئے سرے سے تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔ اس بارے میں انہوں نے ترکی کے تجربے کا ذکر کیا۔ جس کے، ان کے خیال کے مطابق خوشگوار نتائج نکلے۔ لیکن بعد کے حالات نے یہ ثابت

Marfat.com

کر دیا کہ اس بارے میں علامہ صاحب کا نقطہ نظر صحیح نہیں تھا۔

علامہ کو اجتہاد کی اہمیت دلانے کے لئے علامہ صاحب ترکی کے تجربے کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں کہ کس طرح اس اصول کی روشنی میں ترک قوم نے اپنے سیاسی اور مذہبی افکار میں پیش رفت کی۔ اس سلسلے میں علامہ صاحب ترکی قوم کے اہل علم کے دو متضاد نظریے پیش کرتے ہیں ایک نظریہ جناب حلیم ثابت کا تھا جس نے اسلامی قانون کی تدوین جدید پر زور دیا۔ اس بارے میں ان کی رائے یہ تھی کہ فقہ کے تمام مکاتیب کو سامنے رکھ کر ایک ایسی فقہ مرتب کی جائے جو زمانہ جدید کے تقاضوں کے بھی مطابق ہو اور مختلف فرقوں کو بھی مطمئن کر سکے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے اس نے ایک کمیٹی قائم کی اور اسے اجازت دی گئی کہ وہ اس مقصد کے لئے مردہ فقہی مذاہب کی آراء بھی اختیار کر سکتی ہیں۔

چنانچہ اس کمیٹی نے **مجلتہ الاحکام العدلیتہ** کی شکل میں اسلامی قانون کی تدوین جدید کی۔ اس مجلّہ میں امام ابن شبرمتہ کے بہت سے اقوال بھی اختیار کر لیے گئے حالانکہ ان کا فقہی مذہب اب مردہ ہو چکا تھا اور دنیا کے کسی علاقے میں اس کے پیروکار نہیں تھے لیکن چونکہ ان کی آراء زمانہ جدید کے تقاضوں کے عین مطابق تھیں اس لیے مجلّہ میں انہیں اپنا لیا گیا۔ ہمارے ہاں اسلامی قانون کی تشکیل جدید کے لیے یہ راست سمت کی طرف ایک اہم قدم تھا لیکن علامہ صاحب نے اس کی بجائے ترکی شاعر ضیاء گو کلپ کو زیادہ اہمیت دی۔

ضیاء گو کلپ کو اسلامی قانون کا کوئی علم نہیں تھا لیکن ترکوں کا قومی شاعر ہونے کی وجہ سے سرکاری حلقوں میں اسے کافی اثر و رسوخ حاصل تھا اس لیے حلیم ثابت کی بجائے اس کے نظریات کو ترجیح دی گئی۔ وہ سرے سے تمام اسلامی فقہ کو دریا برد کرنے کا مطالبہ کرتا تھا۔ اس بارے میں اس نے جو دلائل دیئے وہ ان کی اسلامی قانون اور قرآنی تعلیمات سے بے خبری پر دلالت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جدید کا تقاضا ہے کہ طلاق کے سلسلے میں مرد اور عورت کو مساوی حقوق ملنے چاہئیں

Marfat.com

اس طرح اسلامی قانون وراثت میں عورت کا جو نصف حصہ مقرر کیا گیا ہے وہ انسانی فطرت کے خلاف ہے اور اس کا خاتمہ ہونا چاہیے اور اس بارے میں ان کا استدلال یہ تھا کہ اس مقصد کے حصول کے لیے قدیم اسلامی فقہ سے خلاصی کرائی جائے۔

ضیاء گو کلب کو اگر اسلامی قانون کا معمولی سا علم بھی ہوتا تو اسے ایسے اعتراضات کرنے کی ضرورت پیش ہی نہ ہوتی۔ اسلامی قانون میں مرد اور عورت دونوں کو علیحدگی کے برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ فرق صرف اصطلاح میں ہے۔ مرد اگر یہ حق استعمال کرے گا تو اسے طلاق کہا جائے گا اور عورت کے اس شرعی حق کو خلع کہتے ہیں۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد سوم ۳۹۳)

وراثت کے بارے میں بھی ان کا اعتراض ان کی کم علمی پر دلالت کرتا ہے۔ بلاشبہ لڑکے اور لڑکی کی صورت میں لڑکی کا حصہ لڑکے سے نصف ہے اور اس کے حق میں بڑے وزنی شرعی دلائل ہیں لیکن جہاں تک تمام مردوں اور عورتوں یعنی ماں، بہن، باپ بھائی کا تعلق ہے تو اس بارے میں اسلامی قانون میں ان سب کے حصے برابر ہیں۔ دراصل ضیا گو کلب جیسا کہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کسی نہ کسی طرح اسلامی فقہ سے خلاصی چاہتے تھے اور ترکوں نے ان کی اس رائے کو اپنا کر، کوئی ترقی نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے اجتہاد کی اہمیت کے لئے جو ترک تجربے کا حوالہ دیا تو ہمارے علماء پر اس کا منفی اثر پڑا اور انہوں نے علامہ اقبال کی مخالفت شروع کر دی۔

اجتہاد کے اصول کو قابل عمل بنانے کے لئے، آخر میں علامہ صاحب نے تجویز پیش کی ہے کہ انفرادی علماء کو اس اصول سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے بلکہ یہ کام مسلمانوں کی قانون ساز اسمبلیوں کو کرنا چاہیے اس مقصد کے لیے علماء کی ایک معتدبہ تعداد کو ان اسمبلیوں میں شامل کر لینا چاہیے اس طرح، ان کا خیال ہے کہ اجتہاد کے اصول کو اپنانے میں کوئی غلطی نہ ہوگی اور عوام میں سے

Marfat.com

اچھے ذہن رکھنے والے لوگ بھی اس بارے میں اپنی قیمتی آراء سے قوم َ و فائدہ پہنچا سکیں گے۔ (خطابات صفحہ : ۱۷۴) لیکن اس مقصد کے لیے علماء کے انتخاب کا انہوں نے کوئی طریقہ تجویز نہیں کیا' کیونکہ یہاں کا ہر عالم دین اپنے آپ کو اس کام کا اہل سمجھتا ہے دوسرے یہ نہیں بتایا گیا کہ اسمبلی میں ان علماء کو کیا اختیارات حاصل ہوں گے اگر انہیں غیر اسلامی قوانین مسترد کرنے کا حق ہو گا' تو پھر اسمبلی کے دوسرے ممبروں کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اور اگر انہیں حق یہ تفویض نہیں کیا جاتا تو ان کا اسمبلی کا ممبر ہونا اسلامی قانون کی تدوین میں کوئی موثر کردار ادا نہیں کر سکتا۔

تاہم اس سلسلے میں علامہ صاحب نے ایک اور تجویز کا ضمنی طور پر ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ اسلامی فقہ کے تمام ریکارڈ کا جدید علمی تحقیق کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور ان میں سے جو قوانین زمانہ جدید کے تقاضوں کے مطابق نہیں ان کی بجائے قوانین مدون کئے جائیں۔ یہ ایک مناسب تجویز ہے لیکن اس بارے میں وہ علماء کے ردعمل سے گھبراتے ہیں کہ اس سے وہ ناراض ہو جائیں گے (خطبات ۔۱۶۴) لیکن اگر ہم نے اسلامی قانون کی تشکیل جدید کرنی ہے تو پھر اس قسم کی ناراضگی سے نہیں گھبرانا چاہیے' میرے خیال میں ان خطوط پر اسلامی قانون کی تشکیل جدید کا کام فوری طور پر شروع ہونا چاہیے وگرنہ ہمارے ہاں ایسی تحریک شروع ہو سکتی ہے جیسی کہ ترکی شاعر ضیاء نے چلائی تھی کہ سرے سے اسلامی فقہ سے ہی گلو خلاصی کر لی جائے۔ اس سے ترکی قوم اسلام سے دور ہو گئی۔ اس لیے ہمیں اس انجام سے بچنے کے لئے اسلامی قانون کی تدوین جدید کی طرف فوری توجہ دینی چاہیے۔ (نومبر ۱۹۸۷ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مختلف اسلامی ادوار میں اسلامی عدالتی نظام کا طریق کار

دور رسالت کا طریق کار

دور رسالت' اسلامی تاریخ کا سنہری دور ہے۔ یہ مبارک دور' بعد کے تمام ادوار کے لئے ایک اعلیٰ نمونہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہر دور کے مسلمانوں نے حتی الوسع اس اعلیٰ نمونہ کی پیروی کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں رسول اللہ صلعم کو لوگوں تک پیغام حق پہچانے کا فریضہ سونپا تھا۔ وہاں لوگوں کے درمیان تنازعات کا فیصلہ کرنے کی ذمہ داری بھی آپ کے کندھوں پر ڈالی تھی تاہم اس مبارک دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پر تقویٰ غالب تھا اس لئے اگر ان کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا بھی ہوتا تھا تو وہ فریقین کا ذکر کئے بغیر اس کے بارے میں شرعی حکم معلوم کر لیتے تھے اور پھر اس پر بطیّب خاطر عمل کر لیتے تھے۔ یہ طرز عمل' اسلام کے عدالتی نظام کا ہر دور میں رہا ہے۔ نیک لوگ عدالتوں میں جانے کی بجائے اپنے تنازعات کا فیصلہ ہمیشہ عدالتوں سے باہر کرتے رہے ہیں۔

ہاں اس مبارک دور میں دیہاتی عرب جو نئے نئے اسلام لائے تھے۔ وہ اپنے مقدمات رسول اللہ صلعم کی عدالت میں پیش کرتے تھے' آپ نے ان کے تنازعات

Marfat.com

ے فیصلے کے لئے ایسے اصول مقرر کر دیتے تھے کہ وہ قیامت تک کیلئے مسلمان حکمرانوں کے لئے رہنمائی کا کام دیتے رہے ام المومنین حضرت ام مسلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ دو آدمی اپنے کسی تنازعے کے فیصلے کے لئے رسول اللہ صلعم میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان پر یہ واضح کر دیا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں' ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک فریق اپنی چرب زبانی کے بل پر اپنے حق میں ایسی دلیلیں پیش کرے جو دوسرا پیش نہ کرسکے۔ میں تو اپنی دلائل کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا جو میرے سامنے پیش کئے جائیں گے لیکن یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص میرے فیصلے کے باوجود اپنے بھائی کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طریقے سے حاصل کرلے گا تو وہ اس کیلئے آگ کا ٹکڑا ہوگا' قیامت کے دن آگ کا وہ ٹکڑا اس کے گلے میں پڑا ہوگا اور وہ پھکنی سے اسے اور زیادہ بھڑکا رہا ہوگا۔

رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد سن کر' وہ دونوں شخص رو پڑے اور ہر ایک نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول میں اپنا حق بھی اپنی خوشی سے اپنے بھائی کو دیتا ہوں۔

اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جاؤ اور جائیداد کو حق و انصاف اور شریعت اسلامی کے احکامات کے مطابق تقسیم کرلو۔ تم مین سے ہر ایک کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ دوسرے بھائی کے ساتھ ٹھیک اور درست معاملہ کرے گا۔

(مسند احمد بن حنبلی کتاب القضاء)

اس دور میں عدالتی فیصلوں کی اولین بنیاد' قرآن مجید تھا' خود رسول اللہ صلعم کسی معاملے کا فیصلہ کرتے وقت' سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع فرماتے تھے لیکن جن معاملات کے بارے میں' وحی الٰہی میں کوئی حکم نہ ہوتا تھا' ان کے متعلق آپ خود اجتہاد کرتے تھے اور بعض اوقات صحابہ کرام سے بھی مشورہ لیتے تھے چنانچہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے افعال واقوال ' اسلام کے عدالتی نظام کی دوسری بنیاد بن گئے۔ مختصر یہ کہ اس دور میں عدالتی فیصلے' قرآن مجید' سنت رسول

Marfat.com

اور اجتہاد کے ذریعے کئے جاتے تھی۔

دور نبوی میں عدالتی

دور نبوی میں نہ تو کوئی جیل خانے اور نہ ہی کوڑے مارنے کیلئے جلاد مقرر تھے' عدالت شاذو نادر ہی کوئی سزا دیتی' اگر کسی کو کوڑوں کی سزا دی بھی جاتی تھی تو اسے شرمندہ کرنے کیلئے ہوتی تھی' عام طور پر ایسے مجرم کو کپڑا کو اکٹھا کر کے یا جوتوں سے مارا جاتا تھا۔ اس دور کی سب سے مؤثر سزا سماجی مقاطعہ تھا۔ امام ابو داؤد نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک صحابی نے شاندار عمارت بنوالی تھی' جسے رسول اللہ صلعم نے ناپسند کیا اور اسے اسلامی تعلیمات کے خلاف قرار دیا۔ آپ نے اس صحابی کا سماجی مقاطعہ کر دیا۔ جس سے اسے اپنے اس ناجائز فعل کا احساس ہوگیا اور اس نے جاکر اپنی اس شاندار عمارت کو گرا دیا۔ آپ نے شک کا فائدہ دیتے ہوئے' لوگوں پر شاذو نادر ہی شرعی حدود کا نفاذ فرمایا۔ رجم کے بارے میں جو روایت ملتی ہے' علماء نے اس کے بارے میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ زناکاری کے جرم کو شرعی حد کے احکامات نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

عدلیہ دور صدیقی میں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد اعلان فرمایا کہ حکومت ان کے لئے باعث راحت نہیں بلکہ اس سے انہیں ایک عظیم معاملے کی تکلیف دی گئی ہے جو ان کی طاقت سے زیادہ ہے بلاشبہ انہیں تم لوگوں کا امیر بنایا گیا ہے لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں راہ راست پر رہوں تو میری مدد کرنا۔ اور اگر بے راہ چلوں تو سیدھا کر دینا۔ تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقتور ہے۔ انشاء اللہ اسے اس کا حق دلواؤں گا۔ اور تم میں سے جو طاقتور ہے وہ میری نظر میں کمزور ہے۔ اس سے انشاء اللہ حق لے کر چھوڑوں گا۔

آپ کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو سب سے پہلے آپ قرآن مجید

Marfat.com

کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ پھر سنت رسول سے مدد لیتے۔ اگر آپ کو ایسا کوئی قول نہ ملتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں آکر دریافت کرتے کہ فلاں معاملے میں اگر کسی کو رسول اللہ صلعم عمل معلوم ہو تو اطلاع دے جب ایسا کوئی عمل نہ ملتا تو صحابہ کرام میں سے جو اہل رائے تھے انہیں جمع کر کے مشورہ کرتے اور جس رائے پر اکثریت متفق ہو جاتی' اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ اس اصول کے مطابق اجتہاد صحابہ کا ذاتی فیصلہ نہیں ہوتا تھا بلکہ تمام اہل رائے صحابہ کا متفقہ فیصلہ ہوتا تھا۔

اپنے دور خلافت میں زیادہ تر مقدمات کے فیصلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود کرتے تھے۔ لیکن جب آپ کی خلافت کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں تو آپ نے یہ خدمت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی لیکن آپ کی زندگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی قابل ذکر مقدمہ ہی درج نہ ہوا کہ وہ اس کا فیصلہ کرتے اس سے واضح ہوتا ہے کہ لوگ اپنے مقدمات عدالتوں میں لے جانے کی بجائے ان کے بارے میں شرعی احکامات معلوم کر کے خود ہی افہام و تفہیم سے فیصلہ کر لیتے تھے۔

عدلیہ عہد فاروقی میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عدل آج تک ضرب المثل بنا ہوا ہے۔ ایک دفعہ دو فریق اپنا مقدمہ لیکر آپ کے پاس آئے تو آپ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ انہیں اس بارے میں روشنی عطا فرما کیونکہ ان میں سے ہر فریق ان کا دین چاہتا ہے۔ عدل قائم کرنے میں وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ کوئی نرمی نہ برتتے تھے۔ اسلام کے اصول مساوات کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدالتی فیصلوں میں امیر و غریب والی اور رعیت کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا قبیلہ غسان کے بادشاہ جبلہ بن ایہم نے جب ایک غریب آدمی کو اس لئے تھپڑ مارا کہ اس غریب کا پاؤں' اس کے شاہی لباس پر پڑ گیا تھا تو آپ نے حکم دیا کہ وہ غریب آدمی اس کو ویسا ہی تھپڑ مار سکتا ہے۔

Marfat.com

مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے ایک مصری کو بلاوجہ کوڑے مارے' تو حضرت عمرو بن عاص کو خدشہ ہوا کہ کہیں یہ مصری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر اس کی شکایت نہ کر دے۔ اس لئے اسے کچھ عرصے کے لئے قید میں ڈال دیا۔ تاہم وہ جب ہی قید سے رہا ہوا تو سیدھا مدینہ منور پہنچا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے اس مصری کو اپنے پاس ٹھہرا لیا اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کو بلا بھیجا جب دونوں باپ بیٹے آپ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے اس مصری شخص کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ جس طرح حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے اسے کوڑے مارے تھے' ویسے ہی وہ اسے کوڑے مارے۔ جب وہ جی بھر کر اس سے اپنا بدلہ لے چکا اور کوڑا امیر المومنین کو واپس کرنے لگا تو آپ نے اسے فرمایا کہ وہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بھی چند کوڑے رسید کرے اللہ تعالیٰ کی قسم ان کے بیٹے کو اگر اپنے باپ کے اقتدار کا گھمنڈ نہ ہوتا تو وہ تجھے ہرگز کوڑے نہ مارتا۔ پھر حضرت عمرو بن عاص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے عمرو! تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا ہے جبکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔

اپنی خلافت کے شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقدمات کے فیصلے خود کرتے تھے لیکن جب فتوحات کی وجہ سے انتظامی معاملات زیادہ ہوگئے تو آپ نے عدالتی فرائض کے لئے علیحدہ قاضی مقرر کئے۔ آپ نے سب سے پہلے یہ خدمت ایک صحابی حضرت ابو الدرداء کے سپرد کی۔ بعد میں جب کوفہ اور بصرہ کے شہر آباد ہوگئے تو آپ نے حضرت شریح کو اس اہم شہر کا قاضی مقرر کیا جنہوں نے اس اہم عہدے پر پورے ساٹھ سال تک خدمات انجام دیں۔ اسلامی تاریخ میں آپ سب سے لمبی خدمات انجام دینے والے قاضی ہیں عہد نبوی اور عہد صدیقی کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی عدلیہ کی شان و شوکت اور عظمت قائم رہی اور اسلام کے بنیادی قانون مساوات کو مد نظر رکھتے ہوئے امیر غریب اور چھوٹے بڑے سب لوگوں

Marfat.com

کو قانون کی نظر میں برابر سمجھا جاتا تھا چنانچہ خود خلیفہ بھی' عدالت میں ایک معمولی فرد مملکت کی طرح حاضر ہوتے تھے۔

عدلیہ حضرت عثمان کے دور میں

رسول اللہ صلعم کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بڑے ہی نرم دل حکمران تھے۔ شورش پسندوں نے آپ کی اس طبعی نرم دلی کا ناجاء فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ان شرپسندوں نے آپ کو شہید کر ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو عدالتی نظام قائم کیا تھا۔ ان کے عہد میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا۔ تاہم انہوں نے اس سلسلے میں ایک تبدیلی کی وہ یہ کہ اس سے پہلے عدالتوں کی کارروائی مساجد میں ہوا کرتی تھی۔ آپ نے اس مقصد کے لئے علیحدہ عمارتیں بنوائیں جو دار القضاء کے نام سے مشہور ہوئیں۔ آپ نے اگر چہ کچھ صوبوں کے گورنروں کو معزول کرکے ان کی جگہ نئے والی مقرر کئے تھے لیکن آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ کسی قاضی کو نہیں بدلا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عدالتی نظام

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح خود اعلیٰ پایہ کے قاضی تھے۔ اس لئے رسول اللہ صلعم نے انہیں یمن کا قاضی بناکر بھیجا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ وہ آپ کے عدالتی نظام کو سوجھ بوجھ سے کافی متاثر تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہم سب میں سے علم قضاء کے بہت بڑے عالم ہیں اس لئے تو رسول اللہ صلعم نے انہیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ (تاریخ الخلفاء از علامہ سیوطی) آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ فرمایا کہ جب بھی کوئی قابل اعتماد شخص انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سناتا ہے تو وہ اس فیصلے سے اختلاف نہیں کرتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سرکاری قاضیوں کے علاوہ لوگ اپنے فیصلے

Marfat.com

غیر سرکاری قاضیوں جنہیں بعد میں مفتی کہا گیا سے کراتے تھے۔ آپ اکثر مقدمات کے خود فیصلے کرتے تھے۔ تاہم دوسرے صوبوں میں آپ نے علیحدہ قاضی بھی مقرر کیے اس مقصد کے لئے اپنے صوبائی گورنروں کو جو خط لکھا اس میں یہ تحریر تھا کہ صرف ایسے شخص کو قاضی مقرر کیا جائے جو ہر لحاظ سے تمام رعایا میں بہتر شخصیت کا مالک ہو۔

مختصر یہ کہ خلافت راشدہ کے باسعادت دور میں' عدالتی نظام' عہد رسالت کے عدالتی نظام کا مکمل نمونہ تھا۔ مساوات اسلامی کے اصولوں کی اس سختی سے پابندی کی جاتی تھی کہ خود خلیفہ وقت رعایا کے ایک عام فرد کی طرح عدالت میں حاضر ہوتا تھا اور اگر ان کا کوئی قریبی رشتہ دار کسی جرم کا مرتکب ہوا تو اسے عام لوگوں کی نسبت' زیادہ سخت سزا دی جاتی تھی۔ تاہم اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی۔ کہ شرعی حدود کے نفاذ سے پہلے اسلامی فلاحی مملکت قائم کی گئی جس میں معاشرے کے ہر فرد کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری حکومت نے لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب قحط کی وجہ سے حکومت یہ ذمہ داری پوری نہ کرسکی تو آپ نے شرعی حدود کا نفاذ بھی معطل کر دیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے عدالتی نظام کے نفاذ کیلئے اسلامی فلاحی مملکت کا قیام لازمی شرط ہے۔

خلافت راشدہ کے بعد اموی اور عباسی خلفاء ہوئے اگرچہ انہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلعم کا خلیفہ ہی کہا لیکن عملاً وہ دنیاوی بادشاہ تھے۔ بلاشبہ انہوں نے عدالتی نظام کو شریعت اسلامی کے اصولوں کے مطابق استوار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بالآخر بادشاہ تھے۔ اس لئے وہ اسلامی قانون کو مکمل پاسداری نہ کرسکے۔ لوگوں میں بھی پہلا جیسا تقویٰ نہیں تھا۔ اس لئے عدالتوں میں مقدمات کو بھرمار ہوگئی۔ اسلام کے امتیازی نظام عدل کی اہم خصوصیت کو سامنے رکھتے ہوئے بعض حکمرانوں نے قاضیوں کے ساتھ' مفتی بھی سرکاری طور پر مقرر کیے۔ جو اکثر مقدمات کا فیصلہ عدالتوں سے باہر کرتے تھے اس گئے گزرے زمانے میں بھی اسلام کے عدالتی

Marfat.com

نظام کی یہ خصوصیت قائم ہے اور اکثر نیک لوگ اپنے مقدمات عدالتوں میں لے جانے کی بجائے، ان کے بارے میں شرعی حکامات معلوم کرکے باہمی افہام و تفہیم سے ان کے فیصلے کرلیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلامی عدالتی کی بنیاد قرآن حکیم

سنجیدہ قارئین کو یہ چیز عجیب معلوم ہوگی کہ قرآن مجید جیسی محکم کتاب کی کوئی آیت منسوخ بھی ہو سکتی ہے لیکن ہمارے ہاں علماء کے ایک طبقے کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات منسوخ ہیں حد تو یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک ان منسوخ آیات کی تعداد پانچ صد سے بھی زیادہ ہے۔ جس میں سے عام طور پر ۳۱۵ آیات کی نشاندہی کی جاتی ہے بقیہ کے متعلق ان کا خیال ہے کہ منسوخ ہونے کی بنا پر انہیں قرآن مجید میں تو شامل نہیں کیا گیا لیکن ان کا حکم ابھی تک باقی ہے اس کی دلیل میں کہا جاتا ہے کہ آیہ رجیم پہلے قرآن مجید میں موجود تھی' پھر اسے قرآن مجید سے نکال دیا گیا۔ اس لئے نماز وغیرہ میں اس کی تلاوت جائز نہیں۔" تاہم اس کا حکم اب بھی باقی ہے۔ جو شادی شدہ زناکار کو سنگسار کرنا ہے چنانچہ آج بھی قرآن آیات کے منسوخ ہونے کے بارے میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اگر اس اصول کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر شادی شدہ زناکار کو سنگسار کرنے کی سزا ثابت نہیں کی جاسکتی۔

اسلامی معاشرے میں نسخ کے عقیدے نے اس وقت عروج حاصل کیا۔ جب یونانی فلسفہ و منطق نے اسلامی تعلیمات کے خلاف صف آرائی کی علماء جن آیات میں تطبیق نہ دے سکتے وہ انہیں منسوخ قرار دے دیتے تاہم اس دور میں بھی علماء کا ایک

Marfat.com

طبقہ ایسا تھا۔ جنہوں نے قرآن مجید میں نسخ کا انکار کیا یہ لوگ اسلامی تاریخ میں معتزلہ کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی علمی و عقلی انداز سے مدافعت کی اور علمی و فکری دنیا میں اسلام کی عظمت کی دھاک بٹھا دی۔ معتزلہ سے پہلے اسلامی تاریخ میں کسی ایسے فرقے کا سراغ نہیں ملتا۔ جو ماوراء الطبیعی مسائل میں عقلی و علمی انداز سے بحث کرتا ہو۔ کتنے اسلامی علوم ہیں۔ جو محض اس فرقے کی وجہ سے عالم وجود میں آئے۔ اور کتنے عقائد ہیں جو آج تک ہم میں رائج ہیں مگر ہمیں معلوم نہیں کہ کن اہل علم کی نکتہ سنجیوں نے یہ دقیق نکات کھولے تھے قرآن مجید کی آیات کے منسوخ ہونے کے انکار کا عقیدہ بھی انہی لوگوں کی علمی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

ان لوگوں نے نسخ کے عقیدے کے خلاف یہ اعلان کیا کہ قرآن مجید نص قطعی ہے اور اسے حدیث سے جو نص ظنی ہے۔ منسوخ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ رہی یہ چیز کہ قرآن کی بعض آیات اس کی بعض دوسری آیات سے منسوخ ہیں تو یہ بھی غلط استدلال ہے کیوں کہ ایسا عقیدہ رکھنا کہ قرآن مجید کے بعض احکام بعض کے مخالف ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس دعوے کی تردید کرتا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی اختلاف نہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل بھی یہی دی ہے کہ اس کی آیات میں باہم تناقص و اختلاف نہیں اب جو لوگ بعض آیات کو دوسری آیت سے منسوخ مانتے ہیں، انہیں یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ ایسی آیات باہم مختلف ہیں۔ کیونکہ اگر اختلاف نہ ہو تو منسوخ قرار دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم خود نسخ کے مسئلہ کو غلط ٹھہراتا ہے۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں، جس میں خود رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہو کہ قرآن کی فلاں آیت فلاں آیت سے منسوخ ہے۔ صحابہ کرام کے اقوال میں بعض آیات کے متعلق بے شک نسخ کا لفظ آیا ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ جس آیت کو ایک صحابی منسوخ مانتے ہیں،

Marfat.com

دوسرے اسی کو غیر منسوخ قرار دیتے ہیں۔ تو ہم اس صحابی کے قول کو کیوں نہ تسلیم کریں' جس سے قرآن مجید میں اختلاف نہیں ماننا پڑتا دراصل صحابہ کے اقوال میں لفظ نسخ کا استعمال وسیع معنوں میں ہوا۔ یعنی جب کبھی کسی آیت سے کسی صحابی کو غلط فہمی پیدا ہوئی اور دوسری آیت نے اس غلط فہمی کو دور کر دیا تو ایسے موقع پر بھی وہ نسخ کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ خود مفسرین میں بھی اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کسی ایک آیت کو منسوخ بھی تسلیم کرتے ہیں اور پھر اس کے غیر منسوخ ہونے کے بارے میں دوسرے اقوال بھی نقل کر دیتے ہیں۔ اگر بالفرض نسخ کے تمام اقوال کو تسلیم کرلیا جائے تو قرآن مجید کا بہت بڑا حصہ و نعوذ باللہ' محض بے کار ہو جاتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے ان کی تحقیق کے مطابق' پانچ صد آیات قرآنی کو منسوخ قرار دے دیا گیا تھا' لیکن انہوں نے اس بارے میں مفسرین کے اقوال کو رد کرتے ہوئے' صرف اکیس آیات کو منسوخ مانا۔ لیکن امام ابو مسلم اصفہانی نے ان اکیس آیات کو تفسیر کر کے ثابت کیا کہ قرآن مجید کی ایک آیت بھی منسوخ نہیں۔

تاہم جو علماء اور مفسرین قرآنی آیات کے نسخ کے قائل تھے۔ انہیں ابو مسلم اصفہانی کی یہ کوشش پسند نہ آئی انہوں نے اسے معتزلہ قرار دے کر' ان کی چودہ جلدوں پر مشتمل تفسیر کو ضائع کرا دیا۔ اس لئے وہ تفسیر آئندہ نسلوں تک نہ پہنچ سکی۔ وگرنہ یہ عقیدہ کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ اس کے مقابلے میں ان ہی کے ایک ہمعصر مفسر حافظ ابو جعفر محمد بن اسماعیل کی کتاب الناسخ و المنسوخ فی القرآن" کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی گئی۔ اس مفسر نے قرآن مجید کی کوئی ۳۱۵ آیات کو منسوخ ثابت کیا تھا۔ ابو مسلم کی تفسیر ضائع کر دینے کی وجہ سے آئندہ نسلیں اس کتاب سے متاثر ہوتی رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہمارے علماء کی اکثریت کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات منسوخ ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ اس کتاب کا مصنف نیم

Marfat.com

پاگل تھا۔ اور آخری عمر میں اپنے اسی پاگل پن کی وجہ سے دریائے نیل میں چھلانگ لگا کر اس نے خودکشی کرلی تھی لیکن اس کے باوجود آج بھی اس کی کتاب کو قرآن مجید کی آیات کو منسوخ قرار دینے کے لئے سند سمجھا جاتا ہے۔

برصغیر ہندو پاکستان میں سب سے پہلے سید احمد خان نے قرآنی آیات کے منسوخ ہونے کا انکار کیا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اس عقیدہ کے ماننے سے قرآن مجید کے محکم ہونے پر حرف آتا ہے لیکن سید احمد خان کے خلاف علماء نے ایک محاذ قائم کررکھا تھا۔ اس لئے ان کی اچھی باتوں کو بھی تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ تاہم روشن خیال علماء ان کی تحقیق سے متاثر ہوئی بغیر نہ رہ سکے اور وہ قرآن مجید کے بارے میں اس عقیدے کی کمزوریاں واضح کرتی رہے لیکن یہ کوششیں محدود نوعیت کی تھیں۔ اس لئے ان کا اثر دیرپا نہ تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ابھی حال ہی میں ایک مبسوط کتاب "تفسیر منسوخ القرآن" کے نام سے ملتان سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب کے مصنف رحمت اللہ طارق صاحب ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر موجود تمام مواد کو سامنے رکھ کر ان تمام اقوال کو جن کے حوالے سے قرآن مجید کی ۳۱۵ آیات کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے۔ علمی انداز میں رد کیا ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ہر آیت کے بارے میں موجود مواد پر علیحدہ علیحدہ علمی بحث کرکے ان آیات کے منسوخ ہونے کے دعوے کو رد کرکے' قرآن مجید کی محکمیت کو ثابت کیا ہے اس طرح بڑی تقطیع کی ۹۰۶ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب تیار ہوگئی ہے جسے ادارہ ادبیات اسلامیہ' صرافہ بازار ملتان نے بڑی خوبصورتی سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں ناسخ و منسوخ کے موضوع پر اتنی سیر حاصل بحث کی گئی ہے کہ بحث کا کوئی پہلو تشنہ باقی نہیں رہا۔ آج کی اصطلاح میں یہ اپنے موضوع پر ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے۔ یہ اتنا بڑا کام تھا کہ اس کے لیے علیحدہ ادارے کی ضرورت تھی لیکن علامہ رحمت اللہ طارق نے انفرادی طور پر اسے سرانجام دے کر دوسرے علماء کے لیے بھی ایک قابل تقلید مثال قائم کی ہے امید ہے کہ اگر ہمارے علماء نے اس تحقیق

Marfat.com

کتاب کو خالی الذہن ہو کر مطالعہ کیا تو قرآن کی محکمیت پر ان کا یقین پختہ ہو جائے گا اور وہ کسی ایک آیت کے منسوخ ہونے پر بھی اصرار نہ کریں گے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مساوات محمدی

اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں کے لئے نبی بناکر بھیجنے سے پہلے اس دنیا کی حالت بڑی دگرگوں ہو چکی تھی۔ اس دگرگوں حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ لوگوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے خشکی اور سمندروں پر فساد برپا ہو چکا ہے (سورہ الروم۔ ۴۱) اس آیت میں قرآن مجید نے جس تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یورپ کے محققین نے مختلف تاریخی ادوار کے بارے میں علمی تحقیق کے بعد اسے تسلیم کیا ہے۔ مشہور یورپی محقق مسٹر جے ایچ ڈینس اپنی انگریزی کتاب جذبات پر مبنی تہذیب میں رقمطراز ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا' تباہی کے کنارے پر پہنچ چکی تھی۔ قدیم جذباتی تہذیب' جس نے کسی حد تک' انسانوں میں وحدت پیدا کر دی تھی' وہ اب ٹوٹ پھوٹ رہی تھی' دوسری کوئی تہذیب اس کی جگہ لینے کے لئے موجود نہیں تھی۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عظیم الشان تہذیب' جسے تشکیل پانے میں' چار ہزار برس' صرف ہوئے تھے۔ اب مٹنے کو ہے اور انسانیت ایک دفعہ پھر ظلم و بربریت کا شکار ہونے والی ہے۔" (صفحات ۲۲۵ تا ۲۶۷)

مختصر یہ کہ اس وقت دنیا کو ایک ایسا ریفارمر کی ضرورت تھی جو اسے آنے والی

Marfat.com

تباہی سے بچاسکے۔ اس وقت حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ آپ ؐ نے مساوات پر مبنی ایک ایسا معاشرہ قائم کردیا جو تاریخ کے کسی بھی مہذب معاشرے سے برتر تھا۔ اس نئے معاشرے نے نہ صرف یہ کہ انسانیت کو تباہی کے گھڑے میں گرنے سے بچالیا' بلکہ اس وقت کی تمام اقوام کو' چاہیے وہ مہذب تھیں یا غیر مہذب' ایک وحدت میں پرو دیا یہ ایک نہایت ہی عظیم کارنامہ تھا۔ اور یہ کارنامہ صرف ایسا ہی انسان سرانجام دے سکتا تھا جو نہ صرف یہ کہ غیر معمولی قابلیت کا مالک ہو' بلکہ اخلاقی طور پر بھی اپنے زمانے کے لوگوں سے بلند تر ہو۔ اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راست گوئی اور دیانت داری کے نبوت سے پہلے بھی قائل تھے' اور آپ ؐ صلی اللہ علیہ وسلم' مکہ مکرمہ کے قریب صفاء کی پہاڑی پر تشریف لے گئے' آپ اہل مکہ سے کچھ کہنا چاہتے تھے اس لئے آپ نے سرداران مکہ کے نام لے لے کر انہیں بلایا۔ جب وہ سب آپ کے سامنے جمع ہوگئے تو آپ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کی دوسری طرف ایک بہت بڑی فوج جمع ہے جو موقع پاکر تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے تو کیا تم لوگ میری اس بات کا یقین کرلو گے۔ اس پر سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ وہ ضرور یقین کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اس فوج کے حملے سے بھی ایک بڑے خطرے سے دوچار ہونے والے ہو اور تمہیں اس خطرے سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف اپنا رسول بناکر بھیجا ہے۔

آپ کے اس اعلان سے مکہ مکرمہ کے سرداران پر سراسیمگی چھاگئی۔ اور وہ خفا ہوگئے۔ انہوں نے آپ ؐ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کردیا۔ بلکہ الٹا مخالف بن کر آپ ؐ کے دعوت کے کام میں رکاوٹیں پیدا کرکے آپ کو ہر طرح سے پریشان کرنے لگے۔ لیکن آپ ؐ نے کسی مخالف کی پرواہ نہ کی اور ان لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت کے دن کے حق ہونے کی تبلیغ کرتے رہے۔ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ آپ ؐ پر ایمان لے آئے جس سے سرداران مکہ کے غصے میں مزید

Marfat.com

اضافہ ہوگیا۔ اور انہوں نے آپ کے ساتھ ان بیکس مسلمانوں پر بھی ظلم و ستم ڈھانے شروع کردیے۔

اسی اثناء میں عرب کے دوسرے بڑے شہر یثرب کے لوگوں نے آپ کی دعوت میں کشش محسوس کی اور ان کی ایک خاص بڑی تعداد نے اسلام قبول کرلیا۔ انہوں نے مسلمانوں پر کفار مکہ کی جانب سے ڈھائے جانے والے مظالم پر بڑے دکھ کا اظہار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ سب ان کے شہر تشریف لے چلیں۔ چنانچہ آپ نے ان کی دعوت قبول کرلی۔ اور مسلمانوں کے ساتھ یثرب کے شہر کی طرف ہجرت فرمائی۔ آپ کے وہاں جانے کے بعد یثرب شہر کا نام بدل دیا گیا۔ اور اب وہ مدینہ النبیؐ یعنی نبیؐ کے شہر سے مشہور ہوگیا۔ بعد میں اسے صرف المدینہ کہا جانے لگا۔

ہجرت کا واقعہ اسلامی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے اور اس کی اہمیت کے پیش نظر اسلامی کیلنڈر کی ابتداء اسی واقعہ سے کی گئی۔ مدینہ منورہ کے بہت سے سردار پہلے ہی اسلام قبول کرچکے تھے۔ جو باقی رہ گئے تھے انہوں نے اسلام کی دعوت خود رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے سنی اور فوراً ایمان لے آئے۔ اب آپؐ نے محسوس کیا کہ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے حالات سازگار ہوچکے ہیں چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے آپؐ نے مدینہ منورہ کے مختلف لوگوں کو جن میں یہودی اور عیسائی بھی شامل تھے متحد کرنا ضروری سمجھا۔

لوگوں کے ان مختلف طبقات سے مشورے کے بعد آپ نے معاہدے کے ایک مسودے کا خاکہ تیار کیا جسے سب فریقوں نے بخوشی منظور کرلیا اور جو بعد میں میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس معاہدے کی رو سے یہ طے پایا تھا کہ مدینہ منورہ کا کوئی طبقہ ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے گا بلکہ اگر کسی دشمن نے حملہ کیا تو وہ تمام متحد ہوکر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ اس معاہدے کے نتیجے میں مساوات پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کے مشن کو آگے بڑھایا گیا اور اس معاشرے کے قیام سے

Marfat.com

اردگرد کے قبائل کے لوگوں کی زندگیوں پر خوشگوار اثرات پڑے اور انہوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات پر مبنی جو معاشرہ قائم کیا تھا وہ بعد کے مسلمانوں کے لئے بھی ایک بہترین نمونہ سمجھا گیا۔ انسانی معاشرے کو ہر دور میں جو سب سے اہم مسئلہ درپیش رہا ہے وہ ہے دولت کی نامساوی تقسیم۔ جو لوگ ناجائز طریقوں سے دولت سمیٹ لیتے تھے وہ بعد میں سیاسی طاقت بھی حاصل کرلیتے تھے۔ یہ کھیل ہر دور میں کھیلا جاتا رہا ہے اور ابھی تک کھیلا جارہا ہے۔ جب دولت جمع کرنے کے لئے حقدار لوگوں کی محنت کا استحصال کیا جائے تو اس کے نتیجے میں معاشرے میں طرح طرح کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ دولت چند ہاتھوں میں سمٹتی جاتی ہے اور محنت کش لوگ اپنی محنت کا پھل حاصل کرنے سے محروم کردیے جاتے ہیں اسے آج کل کی اصطلاح میں سرمایہ داری نظام کہا جاتا ہے۔ جس کا پاکستان سمیت دنیا کے بہت سے ممالک پر غلبہ ہے۔ سرمایہ دار حضرات سرمایہ پر اپنی اجارہ داری قائم کرلینے کے بعد سیاسی طاقت پر بھی قبضہ کرلیتے ہیں اور وہ اپنی اس طاقت کے بل بوتے پر دوسرے کمزور ممالک کے لوگوں کے استحصال کا پروگرام بناتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں مختلف ملکوں کے درمیان لڑائیاں چھڑ جاتی ہیں۔ یہ لڑائیاں مخلوق خدا کی تباہی کا سبب بنتی ہیں۔

رسول اللہ صلعم نے معاشرے سے ان خرابیوں کو ختم کرنے کے لیے سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے کے لیے عملی قدم اٹھائے۔ اس نظام کی بنیاد سود پر ہے اس لیے اسلامی تعلیمات کے مطابق سود کو انسانیت کے خلاف سب سے زیادہ سنگین جرم قرار دیا گیا۔ قرآن مجید نے اسے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کے برابر قرار دیا۔ رسول اللہ صلعم نے مختلف سودی معاملات کا خود بنفس نفیس جائزہ لیا اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کا حکم دیا۔

سود کے حرام ہونے کے احکامات نازل ہونے کے بعد آپ منڈیوں اور کھیتوں

Marfat.com

میں تشریف لے گئے۔ ایک کھیت میں ایک صحابی حضرت رافع بن خدیج کھیت کو پانی دے رہے تھے۔ آپ نے اس سے شکایت کے معاملے کی تفصیلات معلوم کیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس زمین کا مالک تو ایک غیر حاضر زمیندار ہے' وہ اس پر کام کر رہے ہیں۔ جب فصل ہوگی تو آدھی مالک کی ہوگی اور آدھی ان کی۔ ہمارے ملک میں اس معاملے کو بٹائی کا معاملہ قرار دیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے اس معاملے کو خالص سود قرار دے دیا اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ اسی طرح آپ نے آڑھت کے کاروبار اور غیر حاضر چیزوں کی خرید و فروخت کو بھی سود قرار دیا۔

بٹائی کے معاملے کو سود قرار دینے کے بعد بعض صحابہ کرام کے پاس ان کی خود کاشت سے زیادہ زمینیں ہوگئیں۔ آپ ؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اپنی زائد زمینیں مفت دے دیں۔ انہیں کسی صورت میں ان کی قیمت وصول کرنے کی اجازت نہ دی۔ اسی طرح آپ ؐ نے مکانات بنانے کے بارے میں بھی یہی حکم دیا کہ وہ خاندان کی ضرورت کے مطابق ہوں' شان و شوکت کے اظہار کے لیے نہ ہوں۔ ایک دفعہ جب ایک صحابی نے ایک ایسی شاندار عمارت تعمیر کرلی جو اسے دوسرے صحابہ پر ممتاز کرتی تھی تو آپ ؐ اس صحابی سے اس حد تک ناراض ہوئے کہ اس کا سماجی مقاطعہ کردیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی شاندار عمارت کو زمین بوس کردیا اور معافی کا خواستگار ہوا۔

مساوات پر مبنی اسلامی معاشرے کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لیے خود رسول اللہ صلعم نے نہایت ہی سادہ زندگی گزاری۔ آپ ؐ اللہ کے نبی ہونے کے علاوہ اسلامی حکومت کے سربراہ تھے۔ آج کل حکومتوں کے سربراہوں کے لیے شاندار محل تعمیر کیے جاتے ہیں لیکن آپ ؐ نے ساری زندگی ایک حجرے میں گزار دی۔ یہی حال آپ ؐ کے لباس اور کھانوں کا تھا۔ آپ کی سادگی کو دیکھ کر تمام ایسے صحابہ کرام جن کا تعلق کھاتے پیتے گھرانوں سے تھا انہوں نے بھی سادہ زندگی اپنالی۔ اور اس

Marfat.com

طرح معاشرے کے تمام افراد کو وہ سہولتیں میسر ہو گئیں جو پہلے صرف چند لوگوں کو میسر تھیں۔ اس معاشرے میں کسی کو غریب محنت کشوں کی محنت کے استحصال کی اجازت نہ دی گئی۔ لوگوں کے پاس اگر ان کی ضرورت سے زیادہ مال اکٹھا ہو جاتا تو انہیں یہ ہدایت تھی کہ وہ اپنے اس مال کو غریب لوگوں کی ضروریات پر صرف کریں۔ اس طرح معاشرے سے ہر قسم کی اونچ نیچ ختم ہو گئی۔ جرائم بھی کم ہو گئے اور لوگ امن و آشتی سے رہنے لگے۔ آج بھی اگر ہم نے پر سکون زندگی حاصل کرنی ہے تو ایسا ہی مساوات پر مبنی اسلامی معاشرہ قائم کرنا ہو گا۔ (فروری ۱۹۹۰)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

رسول اللہ صلعم۔ دنیا کے عظیم قانون دان

ہمارے علمی حلقوں میں ایک امریکی مصنف مائیکل ہارٹ کی کتاب بعنوان "ایک صد تاریخ ساز عالمی شخصیتیں" کا ذکر اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اہل پاکستان کی اس کتاب سے دلچسپی کی وجہ یہ ہے کہ مائیکل نے غیر مسلم ہونے کے باوجود ان تاریخ ساز شخصیتوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین مقام دیا ہے قارئین اس بارے راقم سے دریافت کرتے رہتے ہیں کہ مصنف نے دیانتداری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام اولین دیا ہے یا اس میں شرارت کا کوئی پہلو ہے اور یہ کہ وہ ایک صد عالمی شخصیتیں کون کون سی ہیں جنہوں نے تاریخ کے دھاروں کو بدل دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

راقم نے بھی اس کتاب کے بارے میں بہت کچھ سنا اور پڑھا ہے لیکن ابھی تک اصل کتاب نظر سے نہیں گزری۔ تاہم خود امریکہ اور یورپ میں اس کتاب کی اہمیت کے مدنظر اس کے کئی خلاصے شائع ہو چکے ہیں۔ ان خلاصوں سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے تاریخی تجزیہ کے بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی تاریخ ساز شخصیتوں میں پہلا مقام دیا ہے کہ کتاب کے مصنف جناب مائیکل ہارٹ خود ایک ماہر فلکیات' ریاضی دان' قانون دان اور ماہر طبقات ہونے کے علاوہ

Marfat.com

شطرنج کے عالمی کھلاڑی بھی ہیں اس نے عالمی شخصیتوں کا جو تاریخی تجزیہ کیا ہے۔ اسے اپنے مذہبی جذبات سے متاثر نہیں ہوتا۔ وگرنہ ظاہر ہے کہ ایک عیسائی ہونے کے ناطے سے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلا مقام دیتے اس نے اپنے تجزیے میں یہ واضح کیا ہے کہ اس نے جو فہرست مرتب کی ہے یہ بڑے انسانوں کی نہیں بلکہ ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اس دنیا میں تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے چاہے ان میں سے بعض لوگ ظالم بھی مشہور ہوئے اسی اصول کے مطابق مصنف نے روسی ڈکٹیٹر سٹالن کو اپنی فہرست میں جگہ دی ہے جب کہ عیسائی مذہب کی کئی پاکیزہ ہستیوں جن میں مادام سیرینی بھی شامل ہیں ذکر تک نہیں کیا گیا مصنف کی کتاب کا خلاصہ ایک صحافی جناب جون امانگ نے تیار کیا تھا جو امریکی اخبار ہیرالڈ انٹرنیشنل تریبون کی ۲۴ دسمبر ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا تھا اس میں سے پہلی دس ہستیوں کے حالات' زندگی ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۵۷۰ تا ۶۳۵ء)

آپ نے دین اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور عرب قبائل کو متحد کر کے ایک طاقت بنا دیا جس نے بحیرہ اوقیانوس سے ہندوستان کی سرحدوں تک کی وسیع مملکتوں کو فتح کیا اس دنیاوی کامیابی کے علاوہ انہوں نے مسلمانوں کی مذہبی کتاب قرآن مجید کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور لوگوں کے اسلام قبول کرنے میں اہم کردار ادا کیا آپ ؐ کی یہی دینوی اور دنیاوی کامیابی جن کے اثرات آج بھی موجود ہیں حضرت محمد صلعم کو انسانی تاریخ میں واحد بااثر شخصیت ثابت کرتے ہیں۔

۲۔ اسحاق نیوٹن (۱۶۴۲ تا ۱۷۲۷ء)

آپ دنیا کے عظیم ترین سائنسدان تھے آپ نے سائنس کے تمام نظریات کی بنیاد رکھی جنہوں نے دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کیا نیوٹن نے دوسرا ٹیلی سکوپ ایجاد کیا اور روشنی کی حقیقت کے بارے میں بنیادی تحقیقی کام کیا اس نے علم ریاضی میں

Marfat.com

کیلکولس ایجاد کیا اور حرکت کے چار بنیادی قوانین جو موجود علم طبعیات کی بنیاد ہیں کی نشاندہی کی۔

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۶ء قبل مسیح تا ۳۰ء)

اس بات میں اختلاف نہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ تعداد عیسائی مذہب کے پیرو کاروں کی ہے لیکن اسلام کی طرح عیسائیت کی کامیابی فرد واحد کی مرہون منت نہ تھی بلکہ اس کی بنیاد دو شخصیتوں یعنی حضرت عیسیٰ اور سینٹ پال نے رکھی اور عیسائیت کے فروغ میں ان دونوں شخصیتوں نے اہم کردار ادا کیا اگر چہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے شخص تھے جنہوں نے دشمنوں سے محبت کی تعلیم دی اور برائی کا مقابلہ نہ کرنے کی تلقین کی اگر دنیا ان اصولوں کو تسلیم کرلیتی تو پھر بے شک دنیا کی تاریخ ساز شخصیتوں میں حضرت عیسیٰ کا مقام اولین ہوتا لیکن دنیا نے ان اصولوں کو تسلیم نہ کیا۔

۴۔ مہاتمابدھ (۵۶۳ تا ۴۸۳ قبل مسیح)

آپ بدھ مت کے بانی تھے آپ نے خود غرضی اور انسانی خواہشات کے خاتمے کی تعلیم دی کہ یہی انسانی دکھوں کی بنیاد ہیں بدھ مت کی کچھ تعلیمات کو ہندومت میں شامل کرلیا گیا۔

۵۔ کنفوشس (۵۵۱ تا ۴۷۹ قبل مسیح)

آپ بنیادی طور پر ایک اخلاقی فلسفی تھے آپ نے فرد اور حکومت کے تعاون کے بارے میں اصول پیش کیے آج کل اگر چہ چین میں ان کے اصولوں کو بھلا دیا گیا ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ اگلے پچاس سو سالوں میں کنفوشس اور ماؤزے تنگ کے خیالات کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے۔

۶۔ سینٹ پال (۴ تا ۶۴ء)

Marfat.com

عیسائیت قبول کرنے والا پہلا شخص تمام عیسائی مفکرین اور مصنفین کے مقابلے میں اس نے عیسائیت پر دیرپا اثر چھوڑے اسی نے پیدائشی گناہ، حضرت عیسیٰ کی الوہیت اور گناہ کے کفارے کا عقیدہ پیش کیا اور موجود بائیبل کی آدھی کتابیں اس کی لکھی ہوئی ہیں۔

۷۔ سوئی ٹن (۱۰۵)

حکومت چین کا ایک بہت بڑا افسر تھا اس نے کاغذ ایجاد کیا تھا جس کی وجہ سے سوئی ٹن کے ایک ہزار سال بعد چینی تہذیب مغربی تہذیب پر سبقت لے گئی عربوں نے کاغذ بنانے کا فن چینیوں سے سیکھا اور پھر عربوں سے یورپ نے سیکھا۔

۸۔ جان گٹن برگ (۱۴۰۰ تا ۱۴۶۸ء)

اس نے ٹائپ پریس ایجاد کیا اور اس کے لیے نئی قسم کی سیاہی تیار کی جس کی وجہ سے چھپائی کے فن نے ترقی کی اور موجودہ دور کی بے مثال ترقی کی اس ایجاد کی مرہون منت ہے۔

۹۔ کرسٹو فر کولمبس (۱۴۵۱ تا ۱۵۰۶ء)

اگرچہ کولمبس پہلا شخص نہیں جس نے براعظم امریکہ دریافت کیا تھا تاہم اسے اس سلسلے میں سب سے زیادہ شہرت ملی۔ اور اس کے نتیجے میں لوگ نئے نئے علاقوں کی تلاش میں نکل پڑے۔

۱۰۔ البرٹ آئن سٹائن (۱۸۷۹ء۔ ۱۹۵۵ء)

بیسویں صدی کا ایک عظیم سائنسدان اور نابغہ روزگار شخصیت کا مالک تھا۔ انہیں نیوٹن کے بعد اس لیے رکھا گیا ہے کہ زمانہ جدید کی ٹیکنالوجی کی بنیاد نیوٹن کے نظریات پر رکھی گئی ہے۔ آئن سٹائن نظریہ اضافیت کا موجد ہے جس نے جدید علم طبعیات کی تحقیق میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ (جون ۱۹۸۹)

Marfat.com

اسلامی مساوات اور کراچی کے مسائل کا اسلامی حل

کراچی ہمارے ملک کا سب سے بڑا شہر اور عظیم صنعتی اور تجارتی مرکز ہے ملکی صنعت کا زیادہ ارتکاز اسی شہر میں ہے جس کی وجہ سے ملک کے مختلف حصوں سے لوگ روزگار کی تلاش میں آکر یہاں بس گئے ہیں اسی بنا پر کراچی کو چھوٹا پاکستان بھی کہا جاسکتا ہے لیکن کراچی میں حالیہ واقعات ایسے غیر انسانی اور ظالمانہ تھے کہ جن کی وجہ سے ساری قوم پریشان ہوگئی ہے قومیتوں کے فساد کی وجہ سے ملک کو اربوں روپے کا صنعتی نقصان برداشت کرنا پڑا ہے اور اب پاکستان کے اس سب سے بڑے شہر میں رہنے والے لوگوں کی اکثریت اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتی ہے اس صورت حالات سے صرف اہل کراچی ہی کو نقصان نہیں ہوا بلکہ ساری قوم کے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے۔

یہ پریشان کن صورت حالات اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے دراصل اس صورت حالات کے پیدا کرنے میں بہت سے عوامل کا ہاتھ ہے لیکن افسوس ہے کہ ان عوامل کا صرف سطحی جائزہ لے کر مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے سیاستدانوں کا کہنا ہے کہ یہ سیاسی مسئلہ ہے اس بارے میں وہ ایک سیاسی پارٹی پر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے یہ صورت حالات

Marfat.com

صوبے کے وزیر اعلیٰ کو استعفے دینے پر مجبور کرنے کے لئے پیدا کی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ وزیر اعلیٰ نے کراچی کارپوریشن کو برخاست کرکے ان کی سیاسی طاقت کو زک پہنچائی ہے بہت سے دوسرے سیاسی لیڈروں نے بھی اس کو دہرایا ہے۔ سینیٹر پیر صاحب پگارہ جو ہمارے ملک کے عظیم سیاستدان ہیں نے بھی یہ الزام لگایا ہے کہ کراچی کی گڑبڑ ایک سیاسی جماعت کی مسلم لیگ کے خلاف سازش کا نتیجہ ہے۔

تاہم صوبے کے وزیر اعلیٰ نے اصل حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ کراچی کے فسادات کا اصل وجوہ معاشی ہیں اور بعض سیاست دانوں نے ان معاشی وجوہ کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت کیلئے مشکلات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ صورت حالات کا اگر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو وزیر اعلیٰ صاحب کا تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے۔ ان معاشی وجوہ کی بھی اپنی تاریخ ہے۔ پاکستان ایک اسلامی ریاست کے طور پر قائم ہوا تھا۔ اور اس کے قیام کے وقت یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ یہ ریاست ہر قسم کے استحصال سے پاک ہوگی ریاست کے بانیوں نے اعلان کیا تھا کہ نئی ریاست' سماجی انصاف' انسانی آزادی اور اسلام کے مساوات کے اصولوں پر قائم ہوگی۔ لیکن بد قسمتی سے پاکستان کی پچھلی چالیس سالہ تاریخ میں ان مقاصد کو حاصل نہیں کیا جاسکا۔ اس کی بجائے معاشرے کے مختلف طبقات میں معاشی فرق اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ جس کے نتیجے میں ان طبقات کے دلوں میں ایک دوسرے سے بغض اور نفرت پیدا ہوگئی ہے بڑے شہروں میں یہ معاشی تفاوت اور زیادہ گہرا ہے ایک طرف تو امراء کے اونچے اونچے محل نما مکانات ہیں جبکہ دوسری طرف غریب لوگ فٹ پاتھوں پر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اس معاشی فرق کی وجہ سے غریب طبقے کے دلوں میں لاوا پکتا رہتا ہے جو کبھی کبھی فسادات کی شکل میں پھوٹ پڑتا ہے۔

ہمارے ملک میں علامہ اقبال پہلے اسلامی مفکر تھے جنہوں نے اس مسئلہ پر غور و فکر کیا۔ اس بارے میں جب انہیں ایسی مؤثر اسلامی تعلیمات کا علم ہوا کہ جن کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کیا جاسکتا ہے تو وہ بڑے خوش ہوئے اور اسے یورپ

Marfat.com

کے سامنے ایک نادر فکر کے طور پر پیش کیا۔ اس مقصد کے لئے اسلام نے دو حل تجویز کئے ہیں ایک یہ کہ ملک میں اسلام کے مساوات کے اصولوں پر معاشرہ قائم کیا جائے جس میں کم از کم ہر فرد معاشرہ کو سر چھپانے کی جگہ میسر ہو اور اس کی دوسری ضروریات بھی آسانی سے پوری ہو سکتی ہوں دوسری یہ کہ بڑے شہروں کی آبادی پر حد لگائی جائے۔ جس سے زیادہ آبادی کو وہاں بڑھنے نہ دیا جائے۔

علامہ اقبال نے اپنی شاعری کا ایک معتدبہ حصہ اسلامی مساوات کے مطابق اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لئے مخصوص فرمایا جہاں تک بڑے شہروں کی آبادی محدود کرنے کا تعلق ہے اس کے بارے میں ان کے ایک دیرینہ دوست فقیر سید وحید الدین فرماتے ہیں کہ علامہ نے اس مسئلہ پر بہت سے یورپی مفکروں سے گفتگو کی تھی آپ نے جب اٹلی کے حکمران مسولینی کے سامنے یہ خیال پیش کیا تو وہ اسے سراہتے ہوئے اچھل پڑا۔ علامہ اقبال نے اسے بتایا تھا کہ یورپ کے بڑے شہروں کی آبادی بے ہنگم طریقے سے بڑھ رہی ہے' اسے روکنا چاہیے اور ہر شخص کے لئے آبادی کی ایک حد مقرر کرنی چاہیے مسولینی نے اس خیال کو پسند کیا اور اس کے مفید یا غیر مفید ہونے کی وجوہات دریافت کیں۔ علامہ اقبال نے اسے بتایا کہ بڑے شہروں میں آبادی کے اضافے کے ساتھ ان شہروں میں تہذیبی طاقتیں کمزور پڑ جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ بری اور شر پسند طاقتیں ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔ آپ نے بتایا کہ یہ ان کا ذاتی خیال نہیں بلکہ یہ نظریہ پیغمبر اسلام کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ آپ ؐ نے مدینہ منورہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کو تشویش کی نظر سے دیکھتے ہوئے فرمایا کہ جب آبادی فلاں حدود تک پہنچ جائے تو پھر مزید آبادی کے لئے نئے شہر بسائے جائیں (روزگار فقیر حصہ اول ۴۲)

پاکستان واحد ملک نہیں جسے بڑے شہروں میں بڑھتی ہوئی آبادی کا یہ مسئلہ درپیش ہے دوسرے ممالک کو بھی کم و بیش ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اور دلچسپی کی بات تو یہ ہے کہ وہ جس طریقے سے اس مسئلہ کو حل کر رہے ہیں۔ وہ

Marfat.com

اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ ان طریقوں میں سے ایک روسی سائنسدان مسٹرولی۔ آرولیم کا نظریہ بڑی شہرت اختیار کر چکا ہے۔ اس کے ذریعے بہت سے ملکوں میں گاؤں کی آبادیوں کو شہروں کی طرف منتقلی ہونے سے روکنے کے لئے ایسی موثر سکیمیں عمل میں لائی گئی ہیں کہ الٹا بڑے شہروں سے لوگ' گاؤں کی طرف منتقل ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ گاؤں کے لوگ بے روزگار سے تنگ آکر ہی تو شہروں کا رخ کرتے ہیں اور جب انہیں اپنے گاؤں یا اس کے قریب ہی روزگار مل جائے تو اسے شہروں کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے۔

اس نظریے کے مطابق زرعی زمین کے ایک ہی قطعے کو ایک ہی وقت میں زرعی پیداوار' جنگلات اور ڈیری فارم کے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ فارمی جنگلات میں درختوں کے نیچے کروڑوں ٹن گھاس پیدا ہوتا ہے۔ جو ہمارے ملک میں ضائع چلا جاتا ہے لیکن مسٹرولیم نے ان جنگلات کے ساتھ ڈیری فارم منسلک کر اس گھاس کو جانوروں کی خوراک کے طور پر استعمال کیا۔ جانوروں کے گوبر کو قدرتی کھاد کے لئے استعمال کیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد ہمارے ملک میں اس نظریے کے مطابق پنجاب کے علاقہ تھل میں ایک سکیم پر عمل کیا گیا اور اس کے مثبت نتائج نکلے۔ یہاں تک کہ حکومت نے یہ فیصلہ بھی کرلیا کہ لاہور کا جانوروں کا ہسپتال اور کچھ دوسرے اداروں کو علاقہ تھل میں منتقل کر دیا جائے اس سکیم پر عمل کرنے کے لیے تین محکموں یعنی زراعت جنگلات اور انیمل ہسبنڈری کا اوغام لازم تھا۔ ان محکموں کے افسروں نے بوجوہ اس اوغام کی سخت مخالفت کی۔ انہیں ڈر تھا کہ انہیں لاہور چھوڑ کر تھل کے علاقے میں رہنا ہوگا۔ اس لئے انہوں نے یہ سکیم کامیاب نہ ہونے دی۔

اس سکیم کو ترک کر دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دفعہ پھر دیہات کی آبادی نے شہروں کا رخ کیا اور ان کی آبادی دن بدن بڑھنے لگی۔ کراچی کے حالیہ واقعات اس بڑھتی ہوئی آبادی کی محرومیوں کا نتیجہ ہیں۔ بڑے شہروں میں آبادی کا ایک کثیر

Marfat.com

حصہ ضروری سہولتوں سے محروم ہے جب کہ ایک اقلیت محل نما مکانوں میں رہتی ہے۔ یہ تفاوت معاشرے میں مختلف مسائل پیدا کرتا ہے کراچی کے حالیہ واقعات ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ کیوں کہ خطرہ ہے کہ دوسرے بڑے شہروں کو بھی جلد یا بدیر اس قسم کے واقعات سے دو چار ہونا پڑے گا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اس مسئلہ کا جو حل پیش کرتا ہے۔ اسے فوراً اپنایا جائے۔ یعنی ایک تو اسلامی مساوات پر مبنی معاشرہ قائم کیا جائے اور دوسرے بڑے شہروں کو آبادی کو محدود کیا جائے۔ ہمارا پڑوسی ملک اسی اصول پر عمل کرکے اس پریشان کن مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہمیں بھی اس بارے میں مزید دیر نہیں کرنی چاہیے۔ (اکتوبر ۱۹۸۷)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلامی عدالتی نظام کے لئے اسلامی معاشرے کی تشکیل

متحدہ شریعت محاذ کی درخواست پر ۱۴ نومبر ۱۹۸۶ء کو ملک بھر میں یوم شریعت بل منایا گیا۔ یہ محاذ تین دینی جماعتی یعنی جمعیت علمائے اسلام جماعت اسلامی اور جمعیت اہل حدیث پر مشتمل ہے۔ دوسری دینی جماعتوں مثلاً جمعیت علمائے پاکستان اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ نے اس کارروائی میں کوئی حصہ نہ لیا بلکہ جمعیت علمائے اسلام اور جمعیت اہل حدیث کے بعض سرکردہ علماء جو اپنے آپ کو ان جماعتوں کا حقیقی نمائندہ بتاتے تھے' نے اس بل کی سخت مخالفت کی۔

عوام کو شریعت بل سے متعارف کرانے کیلئے کچھ بڑے شہروں میں بعض انجمنوں کی جانب سے مجالس مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا۔ ان مذکوروں میں بل کے حامیوں اور مخالفوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا لیکن عجیب بات ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی۔ اس مقصد کے لئے اسلامی معاشرے کے تشکیل کی بات تک نہ کی۔ حالانکہ شریعت بل کے نفاذ کے لئے اسلامی معاشرے کی تشکیل ایک ابتدائی ضرورت ہے۔

ہمارے علماء قیام پاکستان سے ہی ملک میں' اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن اس سلسلے میں انھوں نے مختلف اوقات میں جو مطالبات پیش کئے

Marfat.com

ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسلامی معاشرے کی تشکیل کے بارے میں کبھی سوچا تک نہیں مثلاً کبھی تو یہ مطالبہ کیا گیا کہ اسلامیات کی تعلیم کو ہمارے نصاب تعلیم کا اہم جزو بنایا جائے۔ کبھی شرعی حدود کے نفاذ کو اس مقصد کے لئے کافی سمجھا گیا۔ اور یہ دعوے کیا گیا کہ ان کے نفاذ سے ہمارا معاشرہ اسلامی بن جائے گا۔ کچھ سادہ لوح لوگوں نے انگریزی لباس کی بجائے شلوار قمیض پہننے کو اسلامی معاشرے کی تشکیل قرار دیا۔

حکومت نے یہ سارے مطالبات مان لئے تھے اسلامیات کو پرائمری جماعتوں کے نصاب سے لیکر یونیورسٹی تک نصاب کا ایک اہم حصہ بنا دیا گیا۔ شرعی حدود نافذ کر دی گئیں اور انگریزی لباس کی بجائے شلوار قمیض پر مشتمل قومی لباس اپنا لیا گیا لیکن اس کے باوجود ہمارے معاشرے سے جرائم کم ہونے کی بجائے ان میں اضافہ ہونے لگا۔ مساجد میں نمازیوں کی تعداد پہلے سے بھی کم ہو گئی رشوت میں اضافے کو تو سرکاری سطح پر بھی تسلیم کیا گیا۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں' لوگوں کا ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے جن کے خیال کے مطابق اسلامی نظام موجودہ زمانے کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتا اور چودہ سو سالہ پرانے قوانین کو نافذ کر کے' معاشرے کو پیچھے کی طرف دھکیلنے کے مترادف ہے ہمارے علماء کی جانب سے ایسے لوگوں کی وقتاً فوقتاً مذمت کی جاتی رہی ہے لیکن اسلامی نظام کے سلسلے میں مذکورہ بالا اقدامات سے متوقع نتائج برآمد نہ ہونے کو انھوں نے اپنے غلط نقطہ نظر کی تائید میں پیش کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہمارے علماء کو اس صورت حال پر غور کرنا چاہیے اور ناکامی کے اصل اسباب معلوم کرنے چاہئیں یوم شریعت پر علماء نے اپنی تقریروں میں بار بار' اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہاں کے مسلمانوں کی اکثریت اس ضابطے کو ملک میں نافذ کرانا چاہتی ہے۔

اگر ہمارے علماء اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں پچھلے نو سال میں اٹھائے گئے

Marfat.com

اقدامات کا غور سے مطالعہ کرتے تو ان پر اصل حقیقت آشکار ہو جاتی۔ مثلاً اس سلسلے میں سب سے بڑا اقدام شرعی حدود کا نفاذ تھا لیکن اس قانون کا تعلق معاشرے کے ایک محدود گروہ یعنی مجرموں سے تھا۔ اگر اس کے مثبت و نتائج بھی نکلتے تو بھی عامتہ الناس کو اس سے کوئی خاص فائدہ نہ پہنچتا۔ عوام کو تو معاشی اور سیاسی عوامل ہی متاثر کرتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی معاشرے کی تشکیل' سیاسی اور معاشی بنیادوں پر ہی ہوتی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اپنے اس دعوے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کو بار بار دہرانے کے باوجود ہمارے علماء نے ابھی تک عوام کے سامنے اسلام کے معاشی اور سیاسی نظام کا کوئی خاکہ تک پیش نہیں کیا۔

دراصل ان دونوں معاملات پر علماء کے درمیان سخت اختلاف ہے۔ اس لیے وہ اس بارے میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے بغیر اسلامی معاشرے کی تشکیل ہی ممکن نہیں اسلامی تعلیمات کا بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ کام کرنے کے قابل' ہر آدمی محنت کر کے اپنی روزی کمائے اور جو لوگ محنت سے کمانے کی بجائے۔ دوسروں کی محنت کا استحصال کرتے ہیں' اسلام انہیں اپنا دشمن قرار دیتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں سود کے احکامات کے نازل ہونے کے بعد' غیر حاضر زمینداری کے نظام کو جو اس وقت استحصال کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ خلاف اسلام قرار دے کر اس کے حرام ہونے کا اعلان کر دیا تھا اور اس بارے میں یہاں تک فرما دیا کہ جو اس کو چھوڑنے پر تیار نہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنے پر تیار ہو جائے۔ (سنن ابو داؤد)

لیکن ہمارے علماء نے قیام پاکستان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانب سے اس حرام کردہ معاملے کو جائز قرار دے دیا یہی نہیں بلکہ اسے اسلامی ثابت کرنے کے لیے اس کی تائید میں مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ خیال رہے کہ اسلام کے مالیاتی نظام کی بنیاد ہی' غیر حاضر زمینداری نظام کے خاتمے پر ہے کاشتکاروں سے جو حصہ پیداوار غیر حاضر زمیندار ہتھیار کر لے جاتے ہیں۔ دراصل وہ اسلامی

Marfat.com

ریاست کا مالیہ ہوتا ہے۔ اتفاق سے ۱۹۷۷ء میں اس سلسلے میں ہمارے علماء کو ایک عجیب صورت حالات کا سامنا کرنا پڑا تو اس وقت انہیں غیر حاضر زمینداری کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کا احساس ہو۔

ان علماء نے حکومت وقت کے خلاف قومی اتحاد کے نام سے ۱۹۷۷ء میں ایک اتحاد قائم کیا تھا۔ جس میں پاکستان کی تمام دینی جماعتوں کے علماء شامل تھے۔ ملک کی سیاسی صورت حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد' قومی اتحاد نے یہ محسوس کیا کہ ملک میں سیاسی افراتفری کی ذمہ داری بڑے بڑے غیر حاضر زمینداروں کی ذاتی مفاد کی کارروائیاں ہیں۔ چنانچہ اس صورت حالات نے انہیں مجبور کیا کہ اس بارے میں وہ اپنے سابقہ غلط فتویٰ سے رجوع کریں چنانچہ تمام دینی جماعتوں کے علماء نے متفقہ طور پر یہ اعلان کیا کہ شریعت اسلامی میں غیر حاضر زمینداری کا کوئی تصور نہیں اور یہ کہ قومی اتحاد' انتخابات میں کامیابی کے بعد اس غیر اسلامی معاملے کو ختم کر دے گا۔ قومی اتحاد نے اپنا یہ اعلان اپنے منشور کے صفحہ ۱۶ پر بھی درج کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرے سے غیر حاضر زمینداری کے نظام کے خاتمے کے بعد ہی اس کی اسلامی خطوط پر تشکیل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس وقت یہی لوگ ہماری سیاست پر چھائے ہوئے ہیں اور اپنی بے حد و حساب دولت جو انہوں نے بغیر محنت کے حاصل کی ہوتی ہے' کی مدد سے یہ قانون ساز اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں ظاہر ہے وہ کسی بھی صورت میں ایسے کسی قانون کو پاس نہیں ہونے دیں گے جس سے غیر حاضر زمینداری نظام کا خاتمہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی تک نہ تو اسلام کے سیاسی نظام کے نفاذ کی طرف سے کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی اور نہ ہی اسلام کے معاشی نظام کی کوئی قابل عمل صورت پیش کی جا سکی۔

امید کی جاتی ہے کہ شریعت بل کے علمبردار علماء ان تفصیلات پر غور فرمائیں گے اور اپنے آپ کو شریعت بل پاس کرانے کے مطالبے تک محدود کرنے کی بجائے وہ اسلامی معاشرے کی تشکیل کے سلسلے میں بھی تگ و دو کریں گے۔ اوپر دی گئی

Marfat.com

تفصیلات سے یہ حقیقت واضح کی جاچکی ہے کہ صرف شریعت بل کے پاس ہو جانے سے ہمارا معاشرہ اسلامی نہیں بن جائے گا۔ بلکہ اسلام کے سیاسی اور معاشی اصولوں کے مطابق اس کی تشکیل جدید کی ضرورت ہے۔ اس امر کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے سیاسی اور معاشی نظام کا متفقہ خاکہ' عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس خاکے کے مطابق اسلام معاشرے کی تشکیل کے بعد ہی یہ ممکن ہوسکے گا کہ شریعت بل کے نفاذ سے متوقع نتائج حاصل کیے جاسکیں۔ (مرقومہ نومبر۱۹۸۶ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلام کے عدالتی نظام کی روح

وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس گل محمد خان نے حال ہی میں شراب نوشی کے ایک مقدمے کے سلسلے میں ایک اہم فیصلہ دیا ہے' جو مروجہ عدالتی کارروائی سے کسی قدر مختلف ہے اس کی تفصیلات ۷ جولائی ۱۹۸۵ء کے قومی اخبارات میں شائع ہوئی ہیں کراچی کے ایک انگریزی اخبار میں یہ تفصیلات مکمل چھپی تھیں۔ اس لئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا جائزہ لینے سے پہلے اس اخبار سے یہ تفصیلات نقل کی جاتی ہیں---------- اس مقدمے کا ملزم مؤرخہ ۲ فروری ۸۲ کو شراب نوشی کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ مجسٹریٹ درجہ اول نے حدود آرڈیننس کے آرٹیکل ۱۱ کے تحت ۳۱ دسمبر ۱۹۸۲ء کو ملزم کو دو سال قید سخت اور دس کوڑوں کی سزا سنائی۔ ملزم نے مجسٹریٹ کے اس فیصلے کے خلاف ایڈیشنل سیشن جج کی عدالت میں اپیل دائر کی جو خارج کر دی گئی اس کے بعد اس نے وفاقی شرعی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

اپیل کنندہ کے خلاف الزام یہ تھا کہ اس نے شراب پی کر کھلے عام غل غپاڑہ کیا۔ تاہم اس کے خلاف یہ ثابت نہ ہوسکا کہ اس نشے کی حالت کے دوران اس نے کسی کو زخمی کیا ہو' کسی کی جائیداد کو نقصان پہنچایا ہو۔ وہ ضمانت پر رہا تھا اور وفاقی

Marfat.com

شرعی عدالت میں حاضر ہو کر' اس نے اس برائی سے آئندہ کے لیے اپنے تائب ہونے کا اعلان کیا' عدالت نے اس کے جرم اور دوسرے متعلقہ حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ مجرم کو فوری سزا دینے کی بجائے' اصلاح کا موقع دیا جائے اور اس مقصد کے لئے اسے لاہور کے ایک نگران افسر کی نگرانی میں ایک سال کے لئے سونپ دیا۔ اس عرصے کے دوران اس کے لئے لازمی ہو گا کہ وہ اچھے چال چلن کا مظاہرہ کرے اور نشہ آور چیزوں سے دور رہے' وہ مقررہ افسر کو اپنے اچھے چال چلن کا ثبوت مہیا کرنے کے لئے ہر ماہ اس کی خدمت میں حاضر ہو گا اور وہ افسر ایک سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اس شخص کے چال چلن کی بابت عدالت کو رپورٹ کرے گا۔ عدالت نے مزید حکم دیا کہ یہ مقدمہ ایک سال کے بعد پھر پیش کیا جائے اور اگر ملزم نے اس دوران اچھے چال چلن کا ثبوت نہ دیا تو پھر اس کے خلاف شرعی احکام کے مطابق مناسب کارروائی کی جائے گی۔

یہ فیصلہ اسلام کے عدالتی نظام کی روح کے عین مطابق ہے لیکن اس اسلامی روح کو سمجھنے کے لئے لازمی ہے کہ جرائم کی سزا کے بارے مختلف انسانی معاشروں میں کیا طرز عمل اختیار کیا جاتا ہے ہر معاشرے میں دعویٰ تو یہی کیا جاتا ہے کہ مجرموں کو سزائیں اس لئے دی جاتی ہیں کہ ایک تو معاشرہ ان کے کئے ہوئے جرائم کے مفاسد سے پاک کیا جائے اور دوسرے مجرموں کی اصلاح کی جائے۔ لیکن قارئین جانتے ہیں کہ اس سزا کے لئے عام طور پر جو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں' ان میں انتقام کی جھلک صاف طور پر نظر آتی ہے اور حکام مجرموں کو سزا دے کر اپنے جذبہ انتقام کو تسکین دیتے ہیں اس سلسلے میں کا "ڈرائنگ روم" والا طریقہ عالمی شہرت اختیار کر چکا ہے۔

انتقامی سزا کے اصول پر آج سے ہزاروں سال پہلے رومن ایمپائر میں عمل ہوتا تھا اور مجرموں کو سزا کم بلکہ عملاً ان سے انتقام لیا جاتا تھا۔ یورپ میں کئی صدیوں تک اسی اصول پر سختی سے عمل ہوتا رہا ہے۔ موجودہ دور میں اس طریقے کو خلاف

Marfat.com

انسانیت سمجھتے ہوئے اس میں کچھ نرمی ضرور اختیار کی گئی ہے۔ لیکن اسے بالکل ترک نہیں کیا گیا اور جہاں ایشیا میں ان اہل مغرب کی حکومت رہی ہے وہاں تو یہ طریقہ اپنی پوری سختیوں کے ساتھ اب بھی مروج ہے' اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مجرم میں بھی جذبہ انتقام پرورش پانا شروع ہو جاتا ہے اور وہ دوبارہ جرائم کا مرتکب ہوتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ پکا مجرم بن جاتا ہے اور اس کی اصلاح کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اس حقیقت سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ معاشرے سے جرائم کے خاتمے کے لئے مجرموں کو سخت سزا دینے کی ضرورت ہے اور اسلام نے بھی اس مقصد کے لئے سخت سزائیں مقرر کی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ ان سزاؤں کی بارے میں فرماتے ہیں۔ بعض جرائم کے ارتکاب پر شریعت اسلامیہ نے شرعی حدیں مقرر کی ہیں۔ یہ جرائم ایسے ہیں کہ ان کے ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلتا ہے۔ نظام تمدن میں خلل پیدا ہوتا ہے اور مسلم معاشرے کی طمانیت اور سکون قلب رخصت ہو جاتا ہے' دوسری بات یہ ہے کہ وہ جرائم کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ دو چار بار' ان کا ارتکاب کرنے سے ان کی بری عادت پڑ جاتی ہے اور پھر ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے جرائم سے باز رکھنے کے لئے محض آخرت کے عذاب کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا' بلکہ ضروری ہے کہ ان ارتکاب پر ایسی عبرت ناک سزا مقرر کی جائے کہ اس کا مرتکب ساری عمر معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور دوسرے افراد کے لئے باعث عبرت بن جائے۔ اس کے انجام کو دیکھ کر بہت کم لوگ اس قسم کے جرائم کرنے کی جرات کریں۔ اس کی ایک واضح مثال جرم زنا ہے' زنا کا محرک' نفسی خواہش کا غلبہ ہے عورتوں کے حسن و جمال سے اس جذبے کو تقویت ملتی ہے' اور یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے عورت کے اہل خاندان کو سخت رسوائی اٹھانی پڑتی ہے اور اس کی وجہ سے کشت و خون ہوتا ہے' چونکہ اکثر یہ فعل فریقین کی رضامندی سے ہوتا ہے اور وہ بھی چوری چھپے۔ اس

Marfat.com

لئے اگر اس کی سزا عبرت ناک نہ رکھی جاتی تو اس برائی کے پھیل جانے میں ذرا بھی دیر نہ لگتی۔ (حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۱۵۸)

اسلام نے مختلف جرائم کی سزائیں بلاشبہ سخت مقرر کی ہیں اور ان کا مقصد وہی ہے جو اوپر شاہ صاحب نے بیان فرمایا ہے' لیکن اسلام میں ان سزاؤں کی بنیاد محبت اور شفقت پر ہے اور رومن قانون کی طرح انتقام پر نہیں' یہ ایسی سزائیں ہیں جیسی کہ باپ اپنے غلط کار بیٹے کی اصلاح کے لئے اسے دیتا ہے یا بعض اوقات ایک شفیق استاد اپنے شاگرد کی تادیب کے لیے ایسا کرتا ہے۔ ان سزاؤں کے ذریعے مجرموں کی اصلاح کی جاتی ہے اور معاشرے سے بدی کے اثرات کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' اس بارے میں قرآن مجید احادیث نبویؐ اور اسلامی فقہ سے کافی رہنمائی ملتی ہے' اس بارے میں ارشاد ربانی ہے:

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا ہے اور (اس کے لئے) صدقات بھی قبول فرماتا ہے اور اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا ہے اور اے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ عمل کرو تمہارے اعمال کو اللہ' اس کا رسولؐ اور مومن جانچیں گے اور تم اسی ظاہر و باطن کو جاننے والے اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمہارے اعمال سے تمہیں مطلع کرے گا۔" (سورہ التوبہ آیات ۱۰۴' ۱۰۵) (جولائی ۱۹۸۵)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

دوسرا حصہ

اسلامی عدالتی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد

Marfat.com

Marfat.com

اسلامی عدالتی نظام کے نفاذ میں رکاوٹیں

متحدہ شریعت محاذ کے سیکرٹری اطلاعات جناب زاہد الراشدی صاحب کی جانب سے ۱۱ نومبر ۸۶ء کے اخبارات میں ایک بیان چھپا ہے۔ جس میں انھوں نے ملک کے دانشور طبقہ سے اپیل کی ہے کہ وہ شریعت بل کے نفاذ کے لئے جدوجہد میں شریک ہوں اور اگر مفروضات کی بجائے حقائق اور عملی ضروریات کے شریعت بل کی کسی دفعہ پر انھیں نظرثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو انھیں اس کی نشاندہی کرنی چاہیے' متحدہ شریعت محاذ نے نہ تو اس سے قبل ضروری ترمیم کو وقار اور انا کا مسئلہ بنایا ہے اور نہ ہی آئندہ اسے کسی مفید تجویز یا ترمیم کو قبول کرنے میں کسی قسم کا تامل ہوگا۔

اپنے اسی بیان میں انہوں نے یہ دعوے بھی کیا ہے کہ ہمارا سارا معاشرہ مذہب کی صداقت پہ یقین رکھتے ہوئے اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات سمجھتا ہے پورے مسلم معاشرے سے اہل مذہب کو الگ حیثیت سے پیش کرنا اگر محض اتفاقی بات نہیں ہے تو یہ ملک کی غالب اکثریت کے ساتھ سنگین زیادتی ہے جو اسلام کو مکمل ضابطہ حیات سمجھتے ہوئے اس کے زندگی کے ہر شعبے میں عملی نفاذ کے خواہاں ہیں۔

Marfat.com

ہمارے ہاں یہ دعوے تو قیام پاکستان کے وقت سے کیا جارہا ہے کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہاں کے مسلمان' زندگی کے ہر شعبے میں اس کے عملی نفاذ کے خواہاں ہیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ عوام تو کجا' خود ہمارے علماء حضرات کو اس مکمل ضابطہ حیات کی تفصیلات کا علم نہیں۔ اور اسی لاعلمی کی وجہ سے وہ حال ہی میں ایک ایسے اقدام کی تائید کر چکے ہیں۔ جو شریعت بل کے نفاذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ اقدام آئین میں نویں ترمیم کے ذریعے' اسلام کے سب سے اہم اور متفقہ معاملے کو ہمیشہ کے لئے پس پست ڈالنا ہے۔

اس ترمیم کے ذریعے دو اہم معاملات' جنہیں پہلے قانونی تحفظ حاصل تھا اور وہ وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار سے باہر تھے۔ انھیں عدالت کے دائر کار کے تحت لانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ دو معاملات' عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء اور دوسرا سرمایہ داری نظام کا مالیاتی ڈھانچہ ہے جو ہمارے ملک پر مسلط ہے۔ ان معاملات کے سلسلے میں اس ترمیم میں کچھ ایسا طرز عمل اختیار کیا گیا ہے کہ جس کے نتیجے میں' عائلی قوانین کو تو مزید کوئی تحفظ نہیں دیا گیا جبکہ اس کے مقابلے میں سرمایہ دارانہ مالیاتی نظام کہ جس کی بنیاد ہی سود پر ہے اور جو قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق اللہ اور رسول کے خلاف جنگ کے مترادف ہے' اسے کچھ مزید تحفظ دیا گیا ہے اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ شریعت بل کے بعض علمبرداروں کی جانب سے اس ترمیم کو سراہا گیا ہے۔

سرمایہ داری نظام کو مزید تحفظ دینے کیلئے ترمیم کی دفعہ (۹۳) کے ذیل میں یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ اگر وفاقی شرعی عدالت' کسی مالیاتی معاملے کو اسلامی امور کے ماہرین کے مشورے سے اسلامی احکامات کے خلاف قرار دے دئے تو اس سلسلے میں' متبادل انتظام کے لئے مناسب تجاویز دے اور اس خلاف اسلام قانون کو تبدیل کرنے کی مناسب مہلت بھی دے۔ پھر ذیل دفعہ (۳ب) کے مطابق مالیاتی امور سے متعلق خلاف اسلام قرار دیئے گئے قوانین بھی اس وقت تک نافذ العمل رہیں گے کہ جب

Marfat.com

تک قانون ساز اسمبلیاں اس بارے میں نئے قوانین نہیں بنالیتیں خیال رہے کہ اسلام کے مالیاتی نظام کی بنیاد غیر حاضر زمینداری نظام کے مکمل خاتمے پر استوار ہوتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سے ہماری قانون ساز اسمبلیوں کے زیادہ تر اراکین اسی طبقے سے منتخب ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں یہ لوگ کبھی بھی ایسے نظام کی حمایت نہیں کرینگے کہ جس سے غیر حاضر زمینداری کا نظام ملک عزیز سے ختم ہو جائے' اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہاں اسلام کا مالیاتی نظام کبھی بھی نافذ نہ ہو سکے گا۔

آج دنیا کے مختلف سیاسی نظاموں پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کی اصل پہچان' ان کے مالیاتی نظام ہیں مثلاً سرمایہ داری نظام اپنے بے حد و حساب ملکیت کے نظریئے اور سوشلزم ملکیت کی تحدید اور عوام کو بنیادی ضروریات مہیا کرنے کے نظریئے کی بنا پر مشہور ہیں۔ اسلام کا مالیاتی نظام ان دونوں نظاموں سے بنیادی طور پر مختلف ہے کیونکہ اس میں کسی دنیاوی ٹیکس کی گنجائش نہیں۔ علامہ عبدالوہاب الشعرانی نے تمام فقہائے اسلام کا اس امر پر اجماع نقل کیا ہے کہ اسلام کے مالیاتی نظام میں کوئی دنیاوی ٹیکس نہیں لگایا جاسکتا۔ (المیزان الکبریٰ جلد دوم ۲)

ہمارے علماء پچھلے چالیس سال سے اسلام کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کا دعوے کر رہے ہیں' لیکن اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود وہ ابھی تک اس کا کوئی نامکمل سا خاکہ بھی عامتہ الناس کے سامنے پیش نہیں کرسکے بلکہ اس کی تفصیلات سے عدم واقفیت کی بنا پر وقتاً فوقتاً اس کی مخالفت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ اسلام کا مالیاتی نظام ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر امت مسلمہ کے تمام فقہی مذاہب کا مکمل اتفاق ہے لیکن اتفاقی مسئلہ کو پس پشت ڈال کر' ہم اختلافی بحثوں میں الجھ گئے ہیں اور اس طرح قرآن مجید کے اس سنہری اصول کی مخالفت کر رہے ہیں جس میں فرزندان توحید کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اگر ان میں بعض مسائل میں اختلاف ہو تو پھر ایسے مسائل کو پہلے اپناؤ جن پر تمہارا کامل اتفاق ہو۔ ارشاد ہے

Marfat.com

(ترجمہ) اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو آپ کے اور ہمارے درمیان متفقہ ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ اسلام کے مالیاتی نظام کی بنیاد غیر حاضر زمینداری کے خاتمے پر ہے۔ اس نظام کے مطابق زمین اصل کاشت کار کے پاس ہی رہتی ہے اور وہ اس کا ایک حصہ پیداوار اسلامی ریاست کے حوالے کرتا ہے جس سے اسلامی ریاست کے اخراجات پورے ہوتے تھے لیکن آج کل وہ پیداوار کا یہ حصہ ان غیر حاضر زمینداروں کے حوالے کر دیتا ہے جن کا اسلامی تعلیمات میں تو کوئی وجود نہیں انگریز بنگال کے ۱۷۹۳ء کے بندوبست دوامی کے ذریعے انہیں وجود میں لایا حیرت کی بات ہے کہ ۱۹۷۷ء کی قومی اتحاد کی تحریک کے موقع پر علماء کی تمام جماعتوں نے یہ متفقہ اعلان کیا تھا کہ اسلام میں غیر حاضر زمینداری کی کوئی گنجائش نہیں اور اسے قومی اتحاد کے منشور کے صفحہ ۱۶ پر درج بھی کر دیا گیا اور اس کے ساتھ یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ قومی اتحاد برسراقتدار آنے کے بعد غیر حاضر زمینداری کے نظام کو ختم کرکے زمین اسی کاشت کار کے پاس رہنے دے گا جو اس میں عملاً کاشت کرتا ہوگا قومی اتحاد کا یہ منشور تمام قومی اخبارات میں چھپا تھا اور اس وقت کسی عالم دین نے اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا جسے اسلامی اصطلاح میں اجماع کہتے ہیں۔
لیکن آج یہ تمام دینی جماعتیں اپنے اس دعوے کو بھول چکی ہیں اور ایک دفعہ پھر غیر حاضر زمینداری نظام کی حمایت کر رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ اسلام کے مالیاتی نظام کے نفاذ کی عملاً مخالفت کر رہے ہیں یعنی ایک طرف وہ شریعت بل کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ کو خود اپنے عمل سے مزید پختہ کر رہے ہیں اور دوسری طرف ملک کے دانشور طبقے سے اس کے نفاذ میں مدد کی اپیل کر رہے ہیں امید ہے متحدہ شریعت محاذ کے سیکرٹری اطلاعات صاحب اس بارے میں وضاحت کریں گے کیونکہ وہ قومی اتحاد کے بھی ایک سرگرم رکن تھے۔ (نومبر ۱۹۸۶)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلامی قانون کے نفاذ کیلئے واضح طرز عمل اختیار کرنے کی ضرورت

ان دنوں شریعت بل کے سلسلے میں ملک عزیز میں خوب گہما گہمی ہے اس بل کے علمبردار اور اس کے مخالف اپنی اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے علیحدہ علیحدہ جلسے منعقد کر رہے ہیں۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو شریعت بل کے علمبردار علماء کے متحدہ شریعت محاذ نے لاہور میں کل پاکستان علماء اور مشائخ کنونشن کا انتظام کیا اس کنونشن میں شریعت بل کے حق میں بڑی زور دار تقریریں کی گئیں اور کنونشن میں شریک علماء اور مشائخ کی جانب سے یہ دو ٹوک اعلان کیا گیا کہ یا تو حکومت کو شریعت بل منظور کرنا ہوگا یا کرسی چھوڑنا پڑیگی۔ کنونشن میں ملک بھر میں شریعت بل کی حمایت میں تحریک چلانے کا فیصلہ کیا گیا اور یہ بھی اعلان کیا گیا کہ اس مقصد کے لئے قومی اسمبلی کا گھیراؤ بھی کیا جائے گا۔

اس کنونشن کی تفصیلات کے ساتھ ہی اسی تاریخ کے قومی اخبارات (۲۷۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء) میں اس بل کے ایک مخالف کنونشن کی کارروائی بھی شائع ہوئی ہے۔ یہ کنونشن جماعت اہل سنت کی طرف سے منعقد کیا گیا تھا اور اس کے مرکزی اجلاس

Marfat.com

میں متفقہ طور پر پرائیویٹ شریعت بل کو مسترد کر دیا گیا اور یہ اعلان کیا گیا ہے کہ یہ شریعت بل ایک ڈھونگ ہے۔

پاکستان میں بسنے والے ہر مسلمان کی یہ دلی خواہش ہے کہ اس ملک میں شریعت اسلامی کا نظام نافذ ہو لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس سلسلے میں سب سے بڑی روکاوٹ شریعت اسلامی کے بارے میں ہمارے علماء کا عجیب و غریب طرز عمل ہے جس کی ایک جھلک اوپر بھی دکھائی گئی ہے۔ خود شریعت بل کے علمبرداروں کا طرز عمل اس سے بھی عجیب تر ہے اور اب تک وہ شریعت بل کے تین مسودے بدل چکے ہیں۔ اس کا پہلا مسودہ تیرہ جولائی ۱۹۸۵ء کو پاکستان کی مجلس' شوریٰ کے ایوان بالا میں پیش کیا گیا اور اس کے بارے میں یہ دعوے کیا گیا کہ وہ اسلام کی خالص اور مستند تعلیمات پر مشتمل ہے لیکن چودہ ماہ بعد خود شریعت بل کے مجوزین نے اس میں ترمیمات کے ذریعے اس کی شکل بگاڑ دی اور ابتدائی سادہ بل کو سترہ دفعات پر مشتمل ایک بھاری بھرکم بل بناکر عوام کے سامنے پیش کر دیا اور اس کے بارے میں بھی یہ دعویٰ کیا گیا کہ یہ خالص اسلامی تعلیمات پر مبنی ہے اور اسلامیان پاکستان کی دلی آواز ہے لیکن اس ماہ اس میں ایک دفعہ پھر ترمیمات کے ذریعے اس کی شکل بدل دی گئی ہے اور اس کے اسلامی ہونے کے بارے میں وہی دعویٰ کیا گیا۔ جو پہلے دو بلوں کی بابت کیا گیا تھا۔

شریعت بل میں ان بار بار کی ترمیمات سے عوام تو کجا اچھے بھلے اہل علم پریشان ہوگئے ہیں۔ چنانچہ انجمن طلبہ مدارس عربیہ کے اراکین نے اس بارے میں وضاحت حاصل کرنے کے لئے حالیہ کنونشن کے پنڈال کے باہر ایک منظم مظاہرہ کیا اور انہوں نے کنونشن کے اراکین سے چند سوالوں کے ذریعے شریعت بل کے ابہامات کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے۔ جس کے بارے میں انہوں نے مندرجہ ذیل اعلامیہ اشاعت کے لئے اخبارات کو ارسال کیا جو ان الفاظ میں شائع کیا گیا۔

Marfat.com

انجمن طلبہ مدارس عربیہ پاکستان نے ایک اعلامیہ میں کہا ہے کہ جامعہ نعمیہ میں منعقد ہونے والے کل پاکستان نفاذ شریعت کنونشن کے دوران اکابرین کنونشن نے ان کے سوالوں کا جواب دینے کی بجائے راہ فرار اختیار کی۔ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ انجمن کے چند ارکان نے تحریری طور پر چند سوالات کئے۔ مگر کسی بھی مقرر نے شریعت بل کے بارے میں کوئی وضاحت نہ کی شریعت بل میں موجود ابہامات کو دور کرنے کے لئے سوالات کا جواب دینے کے لئے اکابرین نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا مگر جوابات دینے سے قاصر رہے اعلامیہ میں کہا گیا کہ یہ لوگ اپنے مؤقف میں درست نہیں ہیں اور قوم کے ساتھ اسلام کے نام پر دھوکا کر رہے ہیں۔

اخبارات میں غالباً مصلحتاً ان سوالات کا ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ان میں سے ایک سوال ایسا ہے کہ جس کے بارے میں بار بار شریعت بل کے علمبرداروں سے استفسار کیا گیا ہے اور انہوں نے ہمیشہ اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے اس سوال کا تعلق قومی اتحاد کے ایک اہم فیصلے سے ہے اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ ۱۹۷۷ء میں انہی علماء نے ملک میں نظام مصطفےٰ کے عملی نفاذ کے لئے قومی اتحاد قائم کیا تھا۔ جس میں جماعت کے علماء شامل تھے ان علماء نے اس وقت قوم کو ایک منشور دیا جس میں دوسرے دعووں کے ساتھ ساتھ ایک اعلان یہ بھی کیا گیا تھا کہ زمین کو بٹائی پر دینے کا معاملہ جسے اصطلاح میں غیر حاضر زمینداری نظام کہتے ہیں' شریعت اسلامی کے خلاف ہے اور قومی اتحاد برسراقتدار آکر اس غیر اسلامی نظام کو ختم کر کے زمین اسی کاشت کار کے پاس رہنے دے گا جو اس میں عملاً کاشت کریگا۔ غیر حاضر زمینداری نظام کو ختم کرنے کے بارے میں قومی اتحاد کا یہ اعلان اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔ کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو سودی لین دین کا معاملہ قرار دیا تھا اور مسلمانوں کو اس معاملے سے منع کر دیا تھا۔ بعد میں چاروں فقہی مذاہب کے بانی ائمہ جن میں حنفی مذہب کے بانی حضرت امام ابو حنیفہ بھی شامل تھے' اسے حرام ہی قرار دیا' اس لئے عامتہ الناس نے قومی اتحاد کے اس

Marfat.com

اعلان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔

خود قومی اتحاد کے نزدیک اس کے اس فیصلے کی جو اہمیت تھی۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے ہل' کو اپنا انتخابی نشان قرار دے دیا' جو قومی اتحاد کی تحریک میں شامل ہونے والوں کے لئے ایک یاددہانی تھی کہ زمین اسی کی ہوگی جو اس میں ہل چلائے گا۔ قومی اتحاد کا یہ منشور تمام قومی اخبارات میں چھپا تھا' اور کسی عالم دین نے اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مسئلہ پر اجماع امت تھا اور یہ اس انتخابی نشان کے طفیل تھا کہ قومی اتحاد کے لیڈر جہاں بھی جاتے تھے' تو علاقے کے کسان اپنے کندھوں پر ہل اٹھائے ہوئے ان کے استقبال کے لئے موجود ہوتے تھے۔

قومی اتحاد کی تحریک کی کامیابی کے بعد' اس میں شامل دینی جماعتیں شامل اقتدار ہوگئیں۔ لیکن ان دینی جماعتوں نے اپنے مذکورہ بالا اعلان پر عمل کرنا تو کجا' کبھی اس کی طرف بھول کر بھی اشارہ تک نہ کیا۔ کچھ عرصے بعد ان کو حکومت سے چھٹی ہوگئی تو انہوں نے اپنے پرانے اعلان کو بھلا کر دوبارہ غیر حاضر زمینداری نظام کو خالص اسلامی قرار دے دیا۔ قومی اتحاد کی تحریک کی کامیابی کے لئے بہت سے مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ اس لئے وہ یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ جس معاملے کو ہمارے علماء و مشائخ نے ۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد کے منشور میں' شریعت اسلامی کے نام سے پیش کیا تھا اقتدار حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اس پر عمل کیوں نہ کیا۔ عمل کرنا تو کجا انہوں نے ۱۹۷۷ء کے بعد شریعت اسلامی کے اس حکم کا کہ جس پر ان سب کا کامل اتفاق تھا' نام تک لینا بھی گوارا نہ کیا۔

عامتہ الناس میں شریعت بل کو مقبول بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے ذہن میں ابھرنے والے اس اہم سوال کا انہیں تسلی بخش جواب دیا جائے اس جواب کے نہ ملنے کی وجہ سے وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ نو سال پہلے جب ایک شرعی مسئلہ پر تمام فرقوں کے علماء متفق تھے اور اسے نافذ کرانے کے لئے عوام نے اپنی

Marfat.com

جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ لیکن اقتدار ملنے کے بعد ان علماء نے خود اپنے متفقہ فیصلے پر عمل نہ کیا' تو شریعت بل کے بارے میں ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ جس کے بارے میں تمام فرقوں کے علماء کا متفق ہونا تو کجا' بعض فرقوں کی جانب سے اس کی سخت مخالفت کی جارہی اور جیسا کہ ابتدائی سطور میں نقل کیا جاچکا ہے وہ اسے اسلام کے خلاف ایک ڈھونگ قرار دیتے ہیں۔

امید ہے کہ شریعت بل کے علمبردار اس اہم مسئلہ پر غورو فکر کرنے کے بعد اس بارے میں عوام میں پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ شریعت بل کو مقبول عوام بنانے کے لئے اس اقدام کی سخت ضرورت ہے۔ (نومبر ۱۹۸۶ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلامی نظام کے نام پر جمہوریت کے خاتمے کی جدوجہد مناسب نہیں

ان دنوں جمعیت علمائے اسلام درخواستی گروپ سے تعلق رکھنے والے ایک عالم دین اسلامی نظام کے قیام کے لئے تعاون حاصل کرنے کے لئے پنجاب کے مختلف شہروں کا دورہ کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ دو نکات پر زور دے رہے ہیں ایک یہ کہ جمہوریت کے ہوتے ہوئے، اس ملک میں اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ اہل پاکستان نے ایک عورت کو اپنا حکمران بنا کر اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں نکات کے ذریعے وہ ملک میں گیارہ سال کے بعد قائم ہونے والی جمہوری حکومت کی مخالفت کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود اس حکومت کے زیر کنٹرول ٹیلی ویژن ان کے اس دورے کی خبریں ٹیلی کاسٹ کر رہا ہے 21 دسمبر 89ء کے خبرنامے میں ان کے فیصل آباد کے جلسے کی تو پوری تفصیلات و ٹیلی ویژن پر دکھائی گئی ہیں۔

جہاں تک جمہوریت کے خلاف حملے کا تعلق ہے تو بہت سے اخبارات نے اپنی انیس اکتوبر کی اشاعتوں میں نوٹس لیا ہے کہ جناب مولانا صاحب اس دین کے

Marfat.com

بارے میں یہ دعوے کر رہے ہیں کہ جس نے دنیا کو سب سے پہلے جمہوریت کا درس دیا تھا۔ بعض حضرات نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر مولانا صاحب جو خیر سے پاکستان سینٹ کے رکن بھی ہیں۔ دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ جمہوریت خلاف اسلام ہے تو انہیں سینٹ کی رکنیت سے استعفاء دے کر اس طریقے کے مطابق جدوجہد کرنی چاہیے جس سے ان کے مطابق اسلامی نظام نافذ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ قرآن مجید نے تو رسول اللہ ؐ کو بھی جمہوری طرز عمل اختیار فرمانے کے لئے کہا اور آپ ؐ نے اس پر عمل کر کے، امت مسلمہ کے لئے ایک بہترین نمونہ بھی چھوڑا تھا۔ امور مملکت کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ مسلمان اپنے حکومتی معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔ (سورہ الشوریٰ۔ 42) حکومت کے معاملات کو اس باہمی مشورے سے طے کرنے ہی کو جمہوریت کہتے ہیں۔ رسول اللہ ؐ نے اللہ تعالیٰ کا نبی ہونے کے باوجود کئی مواقع پر اکثریت کی رائے کو اختیار کیا۔ جنگ احد کے موقع پر آپ ؐ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں قلعہ بند ہو کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے لیکن نوجوان صحابہ کی اکثریت نے اس بات پر زور دیا کہ وہ شہر سے باہر نکل کر دشمن سے لڑیں گے۔ اگر چہ بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ رسول اللہ ؐ کی رائے صائب تھی اور آپ ؐ اگر چاہتے تو اپنی رائے پر اصرار کر سکتے تھے۔ لیکن آپ ؐ نے تو امت مسلمہ کو جمہوریت کا عملی سبق دینا تھا اس لئے اس کے لئے آپ ؐ نے وقتی طور پر نقصان بھی برداشت کر لیا۔

مولوی صاحب کا دوسرا نکتہ عورت کی حکمرانی کو خلاف اسلامی قرار دینا ہے انیس دسمبر 89ء کو جڑانوالہ میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ عورت کو حکمران بنا کر اہل پاکستان نے اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا ہے۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ قرآن و سنت میں مرد کی حکمرانی کو کہاں اللہ تعالیٰ کے شعائر میں شمار کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں تو حکمرانی کے بارے میں سورہ الشوریٰ میں یہ صرف ایک

Marfat.com

اصول بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے معاملات آپس میں مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ یہاں مرد یا عورت کی حکمرانی کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ اس بارے میں یہ حضرات ایک جھوٹی حدیث کا سہارا لیتے ہیں کہ جو قوم عورت کو حکمران بنائے گی وہ فلاح نہیں پاسکتی اس حدیث کے سب کے سب راوی ائمہ حدیث کے نزدیک غیر ثقہ ہیں دوسرے راویوں کو تو جانے دیجیے اس حدیث کے صحابی راوی' حضرت ابوبکرہ کی چھوٹے چھوٹے معاملات میں گواہی بھی تسلیم نہیں کی جاتی تھی' چہ جائیکہ ان کی روایت کردہ حدیث نبوی کو تسلیم کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ کے زمانے میں انہوں نے ایک مقتدر صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ پر زناکاری کا جھوٹا الزام لگایا تھا الزام ثابت نہ کرسکے تو حضرت عمر رضی اللہ نے ان پر اسی کوڑوں کی شرعی حد نافذ کردی (تہذیب التہذیب از علامہ ابن حجر عقلانی جلد دہم ص ۴۶۹) قرآن مجید کی سورہ النور کی چوتھی آیت میں ایسے گناہ کے مرتکب لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان کی گواہی کبھی تسلیم نہ کی جائے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ چھوٹے چھوٹے دنیاوی معاملات مین ان کی گواہی قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔

ہمارے علماء حضرات اگر ائمہ حدیث کی تحقیق پڑھنا گوارا نہیں کرسکتے تھے تو وہ صحیح بخاری کی اسی باب یعنی کتاب الفتن میں حضرت ابوبکرہ کی ایک دوسری روایت پر نظر ڈال لیتے تو انہیں ان کی حقیقت معلوم ہو جاتی۔ اس حدیث کے مطابق وہ جنگ جمل میں شریک ہونے والے ہزاروں صحابہ کرام کو جن میں عشرہ مبشرہ کے لوگ بھی شامل تھے جہنمی قرار دیتا ہے کوئی مسلمان ان کی اس روایت کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ (بخاری کتاب الفتن جلد سوم ص ۷۲۹ حامد ابتداء کو ایڈیشن)

مولانا صاحب نے جمہوریت ختم کرکے کس طریقے سے ملک میں اسلامی نظام نافذ کیا جاسکتا ہے' اس کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ جمہوریت کے مقابل میں ڈکٹیٹر شپ کا نظام ہے اور اس کی بدترین شکل مارشل لاء کی ہوتی ہے۔ عام ڈکٹیٹر کسی نہ کسی

Marfat.com

قانون کا چاہے وہ غلط ہو ضرور سہارا لیتا ہے۔ جبکہ مارشل لاء حکام کے منہ سے نکلا ہوا لفظ قانون سمجھا جاتا ہے۔ شاید مولانا صاحب اسی مارشل لاء نظام کو دوبارہ' ملک پر مسلط کرنا چاہتے ہیں جمہوریت کی بحالی سے پہلے یہ مارشل لاء نظام ملک پر مسلط رہا ہے۔

علماء حضرات نے اسے خلاف اسلام قرار دینے کی بجائے اسلامی ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی ان ہی کی جماعت کے ایک عالم دین نے مارشل لاء کو اسلامی ثابت کرنے کے لئے یہاں تک فرمایا تھا کہ اسلام میں سب سے پہلا مارشل لاء حضرت ابوبکر نے لگایا تھا۔ مارشل لاء کی حمایت میں فتویٰ جاری کرنے والے علماء کی معلومات کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں کی سرے سے کوئی باقاعدہ فوج ہی موجود نہ تھی۔ ضرورت پڑنے پر مسلمان اکٹھے ہوکر دشمن کے خلاف جہاد کرتے تھے۔ اگر جناب مولانا صاحب کو اپنی جماعت کے اس عالم دین کی رائے سے اختلاف ہوتا تو وہ ضرور اس کے خلاف بیان دیتے لیکن کسی عالم دین نے ایسا نہ کیا اور اس طرح انہوں نے عملاً ثابت کیا کہ مارشل لاء خالص اسلامی نظام ہے اب جوان حضرات نے جمہوریت کے خلاف تحریک چلائی ہے اور اسے خلاف اسلام قرار دیا ہے تو ذہن میں گیارہ سالہ مارشل لاء کا دور سامنے آگیا جسے یہ اسلامی قرار دیتے تھے اور اب جو ملک میں جمہوری حکومت قائم ہوئی ہے' یہ حضرات اسے ختم کرکے ملک میں دوبارہ مارشل لاء کے نفاذ کے خواہش مند ہیں۔

جمہوریت کے خلاف علماء حضرات کی موجودہ تحریک سے بعض اہل علم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لوگ اس طرح جمہوری حکومت کو بلیک میل کرکے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں جنرل ضیاء الحق نے بھی تو ان حضرات کی بلیک میلنگ سے بچنے کے لئے ان کے ساتھ خسروانہ سلوک کیا تھا۔ جس کی بناء پر یہ اس کے اسلامی نظام علمبردار ہونے کے نعرے لگانے لگ گئے تھے۔ بلکہ جن معاملات کو وہ پہلی حکومتوں کے دور میں غیر اسلامی قرار دیتے تھے انہیں جنرل ضیاء الحق کے دور

Marfat.com

میں اسلامی تسلیم کرلیا گیا ہمارا اشارہ پاکستان میں عائلی قوانین اور خاندانی منصوبہ بندی کی سکیموں سے ہے علماء حضرات شروع دن سے ان دونوں کی مخالفت کر رہے ہیں یہ دونوں معاملات جنرل ضیاء الحق صاحب کے دور میں بھی موجود تھے لیکن ان حضرات نے ان کے خلاف ایک لفظ تک منہ سے نہ نکالا۔ حالانکہ اگر یہ جنرل ضیاء صاحب پر زور دیتے تو وہ ان دونوں معاملات کو قانوناً ختم کرسکتا تھا لیکن نہ ہمارے علماء نے اس بارے میں کوئی مطالبہ کیا اور نہ ہی جنرل ضیاء الحق صاحب نے ایسا کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں معاملات میں ان کی مخالفت کا مقصد سیاسی مفادات حاصل کرنا تھا۔ اب جمہوریت اور عورت کی حکمرانی کی مخالفت کرکے بھی یہ لوگ اسی قسم کے ناجائز فائدے حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے اسلام کو محض ایک نعرے کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ اس لئے تو خود اسلامی جمہوری اتحاد کے ترجمان اخبارات بھی مولوی صاحب جو اس اتحاد کے نائب صدر ہیں کے جمہوریت کے خلاف بیانات کا نوٹس لینے پر مجبور ہوگئے۔ (جنوری ۱۹۹۱)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے جدوجہد

جمعیت العلمائے اسلام درخواستی گروپ کے ایک سیاسی مذہبی لیڈر ان دنوں اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں پنجاب کے مختلف علاقوں کا دورہ کر رہے ہیں اور وہ لوگوں سے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے مدد کی درخواست کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں دو نکات پر زور دے رہے ہیں ایک یہ کہ اہل پاکستان نے ایک عورت کو اپنا حکمران بناکر' اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا ہے وہ یہ کہ جمہوریت اسلام کے خلاف ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں نکات کے ذریعے وہ ملک میں گیارہ سال کے بعد قائم ہونے والی جمہوری حکومت کی مخالفت کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود پاکستان ٹیلی ویژن' ان کے اس دورے کی تفصیلات نشر کر رہا ہے۔ مثلاً ۲۱ دسمبر ۸۹ء کے خبرنامہ میں ان کے فیصل آباد کے جلسے کی اچھی خاصی ٹیلی کاسٹ کی گئی ہیں۔ جمہوریت کو خلاف اسلام قرار دینے کے بارے میں روزنامہ امروز میں ان کے خیالات کا نوٹس لیا جاچکا ہے اور ان مضامین کو اب کتابی صورت میں بھی شائع کر دیا گیا ہے۔ جناب سمیع الحق صاحب نے عورت کی حکمرانی کو شعائر اسلام سے مذاق قرار دیا ہے تو ہمیں دکھ ہوا کہ ان صاحب کو نہ صرف یہ کہ عورت کی حکمرانی کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا علم نہیں' بلکہ شعائر اسلام کے مفہوم سے بھی نابلد ہیں۔ قرآن و حدیث میں کہیں بھی

Marfat.com

مرد کی حکمرانی کو شعائر اسلام میں سے شمار نہیں کیا گیا۔ یہ حضرات حکومت کی مخالفت میں اس حد تک چلے گئے ہیں کہ خود شعائر اسلام کے مفہوم کی من مانی تفسیر کر کے' ان کی توہین کر رہے ہیں۔

ہمارے علماء حضرات' اسلامی نظام کے لیے خود کچھ کرنے کی بجائے صرف نعروں یا حکومت سے مطالبات پر اکتفا کئے ہوئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اسلامی نظام کی لاج رکھنے کے لیے حرام کی آمدنی سے بھی دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ انہیں جناب سمیع الحق صاحب کا ایک دینی ماہنامہ الحق' کے نام سے شائع ہوتا ہے جس میں سگریٹ نوشی کی ترغیب کے لیے سگریٹ کمپنیوں کے اشتہارات لگاتار شائع ہوتے رہتے ہیں۔ سگریٹ نوشی چونکہ حرام ہے اور جب اس کا ظہور اسلامی دنیا میں ہوا تو اسلامی ممالک کے علماء نے اسے حرام قرار دیا تھا۔ راقم نے ان علماء کے فتاویٰ کو ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کروا دیا تھا' دوسرے دینی رسالوں کے علاوہ راقم نے یہ پمفلٹ ماہنامہ' الحق ' کے ایڈیٹر صاحب کو ارسال کیا تھا کہ وہ ان فتاویٰ کو اپنے رسالے میں شائع بھی کر دیں اور سگریٹ کمپنیوں کے اشتہارات سے بھی اپنے آپ کو بچائیں کہ ایک حرام معاملے کی تشہیر سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ بھی حرام ہوتی ہے اس پمفلٹ کے ساتھ راقم نے انہیں عورت کی حکمرانی کے بارے میں اپنی کتاب منصب حکومت اور مسلمان عورت کا اشتہار بھی ارسال کیا۔ ویسے یہ اشتہار تمام اخبارات میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ راقم نے انہیں بتایا کہ جس حدیث کے حوالے سے مولوی حضرات عورت کی حکمرانی کو ناجائز قرار دے رہے ہیں وہ خود علمائے حدیث کے نزدیک جھوٹی ہے کیونکہ اس کے تمام کے تمام راوی' آئمہ حدیث کے نزدیک غیر معتبر ہیں۔ ان سے درخواست کی گئی تھی کہ اگر وہ عورت کی حکمرانی کے بارے میں اسلام کا صحیح نقطہ' نظر معلوم کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔

معلوم نہیں انہوں نے میری کتاب کا مطالعہ کیا یا نہیں لیکن تمباکو نوشی کے

Marfat.com

بارے میں ارسال کردہ فتاویٰ کے بارے میں انہوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ نہ تو انہوں نے سگریٹ نوشی کے حرام ہونے کے بارے میں اپنے سلف صالحین کے فتاویٰ شائع کئے اور نہ ہی سگریٹ نوشی کی ترغیب دلانے والے اشتہارات کی اشاعت روکی۔ جو حضرات تھوڑے سے مالی فائدے کے لیے اور وہ مالی فائدہ بھی حرام آمدنی پر مشتمل ہے' کو چھوڑنے پر تیار نہیں وہ اسلامی نظام کے قیام کے دعوے کس منہ سے کرتے ہیں:۔

اصل میں یہ حضرات قیام پاکستان سے لے کر اب تک اسلام کے بارے میں عجیب طرز عمل اختیار کئے ہوئے ہیں۔ جس کا ثبوت' مختلف شرعی مسائل کے بارے میں ان کے متضاد طرز عمل سے ملتا ہے' صدر ایوب کے زمانے میں ملک میں عائلی قوانین نافذ ہوئے تو ان حضرات نے شور مچانا شروع کیا کہ یہ قوانین شریعت اسلامی کے خلاف ہیں۔ عجیب بات تو یہ تھی کہ جب یہی قوانین ۱۹۲۹ء میں مصر میں نافذ ہوئے تھے تو برصغیر کے تمام علماء نے ان کی تعریف کی تھی لیکن صدر ایوب کے دور میں علماء حضرات نے ان قوانین کے خلاف اور خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف بھرپور تحریک چلائے رکھی لیکن ان کے بعد کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس تحریک میں بھی مخلص نہیں تھے بلکہ صرف سیاسی فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے۔

تفصیلی اس اجمال کو یہ ہے کہ یہی عائلی قوانین جنرل ضیاء الحق کے دور میں بھی نافذ رہے ہیں اور خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام پر تو صدر ایوب کے دور سے بھی زیادہ تیزی سے عمل ہونے لگا' بلکہ اس مقصد کے لیے اسلامی جمہوری اتحاد کی ایک لیڈر عورت کو خاندانی منصوبہ بندی کا وزیر بنا دیا گیا۔ عوام حیران تھے کہ صدر ایوب کے زمانے میں علماء حضرات کی ہر تقریر کا موضوع عائلی قوانین اور خاندانی منصوبہ بندی ہوتے تھے۔ اب یہ اچانک خاموش کیسے ہوگئے بعد میں جب بنکوں سے زکوٰۃ کے نام پر سود کی رقم اکٹھی کرکے مولوی حضرات کی جیبوں میں

Marfat.com

انی جانے لگی تو عوام کی اس بارے میں حیرت ختم ہوگئی۔ ان کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عائلی قوانین اور خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف جو تحریک چلائی تھی اس میں وہ مخلص نہیں تھے۔ ان معاملات کو وہ اپنی سیاست کے چمکانے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔

انہی مولانا سمیع الحق صاحب نے ۲۰ دسمبر ۸۹ء کو فیصل آباد میں وکلاء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وکلاء اور علماء کو مل کر اسلامی نظام کے لیے جدوجہد کرنا ہوگی انگریز اور اس کے ایجنٹوں نے جان بوجھ کر ان دو ذہین طبقوں کو ایک دوسرے سے دور رکھا اور اب وقت آگیا ہے کہ دونوں طبقوں کی غلط فہمیاں دور ہوں۔ وکلاء حضرات کو انگریزوں نے علماء سے دور نہیں رکھا تھا بلکہ خود علماء حضرات ان وکلاء کو انگریزوں کا ایجنٹ قرار دے کر عوام میں ان کے خلاف نفرت پھیلاتے تھے۔ عام وکلاء کو تو جانے دیجیے' ہماری قوم کے وہ مایہ ناز وکلاء جو ملک کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں بھی یہ حضرات انگریز کا ایجنٹ قرار دیتے تھے بلکہ خود پاکستان کو بھی ایک انگریزی سازش قرار دیتے تھے۔ یہاں تک کہ قیام پاکستان کے تیس سال بعد بھی ان کے لیڈر مفتی محمود صاحب نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ وہ پاکستان کے قیام کی سازش میں شریک نہیں تھے۔ **نعوذ باللہ من ذالک**
یہ حضرات متحدہ قومیت کے قائل تھے' اس کی تائید میں کتابیں لکھیں اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے زیر اثر زندگی گزارنے کی تلقین فرماتے تھے۔ مختصر یہ کہ وکلاء حضرات کے خلاف یہ زہر فشانی خود فرماتے تھے اور اب اسے انگریز اور اس کے ایجنٹوں کے ذمے لگا رہے ہیں۔ ان کے نزدیک ایجنٹوں سے وہی وکیل مراد ہیں جنہوں نے قیام پاکستان کے لئے جدوجہد کی۔۔۔۔۔۔۔ مولوی صاحب نے وکلاء کے ساتھ ساتھ علماء کو بھی ذہین طبقہ قرار دیا ہے۔ یہ بھی ان کا ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ اگر ان میں ذہانت ہوتی تو پھر یہ کبھی قیام پاکستان کی مخالفت نہ کرتے۔ اور اگر یہ حضرات ملک میں اسلامی نظام کے بارے میں مخلص ہوتے تو پھر اس کے

Marfat.com

لئے صرف نعروں اور حکومت سے مطالبات تک اپنے آپ کو محدود نہ کرتے بلکہ موجودہ معاشرے کو اسلامی بنانے کے لئے جدوجہد کرتے' لیکن جو حضرات اپنے مالی فائدے کے لئے' سگریٹ نوشی کی ترغیب دینے والے اشتہارات کی حرام آمدنی سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں' وہ اس ملک میں اسلامی نظام کے لئے کیا قربانی دے سکتے ہیں۔

پاکستان قومی اتحاد کے قیام کے وقت ان کے لیڈر مفتی محمود صاحب نے اعلان کیا تھا کہ غیر حاضر زمینداری نظام حرام ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس اعلان کو قومی اتحاد کے منشور کے ایک حصے کے طور پر پیش کیا لیکن ان کی وفات کے بعد ان کی جماعت کے کسی مولوی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ ان کے اعلان کردہ فیصلے مطابق غیر حاضر زمینداری کے خلاف تحریک چلاتے' غیر حاضر زمینداری کو خود رسول اللہ صلعم نے سودی معاملہ قرار دیا تھا۔ ان کے لیڈر نے بھی حضور کے اسی ارشاد کے حوالے سے اسے حرام قرار دیتے تھے لیکن اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے اپنے مالی مفادات کیلئے اس سودی معاملے کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس طرح اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا راستہ روکتے ہیں اور پھر دعوے کرتے ہیں کہ وہ اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ (دسمبر۱۹۸۹ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

عام عدالتیں تو اپنے فیصلوں پر عمل کروالیتی ہیں اور اگر کوئی عمل نہ کرے تو اسے توہین عدالت کے جرم میں دھرلیا جاتا ہے لیکن شرعی عدالت کے فیصلوں پر عمل نہ کیا جائے تو ایسی کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ مثلاً وفاقی شرعی عدالت نے چار پانچ سال پہلے گھوڑ دوڑ کے کاروبار کو غیر اسلامی اور حرام قرار دیا تھا لیکن اس کے باوجود کسی نے اس کاروبار کو بند نہ کیا بلکہ یہ دن بدن ترقی پذیر ہے ۲۴ اپریل ۱۹۸۹ء کے اخبارات میں ایک سروے شائع ہوا ہے جس کے مطابق ملک عزیز میں گھوڑ دوڑ پر ہر ماہ چالیس کروڑ روپے کا جواء کھیلا جاتا ہے حیرت کی بات ہے کہ وفاقی شرعی عدالت اس کاروبار کو ناجائز اور حرام قرار دے چکی ہے لیکن یہ کاروبار پوری شان سے جاری ہے سنا ہے کہ علماء حضرات نے گھوڑ دوڑ پر جوئے کو شرعاً جائز قرار دینے کے فتوے دے دیئے ہیں اس لئے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے پر عمل نہیں ہو رہا۔ معلوم نہیں کہ کون سے اسلام کے تحت ان علماء حضرات نے جوئے کے فتوے دیئے ہیں لیکن اس حرام کاروبار پر ان کی خاموشی سے یہی تاثر ملتا ہے کہ وہ اسے جائز سمجھتے ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت کو اپنا اسلامی تشخص قائم کرنے کے لئے اس بارے میں کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ہوگا تاکہ عوام کو یہ یقین ہوسکے کہ وہ جو فیصلہ دیتی ہے۔ اس پر عمل بھی کراسکتی ہے۔

راقم کے خیال کے مطابق ہمارے ملک کی تمام عدالت ہائے عالیہ کے کام کی نوعیت ایک جیسی ہے۔ یہ سب عدالتیں اسلامی معاملات کے بارے میں مقدمات کی سماعت کرتی رہتی ہیں تو اس صورت میں ان میں سے ایک عدالت کو شرعی عدالت کا نام دینا اور باقی کو پرانے نام سے باقی رکھنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کی وجہ سے غلط کار قسم کے لوگوں کو یہ موقع مل جاتا ہے کہ وہ ان عدالتوں کے اسلامی قانون کے مطابق فیصلوں میں بھی کیڑے نکالیں جیسا کہ جمہوریت کے قیام کے سلسلے میں ان عدالتوں کے فیصلوں کے بارے میں غلط پراپیگنڈہ کیا جارہا ہے۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ ملک کی تمام عدالتوں کو ایک ہی نام سے پکارا جائے۔

Marfat.com

جب عدالتیں مقدمات کے فیصلے ایک ہی اصول کے تحت کرتی ہیں تو ان میں شرعی اور غیر شرعی کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے بلکہ اس تفریق سے خوامخواہ عدالت ہائے عالیہ کے اسلامی تشخص کو مجروح کیا جارہا ہے اس غلط طرز عمل کو ختم کرنے کیلئے فوری اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے۔ (جولائی ۱۹۸۸ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

شرعی عدالت کا دائرہ کار

صدر پاکستان نے حال ہی میں جن دستوری ترمیمات کا اعلان کیا ہے ملک عزیز میں ان پر گرما گرم بحث شروع ہو چکی ہے ہمارے ریٹائرڈ جج صاحبان نے قوم کی رہنمائی کے لئے ان دستوری ترمیمات کی وضاحت میں جو دل چسپی لی ہے وہ قابل قدر ہے کچھ جج صاحبان نے تو ان ترمیموں پر طرح طرح کے اعتراض اٹھائے ہیں۔ جب کہ بعض نے ملک کی دستوری تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے ان کا دفاع کیا ہے۔ بحث کی اس گرم جوشی میں ان حضرات نے ایک اہم ترمیم کی طرح پوری طرح دھیان نہیں دیا۔ حالانکہ یہ ترمیم اپنی اہمیت کے لحاظ سے خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ کیونکہ نہ صرف یہ کہ معاشرے کو اسلامی بنانے کی طرف یہ ایک اہم قدم ہے بلکہ اس کی روشنی میں وہ تمام بنیادی حقوق بھی بحال ہو جائیں گے جو اسلام نے انسانوں کو عطا کئے ہیں۔ یہ ترمیم قرارداد مقاصد کو آئین کا اہم حصہ بنانے سے تعلق رکھتی ہے۔

قومی اخبارات کے ایڈیٹروں کے پینل، جس نے آئینی ترامیم پر عملدرآمد کے سلسلے میں صدر کے خیالات معلوم کرنے کے لئے ان کا انٹرویو لیا تھا، نے ان سے یہ اہم سوال کیا تھا کہ آئین میں جو بنیادی حقوق اہل پاکستان کو دیئے گئے ہیں کیا ان کے

Marfat.com

بارے میں عدالت سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ صدر صاحب نے اس سوال کا جواب دیا جو خود ان کے الفاظ میں کچھ یوں ہے۔

اب جب کہ قرار داد مقاصد کو آئین کا حصہ بنا دیا گیا ہے جو اس قرار داد میں جن حقوق کی ضمانت دی گئی ہے ان کے بارے میں عدالت سے رجوع کیا جاسکتا ہے عام انسانی حقوق کی ضمانت آئین کے پہلے حصہ میں دی گئی ہے اور ان کے ساتھ اہل پاکستان کو وہ اسلامی حقوق بھی حاصل ہوں گے جن کی قرار داد مقاصد میں تشریح کی گئی ہے ان دونوں قسم کے بنیادی حقوق کے بارے میں عدالتوں سے رجوع کیا جاسکے گا۔ مختصر یہ کہ وہ آزادیاں اور حقوق دنیاوی انسانی حقوق سے بھی متمع ہو سکیں گے۔ (روزنامہ پاکستان ٹائمز مورخہ ۵ مارچ صفحہ نمبر ۷)

بنیادی اسلامی حقوق کے بارے میں صدر پاکستان کی یہ وضاحت بڑی قابل غور ہے لیکن جس غور کی یہ مستحق تھی اس طرف مناسب دھیان نہیں دیا گیا۔ ممکن ہے کہ جو لوگ آئینی ترمیمات کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں وہ ان کی مخالفت میں مخلص ہوں ان کی مخالفت کی اور بھی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایسی صورتحال کا تقاضا ہے کہ اس بارے میں اختلاف رکھنے والے اپنے اختلافات کا فیصلہ قرآن حکیم اور سنت رسول ؐ کی روشنی میں کریں۔ اس بارے میں قرآن حکیم میں بڑی واضح ہدایات موجود ہیں جو اپنے ماننے والوں سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے اختلافات کا فیصلہ مندرجہ ذیل طریقے سے کریں۔

اے ایمان والو' اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور جو تم میں سے صاحب اختیار ہوں ان کی تابعداری کرو اور اگر کسی معاملہ کے بارے میں تم میں اختلاف ہو جائے تو اس کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یہ طریقہ اچھا ہے اور مقصد حاصل کرنے کے لئے مفید ہے (سورہ النساء آیت ۵۹)

اس آیت مبارکہ میں نظام مملکت چلانے کے بارے میں راہنمائی کے اہم

Marfat.com

قوانین کی وضاحت کی گئی ہے کہ ان میں پہلا مرحلہ احکام الٰہی کی اور سنت رسول کی اطاعت ہے دوسرے مرحلے میں ریاست کے حکمرانوں کی اطاعت ہے۔ لیکن اگر ان حکمرانوں کے ساتھ کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو اس اختلاف کو ختم کرنے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے قرآن وحدیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس قرآنی حکیم کی ایک سے زیادہ مرتبہ تشریح فرمائی ہے آپ نے فرمایا کہ مسلمان حکمرانوں کی بات سننا اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے بشرطیکہ وہ کوئی خلاف اسلام حکم نہ دیں۔ لیکن اگر وہ کوئی خلاف اسلام حکم سنوانا چاہیں تو کسی مسلمان کو نہ تو ان کی ایسی بات سننی چاہیے۔ اور یہی اس پر عمل کرنا چاہیے۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد بارہ جلد دوم صفحہ ۱۳ احامد اینڈ کمپنی ایڈیشن) ایسی ہی ایک حدیث صحیح بخاری کی کتاب الاحکام جلد سوم صفحہ ۷۴۳ میں بھی بیان کی گئی ہے۔

ان اسلامی تعلیمات کے مطابق اگر کسی موقع پر دینی معاملات کے بارے میں حکمرانوں اور رعیت کے درمیان کسی معاملے کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو قاضی (اسلامی جج) سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس بارے میں اپنا فیصلہ دے۔ یہ ادارہ ہمارے پاس پہلے ہی شریعت عدالت کی شکل میں موجود ہے۔ اس وقت اس عدالت کا دائرہ کار کچھ محدود ہے اور وہ کچھ مسائل مثلاً سود اور عائلی قوانین کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار نہیں کر سکتی۔ یہ پابندی اس کے آزادی سے کام کرنے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ اب جب کہ قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنا دیا گیا ہے تو اس میں جن اسلامی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے ان کے بارے میں عدالت سے رجوع کیا جا سکتا ہے تو یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ شریعت کورٹ کے دائرہ کار پر جو پابندیاں ہیں انہیں فی الفور ختم کر دیا جائے اسے اس امر کی مکمل آزادی ہو کہ اس کے پاس جو بھی معاملہ لایا جائے وہ اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ صادر کر سکے اس اقدام سے ہر قسم کے اعتراضات کا احسن طریقے سے ختم کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

پاکستانی معاشرے سے سود ختم کرنے کے لئے حکومت نے جو عمل اقدام اٹھائے ہیں ان کے نتیجہ میں یہ ممکن ہوگیا ہے کہ شریعت کورٹ کا دائرہ اختیار مالی معاملات تک بھی بڑھا دیا جائے۔ جہاں تک عائلی قوانین کا تعلق ہے ان کے بارے میں عرض ہے کہ ان کی مخالفت کی وجہ بھی زیادہ تر سیاسی تھی۔ راقم کو اچھی طرح یاد ہے کہ جب ان قوانین کی مخالفت بھرپور انداز سے کی جارہی تھی تو راقم نے ان عائلی قوانین کا تقابلی مطالعہ مولانا مودودی صاحب کی کتاب حقوق الزوجین سے کیا اور یہ ثابت کیا کہ ان دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے وہ سرچشمہ مصر کے عائلی قوانین تھے جو آج سے پچاس سال پہلے اس ملک میں نافذ ہو چکے تھے پاکستان میں عائلی قوانین ان مصری قوانین کا انگریزی ترجمہ معلوم ہوتے تھے جب کہ مودودی صاحب کی کتاب حقوق الزوجین ان کا اردو ادبی ایڈیشن تھا اس سے عائلی قوانین کی مخالفت کا زور کم ہوگیا راقم ایک دفعہ پھر یہ اعلان کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے کہ ان قوانین میں ایک شق بھی غیر اسلامی نہیں زیادہ سے زیادہ ان کی زبان کو بہتر بنانے کی گنجائش نکلتی ہے شریعت کورٹ میں ان کا بڑی عمدگی سے دفاع کیا جاسکتا ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ گزارش بے جا نہ ہوگی کہ شریعت کورٹ کے دائرہ کار کو تمام اسلامی امور تک بڑھا دیا جائے کسی فرد یا جماعت کو کسی قانون کے اسلامی ہونے کے بارے میں اگر کوئی اعتراض ہو تو وہ اس کی وضاحت کے لئے شریعت کورٹ میں جانے کے لئے پوری طرح آزاد ہو۔ اس اقدام کا یہ مثبت نتیجہ نکلے گا کہ جن حضرات کی جانب سے آئینی ترمیمات پر طرح طرح کے اعتراض کئے جارہے ہیں۔ ان کی وضاحت کے لئے وہ شریعت کورٹ کا دروازہ کھٹکانے پر مجبور ہوں گے۔ امید ہے شریعت کورٹ اختلاف رکھنے والی پارٹیوں کے لئے ایک عمدہ فورم ثابت ہوگا۔ جس کے ذریعے اختلافات کو ختم کرکے قومی اتحاد کو مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔ (مارچ ۱۹۸۵ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی

مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین مفتی نعیمی صاحب نے ۱۲ مارچ کو ایک عدالت میں بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ اسلام میں عدالت کے فیصلے کے بغیر بھی دو جھگڑنے والی پارٹیاں ایک دوسرے کو سزا دے سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے یہ مثال بیان کی کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو قابل اعتراض حالت میں پائے تو وہ اسے قتل کر سکتا ہے۔ مفتی صاحب نے یہ بیان انتظامیہ کے ایک غلط اقدام کے لئے اسلامی جواز مہیا کرنے کے لئے دیا ہے۔ (روزنامہ مساوات بابت ۱۳ مارچ ۱۹۹۱ء) مفتی صاحب کے اس بیان کو ایک ہفتے کا عرصہ گزر چکا ہے ان کا یہ بیان تمام قومی اخبارات میں شائع ہوا تھا لیکن ابھی تک کسی عالم دین نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی شریعت اسلامی کا اس بارے میں یہی حکم ہے تاہم مفتی صاحب نے اپنے اس بیان کی تائید میں کسی اسلامی حکم یا قانون کا حوالہ نہیں دیا اور وہ دے بھی کیسے سکتے تھے۔ کیونکہ اس قسم کا کوئی قانون شریعت اسلامی میں موجود نہیں۔

اس سلسلے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے اس تلخ حقیقت کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ ہمارے علماء حضرات نے اسلام کے بارے میں عجیب رویہ اختیار کر رکھا ہے

Marfat.com

وہ قیام پاکستان سے لیکر اب تک ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن اس کے قیام میں وہی سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں حکمران طبقہ بھی اس حقیقت سے خوب واقف ہے اس لئے وہ وقتاً فوقتاً اس مقصد کے لئے ان کی خدمات حاصل کرتا رہتا ہے۔ ایک طرف وہ عوام میں اپنی مقبولیت کے لئے اسلامی نظام کے سلسلے میں ایک قدم اٹھاتا ہے تو دوسری طرف سے علماء حضرات کی جانب سے اس اقدام کی مخالفت شروع کرا دیتا ہے اور اس طرح وہ عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے اسلام کا نام استعمال کرتا رہتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ملک کے ۳۱ سرکردہ علماء کا ایک کنونشن ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں منعقد ہوا تھا۔ اس کنونشن میں علماء حضرات نے وہ اصول طے کئے جو ان کے خیال کے مطابق اسلامی نظام کی بنیادیں ہیں ان اصولوں کی تعداد پوری بائیس تھی اور بعد میں یہ علماء کے بائیس نکات کے نام سے مشہور ہوئے ان میں انیسواں اصول اسلام کے نظام عدل کے بارے میں تھا اور اس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کر دے۔ اس سلسلے میں جو پریس کانفرنس منعقد کی گئی تھی اس میں بتایا گیا تھا کہ انتظامیہ کس طرح عوام پر ظلم کرتی رہتی ہے۔ اور اس کی خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ خود ہی انصاف کرنے والی ہوتی ہے اس لئے یہ طریق کار اسلام تعلیمات کے خلاف ہے جسے فوری طور پر بدلا جائے۔ اس کے بعد جب ہی مولوی حضرات کو انتظامیہ کی جانب سے کچھ تکلیف پہنچتی تو وہ اس مطالبے کو دھراتے۔ خود عوام بھی کئی سالوں سے حکومت سے یہ مطالبہ کرتے رہے ہیں چنانچہ اس کے نتیجے میں پیپلزپارٹی کی حکومت نے ۱۹۸۹ء میں کچھ عملی اقدامات اٹھائے اور عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کرنے کے لئے ہائی کورٹ کے ایک ریٹائرڈ چیف جسٹس کی سرکردگی میں ایک کمیٹی قائم کر دی۔ اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت کے قیام سے پہلے اس کمیٹی کی کارروائی کے بارے میں خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں لیکن اب کچھ عرصے سے یہ خبریں نظر

Marfat.com

سے نہیں گزریں۔ اب جو موجودہ حکومت کے اہم سرکاری مولوی مفتی نعیمی صاحب کا بیان نظر سے گذرا تو اس تاخیر کی وجہ سمجھ میں آگئی۔

مفتی صاحب نے اپنے اس بیان میں انتظامیہ کو عدلیہ کے فیصلے کے بغیر سزا دینے کا جو حق دیا ہے تو اسلامی تعلیمات سے اس کی تائید نہیں ہوتی اس کی وضاحت ایک مثال سے ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عرب کے ایک عیسائی بادشاہ جبلہ بن اہم نے اسلام قبول کرلیا تھا حج کے دوران وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو اس کی چادر پر ایک عربی بدو کا پاؤں پڑ گیا جس سے جبلہ غصے میں آپے سے باہر ہوگیا اور اس نے اس عربی کو تھپڑ رسید کر دیا۔ مفتی صاحب نے اسلام کے عدالتی نظام کو جو تشریح کی ہے اس کی رو سے تو جبلہ حق بجانب تھا لیکن اسلامی تعلیمات میں اس کی اس زیادتی کی کوئی گنجائش نہیں تھی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبلہ سے اس عربی کو بدلہ دلوانے کا حکم دیا۔ جبلہ نے اس فیصلے پر اعتراض کیا کہ وہ ایک بہت بڑا بادشاہ ہے اور ایک بازاری کو اس سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام نے ان دونوں کے درمیان برابری قائم کر دی ہے اس لئے جو بھی جرم کریگا اسے اس کے مطابق سزا دی جائے گی۔ مختصر یہ کہ اسلام کے نظام عدل کا یہ بنیادی ستون ہے کہ قانون کی نظر میں تمام افراد معاشرہ برابر ہیں کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں جو بھی جرم کریگا وہ اس کی سزا بھگتے گا۔ لیکن برصغیر میں ہمارے علماء نے جاگیرداروں کے تحفظ کے لئے اس کے خلاف ایک خلاف اسلام فتویٰ دیا تھا جس کے حوالے سے اب مفتی نعیمی صاحب انتظامیہ کو لوگوں پر تشدد کرنے کی کھلی چھٹی دے رہے ہیں۔

اس فتویٰ کی شان نزول یہ تھی کہ انگریزوں نے اس ملک میں جاگیردارانہ نظام قائم کیا۔ خیال رہے کہ شریعت اسلامی کے مطابق اسلامی ریاست میں زمین کی خرید و فروخت کی اجازت نہیں انگریزوں کے ہندوستان پر قبضہ کرنے سے پہلے یہاں پر مسلمانوں کی حکومت تھی اور اسی اسلامی قانون پر عمل ہوتا تھا یعنی یہاں سرزمین کی خرید و فروخت نہیں ہوتی تھی ہر کوئی اپنی ضرورت کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا

Marfat.com

سکتا تھا۔ انگریزوں نے ۱۷۹۳ء میں بنگال کے بندوبست دوامی کے ذریعے یہاں بڑے بڑے زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا کیا اور زمین کی خرید و فروخت کی اجازت دی۔

یہ بڑے بڑے زمیندار انگریزی حکومت کا غلبہ قائم رکھنے کے لئے اپنے علاقوں کے غریب عوام پر ظلم کرتے رہتے تھے۔ اور اگر کسی نے مقابلہ کرنے کی جرات کی تو اسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ ایسے قتل کو جائز قرار دینے کے لئے انہوں نے مولوی حضرات کی خدمات حاصل کیں انہوں نے فتوٰی دیا کہ اگر کوئی قاتل غیرت کی بنا پر کسی کو قتل کر دے تو اسلام میں اسں کی اجازت ہے ان حضرات نے یہ نہ سوچا کہ بے غیرتی کی وجہ سے کون قتل کرتا ہے۔ چنانچہ جب بھی یہ بڑے بڑے جاگیردار اور زمیندار اپنے کسی دشمن کو ٹھکانے لگاتے تھے اور بدقسمتی سے ابھی تک یہ کھیل جاری ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا کہ صاحب موصوف نے اسے اپنے خاندان کی کسی عورت کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں پایا تھا۔ بعض اوقات تو قتل کے اس جرم کی سزا سے بچنے کے لئے اپنے خاندان کی کسی معصوم عورت کو بھی قتل کر دیا جاتا تھا اور اس طرح اپنی غیرت کا ثبوت دیا جاتا تھا۔ اول تو علماء حضرات کے تعاون سے ایسے قتل کا دیت کی ادائیگی کے ذریعے فیصلہ کرا لیا جاتا اور اگر عدالت میں بھی مقدمہ جاتا تو عدالت' علماء حضرات کے اس فتوٰی کی روشنی میں نرمی سے کام لیتی۔ لیکن اسلامی قانون میں ایسے قتل کی کوئی گنجائش نہیں ایسا قاتل بھی دوسرے قاتلوں کی طرح سخت سزا کا مستحق ہے۔ لیکن اگر مفتی نعیمی صاحب جیسے لوگوں کی بات مان لی جائے تو پھر کسی بھی قاتل کو سزا نہ دی جاسکے گی۔ کیونکہ ہر قاتل یہی دلیل دے گا کہ اس نے مقتول کو اپنے خاندان کی کسی عورت کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں پایا تھا جسے اس کی غیرت برداشت نہ کر سکی۔ وہ ان جاگیرداروں کی طرح اپنی جان بچانے کے لئے خاندان کی کسی معصوم عورت کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ اس سے ملک میں جو طوائف الملوکی پھیلے گی اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں مفتی نعیمی اور ان جیسے دوسرے مفتیوں کو اس امر کا احساس کرنا

Marfat.com

چاہیے کہ وہ تھوڑے سے دنیاوی فائدے کے لئے کیسا خطرناک کھیل کھیل رہے ہیں اور اسلام کو حکمرانوں کی لونڈی بنانے کے لئے ایسے فتوے دے رہے ہیں جن سے اسلام کے نظام عدل کی جڑ کٹ سکتی ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں علماء حضرات سے درخواست ہے کہ ان کے بزرگوں نے چالیس سال پہلے انتظامیہ کو عدلیہ سے الگ کرنے کا جو مطالبہ کیا تھا وہ اس پر قائم رہتے ہوئے حکومت سے اس بارے میں عملی اقدامات اٹھانے کا مطالبہ کریں۔ مفتی نعیمی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ آج انہیں حکومت کی جو سرپرستی حاصل ہے وہ کوئی دیرپا چیز نہیں ہوتی۔ خود کسی وقت میں انہیں بھی انتظامیہ کے مظالم کا شکار ہونا پڑے گا۔ اس وقت وہ افسوس کریں گے کہ انہوں نے اسلام کو انتظامیہ کی لونڈی بنانے کا جو فتویٰ دیا تھا اب کس طرح وہ خود ان کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

آئین میں آٹھویں ترمیم کی اسلامی دفعات کا جائزہ

ان دنوں قومی اخبارات میں آئین میں آٹھویں ترمیم کے ختم کرنے اور اسے باقی رکھنے کے بارے میں زوردار بحث چھڑی ہوئی ہے اس بارے میں حکومت پاکستان کا موقف یہ ہے کہ اس ترمیم کے ذریعے ۱۹۷۳ء کے دستور کی جمہوری روح کو کچل دیا گیا ہے اس لئے وہ اسے ختم کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے ان کے مقابلے میں حزب اختلاف کے لیڈر جو کل تک اس ترمیم کے مخالف تھے۔ اب اسے باقی رکھنے پر اصرار کر رہے ہیں۔ کچھ سیاسی مذہبی لیڈروں نے اس بناء پر اس ترمیم کے خاتمے کی مخالفت کی ہے کہ اس کے خاتمہ سے پچھلے دور حکومت میں اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں ہونے والی پیش رفت ختم ہو جائے گی۔ آئندہ سطور میں ان حضرات کے اس نقطہ نظر کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے۔

جائزہ لینے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان اسلامی تعلیمات کی تفصیل پیش کی جائے جو آٹھویں ترمیم کے حوالے سے دستور میں شامل کی گئی ہیں ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

۱۔ پاکستان کی پارلیمنٹ کا نام' مجلس شوریٰ رکھ دیا گیا ہے۔

۲۔ قرار داد مقاصد' جو پہلے آئین کے افتتاحیہ کی حیثیت رکھتی تھی اب

Marfat.com

اسے آئین کا مستقل حصہ بنا دیا گیا ہے۔

۳۔ عشر کی وصولی کو آئینی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔

۴۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے اراکین کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔

۵۔ اقلیتوں کا انتخاب مخلوط طریقہ انتخاب کی بجائے' جدا گانہ طریقہ انتخاب سے عمل میں لایا جائے گا۔

۶۔ مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے اراکین کی اہلیت میں مندرجہ ذیل تین شقوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔

د۔ امیدوار اچھے اخلاق کا مالک ہو اور اسلامی احکامات کی مخالفت کے لئے مشہور نہ ہو۔

ھ۔ اسے اسلامی تعلیمات اور خاص کر اسلامی فرائض کا مناسب علم ہو اور وہ گناہ کبیرہ سے اپنے آپ کو بچاتا ہو۔

د۔ وہ نیک' پاکیزہ' دیانتدار اور امانتدار ہونا چاہیے۔ ان دفعات پر آئندہ سطور میں بحث کی جاتی ہے۔

آٹھویں ترمیم کی پہلی شق' پارلیمنٹ کے اسلامی نام کے بارے میں ہے کہ آئندہ سے اسے پارلیمنٹ کی بجائے' مجلس شوریٰ کہا جائے گا صرف نام کے بدلنے سے کوئی حقیقی فرق پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ ہم صدق دل سے اسلامی نظام کے لئے کوشش نہ کریں۔ کسی غیر مسلم کا اسلامی نام رکھ دینے سے وہ مسلمان نہیں ہو جاتا۔ اسلامی نظام کے بارے میں ہمارے طرز عمل کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس دور میں پارلیمنٹ کا یہ اسلامی نام رکھا گیا معاشرے کو اسلامی بنانے کے لئے کوئی مثبت قدم نہ اٹھایا گیا حالانکہ یہ اسلامی نظام کے قیام کے لئے بنیادی شرط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں جو شرعی حدود نافذ کی گئیں۔ ان کا مثبت نتیجہ نہ نکل سکا بلکہ اس کے برعکس سود جیسے حرام معاملے کو جائز قرار دے کر' معاشرے پر سرمایہ داری نظام کی گرفت کو مزید مضبوط کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ اب اسے ایک اسلامی

Marfat.com

معاشرے میں تبدیل کرنا قریباً ناممکن ہو چکا۔ قارئین جانتے ہیں کہ اس دور میں ہماری اس اسلامی مجلس شوریٰ نے آٹھویں ترمیم کو تو ایک دو دن میں منظور کر لیا تھا جبکہ شریعت بل پر تین چار سال کی بحث کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تھا۔

آٹھویں ترمیم میں اسلامی نظام کے سلسلے میں جس اہم شق کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ''عشر کی وصولی کو آئینی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ حالانکہ پاکستان میں اسلامی قانون کے مطابق سرے سے عشر نافذ ہی نہیں ہو سکتا۔ یہاں کی اراضی اسلامی قانون کے مطابق ''خراجی'' کہلاتی ہیں جن پر عشر نافذ ہی نہیں ہوتا یہ اراضی اسلامی ریاست کی ملکیت ہوتی ہیں لیکن اسلامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہاں پر عشر نافذ کیا گیا تاکہ غیر حاضر زمینداریوں کو تحفظ فراہم کیا جاسکے۔ اس مسئلہ کی تفصیلات کئی مرتبہ امروز کے صفحات میں پیش کی جاچکی ہیں اگلی شق قرار داد مقاصد کے بارے میں ہے کہ پہلے اس کی حیثیت آئین کے دیباچے کی تھی' اب اسے آئین کا مستقل حصہ بنا دیا گیا ہے۔ اس بارے میں دلیل یہ دی گئی ہے کہ آئین کے دیباچے کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہوتی جو اصل آئین کو ہوتی ہے بلکہ اگر کسی مسئلہ پر دیباچہ اور آئین کی کسی شق میں اختلاف ہو تو آئین کی اصل عبارت کو ترجیح دی جاتی ہے اس دلیل میں ضرور وزن ہوتا اگر خود آئین میں اس کی اسلامی حیثیت کی وضاحت نہ ہوتی جبکہ آئین کے آرٹیکل نمبر ۲۲ میں یہ واضح اعلان کیا گیا ہے کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا اور یہاں پر کوئی قانون' قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ اس لیے اگر قرار داد دیباچہ کے طور پر رہے یا اسے آئین میں شامل کر دیا جائے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

آٹھویں ترمیم کی اگلی شق اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبروں میں اضافے کے بارے میں حقیقتاً یہ ایک انتظامی معاملہ ہے اور ہر حکومت اپنے وقت کے حالات کے مطابق اس کونسل کے اراکین کی تعداد میں اضافہ یا کمی کر سکتی ہے۔ ویسے اس شق سے کچھ لوگوں کو نوازنے کی کوشش کی گئی لیکن اسلامی نظریاتی کونسل کی کارکردگی

Marfat.com

عوام کے سامنے ہے اول تو اس کونسل کی سفارشات کو منظر عام پر نہیں لایا جاتا اور جو منظر عام پر آئی ہیں وہ قرآن وسنت کے خلاف تھیں' راقم کا اشارہ مسلم عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء اور خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں اس کونسل کا نقطہ نظر ہے۔ امروز کے صفحات میں کونسل کے اس نقطہ نظر کا تفصیل سے جائزہ لے کر اسے خلاف اسلام ثابت کیا جاچکا ہے۔ اس کونسل کا ایک اور کارنامہ جس سے عوام واقف ہیں۔ وہ بینکوں کے پی ۔ ایل ۔ ایس اکاؤنٹ ہیں' بظاہر تو اس بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ان حسابات کو سود سے پاک کر دیا گیا ہے۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ اصل میں اسلام کے مقدس نام پر پی ایل ایس کی اصطلاح کے ذریعے سود کو جائز قرار دے دیا گیا ہے۔

اگلی شق اقلیتوں کے جداگانہ انتخابات کے بارے میں ہے جو پہلے مخلوط ہوتے تھے۔ یہ بھی ایک قسم کا انتظامی معاملہ ہے جس کا اسلامی تعلیمات سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں معلوم نہیں اسے کس مقصد کے لیے دستوری تحفظ دیا گیا ہے۔

آخری شق مجلس شوریٰ کے اراکین کی اسلامی اہلیت کے بارے میں ہے اور اس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ آٹھویں ترمیم کی اہم ترین شق ہے لیکن اس شق کی عبارت کافی مبہم ہے اور اس میں امیدواروں کی اسلامی حیثیت متعین کرنے کے لئے کوئی واضح قانون مرتب نہیں کیا گیا۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ قومی انتخابات سے پہلے امیدواروں کے ایک طبقے کی جانب سے پیپلز پارٹی کے امیدواروں کو اس شق کے تحت نا اہل قرار دینے کے لئے درخواست دائر کی گئی اور ملک کے ایک چوٹی کے ماہر جناب خالد اسحاق صاحب جو کہ اسلامی قانون کے ماہر خیال کیے جاتے ہیں کہ خدمات حاصل کی گئیں' لیکن وہ بھی اس بارے میں عدالت کو قائل نہ کر سکے' اور درخواست خارج کر دی گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں اس حقیقت کے بارے میں اشارہ کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ تمام مہذب ممالک کے دساتیر میں امیدواروں کی اہلیت کے بارے میں ایسی کوئی اسلامی دفعات

Marfat.com

نہیں لیکن ان ملکوں میں کبھی کوئی غلط یا بد معاش قسم کا امیدوار کامیاب نہیں ہو سکا۔ دور کیوں جایئے ابھی حال ہی میں امریکہ کے ایک نائب صدر کو اپنے عہدے سے اس لیے ہاتھو دھونے پڑے کہ اس نے اپنی زائد آمدنی کے بارے میں انکم ٹیکس کا گوشوارہ جمع نہیں کرایا تھا جب کہ ہمارے ملک میں صدر پاکستان کہ جس کی ایماء پر یہ اسلامی دفعات آئین میں شامل کی گئیں' نے قومی اسمبلی کے ممبروں کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے کہ وہ اپنے انتخابی اخراجات کے صحیح گوشوارے پیش نہیں کریں گے' انہیں سرے سے گوشوارے پیش کرنے سے ہی مستثنٰی کر دیا۔

مختصراً یہ کہ آٹھویں ترمیم کی منسوخی سے' معاشرے کو اسلامی بنانے کا کام کسی طرح متاثر نہیں ہو گا۔ جب حکومت اور حزب اختلاف کے لیڈروں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس ترمیم سے ۱۹۷۳ء کے آئین کی جمہوری روح ختم ہو چکی ہے تو پھر اسے ضرور ختم ہونا چاہیے اسلام کے نام پر اس غیر اسلامی ترمیم کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے' کیونکہ جہاں تک معاشرے کو اسلامی بنانے کا تعلق ہے اس کے لئے آئین کا آرٹیکل نمبر۲ کافی واضح ہے۔ بشرطیکہ ہم دیانت داری سے اس مقصد کے لیے کام کریں' جب کہ پچھلے دور حکومت میں ایسے اقدامات اٹھائے گئے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف تھے' ان میں سود کو جائز قرار دینے کی طرف سطور سابقہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ لیکن اسلامی نظام کے کسی علمبردار نے اسلامی قانون کی اس خلاف ورزی کے خلاف انگلی تک نہ اٹھائی بلکہ اس کی تائید میں فتاویٰ جاری کر دیے۔ دراصل یہ غلط فتاویٰ جاری کرنے والے علماء ہی تو اسلامی نظام کے نفاذ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ (فروری ۱۹۸۹ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

شریعت اسلامی اور عوام کو درپیش معاشی مسائل!

شریعت بل کے حق میں ان دنوں جو تحریک چلائی جارہی ہے اس کے بارے میں عوام نے جس بے حسی کا ثبوت دیا ہے اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس مقصد کے لئے بڑے سے بڑے جلوس میں اتنے آدمی اکٹھے نہ کئے جاسکے جتنے کہ پارلیمنٹ میں شریعت بل کے علمبرداروں کی تعداد ہے۔ دوسری طرف انہی دنوں قوم کو ایک معاشی مسئلہ درپیش ایا تو وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہمارا اشارہ اس سال کے قومی بجٹ کی طرف ہے کہ جس میں لگائے گئے ٹیکسوں کے خلاف عوام نے ملک گیر مہم شروع کر دی۔ یہاں تک کہ حکومت کو یہ ٹیکس واپس لینے پڑے اور حیرت کی بات ہے کہ اس مہم کے لئے انہیں کسی سیاسی لیڈر نے نہیں اکسایا تھا جبکہ شریعت بل کی حمایت حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے سیاسی اور مذہبی لیڈر چوٹی کا زور لگا رہے ہیں ان دونوں واقعات کے بارے میں عوام کے رد عمل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں اصل طاقت معاشی حقائق ہیں اور کوئی بھی تحریک ان سے چشم پوشی کرکے کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ماضی قریب میں ملک میں کامیاب ہونیوالی سیاسی تحریکوں کی کامیابی کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ ان کی یہ کامیابی معاشی

Marfat.com

حقائق کے صحیح ادراک کا نتیجہ تھی مثلاً پیپلز پارٹی نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات' اپنے انقلابی معاشی پروگرام کی بنا پر جیتے تھے لیکن جب اس پارٹی کی حکومت نے اپنے اعلان کردہ معاشی پروگراموں کو عملی جامہ نہ پہنایا تو عوام اس سے بددل ہوگئے۔ چنانچہ دوسری سیاسی پارٹیوں نے عوام کی اس بددلی سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک نیا معاشی پروگرام پیش کیا۔ اس مقصد کے لئے حزب اختلاف کی جماعتوں نے جو سیاسی محاذ یعنی قومی اتحاد' قائم' کیا تو اس نے ملک کے عوام کی اکثریت کو درپیش معاشی مسئلہ کو اولیت دی۔ چنانچہ اس نے اپنے انتخابی منشور میں یہ اعلان کیا کہ قومی اتحاد برسراقتدار آکر غیرحاضر زمینداری کا نظام ختم کردے گا اور زمین اسی کاشت کار کے پاس رہنے دی جائے گی جو عملاً اس پر کام کرے گا۔ قومی اتحاد نے اپنے اس معاشی پروگرام کو اتنی زیادہ اہمیت دی کہ اس نے اپنے انتخابی نشان کے لئے "ہل" کا انتخاب کیا جو اس بات کی علامت تھا کہ زمین اسی کی ہوگی جو اس میں ہل چلائے گا۔

اپنے اس معاشی پروگرام کے حوالے سے قومی اتحاد نے عوام میں بے پناہ مقبولیت حاصل کرلی چنانچہ قومی اتحاد کے لیڈر جس راستے سے بھی گزرتے تھی غریب کسان کندھوں پر ہل اٹھائے ان کا استقبال کرتے تھے۔ لیکن جب یہ لوگ برسر اقتدار آئے تو انہوں نے اپنے اس دعوے پر عمل کرنا تو کجا اس کا کبھی بھول کر بھی ذکر نہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب عوام سیاسی پارٹیوں سے مایوس ہوگئے ہیں اور اس قومی اتحاد کے خطوط پر قائم کردہ نئی سیاسی تحریک' تحریک بحالی جمہوریت سے لاتعلق رہے ہیں۔ اس تحریک میں وہ سب لیڈر موجود ہیں۔ جو قومی اتحاد کے روح رواں تھے۔ لیکن چونکہ عوام کے معاشی مسائل کے بارے میں سرد مہری سے کام لیا گیا۔ اس لئے عوام نے بھی ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی چنانچہ اب تحریک کے لیڈروں کو اپنی اس فردگزاشت کا احساس ہوچکا ہے اور وہ قوم کے سامنے معاشی پروگرام پیش کرنے کا سوچ رہے ہیں۔

شریعت اسلامی اس ملک میں کبھی بھی متنازعہ مسئلہ نہیں رہی۔ عوام صدق

Marfat.com

دل سے اس ملک میں اس کا نفاذ چاہتے ہیں لیکن اگر شریعت اسلامی کی ایسی تعبیر کی جائے گی جس کا عوام کے معاشی مسائل سے کوئی تعلق نہ ہو تو پھر یہ انہیں متاثر نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ شریعت بل کی حالیہ تحریک کے دوران اس کے علمبرداروں کو اس حقیقت کا احساس ہو چکا ہے ان دنوں ملک میں دو اہم معاشی مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے ایک تو یہ کہ زمیندار لوگ جو ہر قسم کے ٹیکسوں سے مستثنیٰ ہیں ان پر زرعی ٹیکس لگا کر غریب عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ کم کیا جائے۔ دوسرا مسئلہ بددیانت سرکاری افسروں اور بددیانت تاجروں کی ملی بھگت سے قومی خزانے کو پچاس ارب روپے کی آمدنی سے محروم کر دینا ہے یہ مسئلہ اتنا اہم تھا کہ خود وزیراعظم پاکستان کو بنفس نفیس اس کے خلاف مہم چلانے کا فیصلہ کرنا پڑا جس کا عوام نے بھرپور استقبال کیا یہاں تک کہ وزیراعظم کے سیاسی مخالفین کو بھی اس مہم کے مثبت نتائج کو تسلیم کرنا پڑا ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ شریعت بل کے علمبردار اس بارے میں بالکل خاموش ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت بل کے حق میں چلائی جانے والی تحریک میں عوام نے کوئی دلچسپی نہ لی۔

یہ صورت حالات اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اگر شریعت بل کے علمبردار اس بل کے لئے عوامی حمایت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں عوام کو درپیش معاشی مسائل کا حل، شریعت اسلامی کی روشنی میں پیش کرنا ہو گا مثلاً ان میں سے اہم ترین مسئلہ زرعی ٹیکس کا ہے اس مسئلہ کے بارے میں شریعت اسلامی کے احکامات اتنے واضح ہیں کہ امت مسلمہ کے فقہاء میں کوئی ان سے اختلاف نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ تاریخ کے تمام اسلامی ادوار میں ان احکامات پر عمل ہوتا رہا ہے۔ ان احکامات کے مطابق کاشت کار کی زرعی پیداوار کا ایک حصہ جو اس وقت غیر حاضر زمیندار وصول کرتے ہیں سرکاری بیت المال میں جمع ہوتا تھا۔ اس مد سے اتنی زیادہ آمدنی حاصل ہو جاتی تھی کہ وہ ہر دور کی اسلامی حکومت کے اخراجات کے لئے کافی ہوتی تھی۔ اس لئے عوام پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جاتا تھا۔ آج اسلامی ریاست کی آمدنی کا یہ حصہ غیر

Marfat.com

حاضر زمیندار ناجائز طور پر ہڑپ کر جاتے ہیں اور حکومت اپنا انتظام چلانے کے لئے غریب عوام پر ٹیکس لگاتی ہے جس نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ اسی طرح ناجائز کمائی کو روکنے کے لئے اسلامی احکامات اتنے مؤثر ہیں کہ اسلامی معاشرے میں کسی بددیانت آدمی کا زندگی بسر کرنا ممکن ہی نہیں رہتا کیونکہ وہ ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ اپنی آمدنی کو خرچ ہی نہیں کر سکتا۔ مثلاً ان دنوں اس ناجائز کمائی سے محل نما کوٹھیاں تعمیر کی جاتی ہیں جبکہ اسلامی معاشرے میں ان کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہر بڑے سے بڑے آدمی کو ویسے ہی سادہ سے مکان پر اکتفا کرنا پڑتا ہے جو ایک عام مسلمان کو میسر ہو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں اتنا التزام کرتے تھے کہ وہ کسی صحابی کو اس کی ضرورت سے زیادہ مکان بنانے کی اجازت ہی نہ دیتے تھے۔

مبادا کہ اسے دوسرے صحابہ پر فوقیت حاصل نہ ہو جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے آپ خود بھی ایک سادہ سے مکان میں رہائش رکھتے تھے اور صحابہ سے بھی اسی کی توقع کرتے تھے ایک دفعہ جب ایک صحابی نے اپنی حلال کی کمائی سے اپنے مکان کی ایک دوسری شاندار منزل بنالی تو آپؐ نے اس کا سماجی مقاطعہ کر دیا تھا یہاں تک کہ وہ صحابی اپنی اس نئی عمارت کو گرانے پر مجبور ہو گئے۔ (سنن ابو داؤد جلد دوم ص ۶۵۰)

ناجائز آمدنی کے خرچ کرنے کی دوسری بڑی مد شادی کی تقریبات ہیں جن پر آج کل لاکھوں روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔ پھر لاکھوں کا جہیز اس کے علاوہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی مثالوں سے ان دونوں رسوم کا اسلامی معاشرے سے اس طرح قلع قمع کر دیا تھا کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی عرب ممالک میں ان کا نشان نہیں ملتا آپؐ نے اس شادی کو سب سے زیادہ پسندیدہ قرار دیا جس پر سب سے کم خرچ ہوا اور یہ خرچ بھی ہونے والا خاوند ہی برداشت کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپؐ کے گھر میں پرورش پاتے تھے آپؐ ان کی شادی کے

Marfat.com

اخراجات کا انتظام بھی کرسکتے تھے لیکن جب ان کی شادی ہوئی تو آپ ؐ نے انہیں اس کے تمام اخراجات برداشت کرنے کے لئے کہا اس مقصد کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی زرہ بکتر فروخت کرنی پڑی۔ اسی طرح آپ ؐ نے مسلمان عورتوں کو سونے کے زیور پہننے سے بھی منع فرمادیا اور انہیں تلقین کی کہ وہ صرف چاندی کے زیور پہنیں جنہیں تمام مسلمان اپنی عورتوں کو مہیا کرسکتے تھے۔ (سنن ابوداؤد جلد دوم ص ۴۱۰)

ان تفصیلات کی روشنی میں شریعت بل کے علمبرداروں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ عوام کو درپیش مسائل کا شریعت اسلامی کی روشنی میں حل پیش کریں اس طرح وہ اپنے بل کے لئے ان کی بھرپور تائید حاصل کرسکتے ہیں۔ (جولائی ۱۹۸۷ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

قرآن و سنت کا قانون یا حنفی فقہ

آج کل ہمارے اخبارات میں آئین میں مجوزہ نویں ترمیم کے بارے میں بحث جاری ہے۔ اس ترمیم کا بل وفاقی وزیر قانون جناب اقبال احمد خان صاحب نے ۲۳ دسمبر ۱۹۸۵ء کو سینٹ میں پیش کیا تھا' اس ترمیم کے ذریعے ملک عزیز میں قرآن و سنت پر مبنی اسلامی احکامات کی بالادستی تسلیم کی گئی ہے اس ترمیم کے حوالے سے علماء کے ایک طبقے نے یہ تاثر دینا شروع کیا کہ اس کے ذریعے عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء کو ختم کیا جارہا ہے۔ بلکہ بعض حضرات نے تو اس کے حوالے سے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر موجودہ پارلیمنٹ اسلام کے بارے میں مخلص ہے تو وہ نویں ترمیم پاس کرکے عائلی قوانین کا خاتمہ کردے۔

اس تاثر نے عائلی قوانین کی حمایت کرنے والی خواتین کو اس ترمیم کی مخالفت پر ابھارا۔ انہوں نے اس کے خلاف ایک جلوس نکالا اور مختلف طریقوں سے اس ترمیم کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ انہوں نے شکایت کے انداز میں کہا کہ ملک کو درپیش مسائل کے بارے میں علماء کے طرز عمل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام صرف عورتوں کی اصلاح کے لیے آیا ہے۔ دوسرے مسائل سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک مثال دی کہ چند دن پہلے اخبارات کے

Marfat.com

ایک ہی صفحہ پر دو خبریں شائع ہوئی تھیں ایک عورتوں کی ہاکی ٹیم کے دورے کے بارے میں اور دوسری گھوڑ دوڑ کے پردے میں جوا کھیلنے کے بارے میں تھی۔ لیکن تقریباً تمام علماء حضرات نے ہاکی ٹیم کے بارے میں تو اپنے بیانات جاری کئے۔ لیکن گھوڑ دوڑ کے پردے میں ملک عزیز میں جوئے کا جو کاروبار چل رہا ہے اور جسے وفاقی شرعی عدالت بھی خلاف اسلام قرار دے چکی ہے اس کے بارے میں ان میں سے کسی نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔

علماء کی جانب سے عورتوں کے اس جلوس کی سخت مذمت کی گئی اور مطالبہ کیا گیا کہ سینٹ اس ترمیم کو فوری طور پر منظور کرے۔ بعض علماء کی جانب سے سینٹ کے اراکین پر یہ الزام بھی لگایا جارہا ہے کہ وہ جان بوجھ کر لیت و لعل سے کام لے رہے ہیں۔ اس ترمیم کی حمایت اور مخالفت کرنے والوں کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو علماء حضرات نے اور نہ ہی اس کی مخالفت کرنے والی خواتین نے ترمیم کے مسودے کا بغور مطالعہ کیا ہے وگرنہ ان دونوں طبقات کا ردعمل مختلف ہوتا۔

اس ترمیم کے ذریعے دو اہم معاملات جنہیں پہلے تحفظ حاصل تھا اور وہ وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار سے باہر تھے انہیں عدالت کے دائرہ کار کے تحت لانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ دو معاملات' عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء اور دوسرا مروجہ سرمایہ دارانہ مالیاتی نظام ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں ترمیم میں کچھ ایسا طرز عمل اختیار کیا گیا ہے کہ جس کے نتیجے میں عائلی قوانین کو تو مزید کوئی تحفظ نہیں دیا گیا جب کہ اس کے مقابلے میں سرمایہ دارانہ مالیاتی نظام جس کی بنیاد سود پر ہے اور جو قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق اللہ اور اس کے رسول ؐ کے خلاف جنگ کے مترادف ہے۔ اسے کچھ مزید تحفظ دیا گیا ہے۔

اس مقصد کے لئے ترمیم کی دفعہ (۵۳) کے ذیل میں یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ اگر وفاقی شرعی عدالت کسی مالیاتی معاملے کو اسلامی امور کے ماہرین کے مشورے

Marfat.com

سے اسلامی احکامات کے خلاف قرار دے دے تو اس سلسلے میں متبادل انتظام کے لیے مناسب تجاویز دے اور اس خلاف اسلام قانون کو تبدیل کرنے کے لیے مناسب مہلت بھی دے۔ پھر ذیلی دفعہ (۳ب) کے مطابق مالیاتی امور سے متعلق' خلاف اسلام قرار دیئے گئے قوانین بھی اس وقت تک نافذ العمل رہیں گے کہ جب تک قانون ساز اسمبلیاں اس بارے میں نئے قوانین نہیں بنا لیتیں۔

خیال رہے کہ اسلام کے مالیاتی نظام کی بنیاد غیر حاضر زمینداری نظام کے خاتمے پر استوار ہوتی ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سے ہماری قانون ساز اسمبلیوں کے زیادہ تر اراکین اسی طبقے سے منتخب ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں یہ لوگ کبھی بھی ایسے کسی اقدام کی حمایت نہ کریں گے کہ جس سے غیر حاضر زمینداری نظام کا ملک سے خاتمہ ہو جائے اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس ملک میں کبھی بھی اسلام کا مالیاتی نظام نافذ نہ ہو سکے گا۔

عائلی قوانین کے خاتمے کے بارے میں جس خوش فہمی کا اظہار کیا جا رہا ہے وہ بھی اس ترمیم کا غور سے مطالعہ نہ کرنے کی بنا پر ہے اور جو حضرات یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس ترمیم سے عائلی قوانین ختم ہو جائیں گے وہ غلطی پر ہیں اس ترمیم سے تو عائلی قوانین کو مزید تقویت ملے گی۔ اس کی وضاحت مندرجہ ذیل مثال سے ہوگی۔

ترمیم میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ملک عزیز میں ایسے اسلامی احکامات کی بالادستی ہوگی جو قرآن و سنت پر مبنی ہوں گے عائلی قوانین کی مخالفت اس بنا پر نہیں کی گئی تھی کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ حنفی فقہ کے خلاف ہیں جن کی پیروی اس ملک کی اکثریت کرتی ہے۔ ان عائلی قوانین میں ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے کر عورت کو جدا کر دینے کے مروجہ طریقے کو ختم کر کے' اس کی بجائے ایسا طریقہ رائج کیا گیا ہے جو سنت کے عین مطابق ہے اس لیے عائلی قوانین کے مخالفین نے یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ یہ تبدیلی قرآن و سنت کے خلاف ہے بلکہ فرمایا:

Marfat.com

"بلاشبہ یہ چیز بعض فقہی مذاہب کے نزدیک درست ہے۔ لیکن حنفی مذہب کے خلاف ہے، حنفی مذہب میں اگر تین طلاق بیک وقت دیئے گئے ہوں۔ تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی ہے، اور مطلقہ عورت سے اس کا سابق شوہر نہ تو مدت عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور نہ ہی عدت گزر جانے کے بعد اس کے ساتھ پھر نکاح کر سکتا ہے۔ جب تک اس کی تحلیل نہ ہو جائے اس ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے، ان حنفی باشندوں کو جو اعتماد، امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور مذہب حنفی کے فقہاء کے علم و تقویٰ پر ہے، وہ اعتماد آج کل کے قانون سازوں پر نہیں ہے۔ (عائلی قوانین پر علماء کے اعتراضات صفحات ۱۸، ۱۹، مطبوعہ پبلک آرٹ پریس پشاور)

ہمارے ملک میں جو عائلی قوانین نافذ ہو چکے ہیں وہ یہاں کے تجدد پسندوں کا کارنامہ نہیں، جیسے کہ بعض حلقوں میں غلط فہمی پائی جاتی ہے یہ ان عائلی قوانین کے مطابق ہیں جو مصر میں ۱۹۲۹ء میں رائج ہوئے تھے اور ہمارے علماء نے ان کی بڑی تعریف کی تھی، یہاں تک کہ مولانا مودودی صاحب نے انہی کی بنیاد پر اپنی کتاب حقوق الزوجین لکھی۔ راقم ایک علیحدہ مضمون میں قارئین امروز کے سامنے، عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء اور مودودی صاحب کی کتاب حقوق الزوجین کا تقابلی مطالعہ پیش کر چکا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں اصل میں ایک ہی منبع سے لیے گئے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ بعض لوگوں کو جو یہ خوش فہمی ہے کہ نویں ترمیم کے ذریعے عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء منسوخ ہو جائیں گے تو یہ ان کی محض خوش فہمی ہے۔ اس ترمیم کے ذریعے تو وہ مزید پختہ ہوں گے۔ البتہ اس ترمیم کے ذریعے اسلام کے مالیاتی نظام کے نفاذ کا معاملہ ہمیشہ کے لئے کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ اس لیے اس ترمیم کی حمایت اور مخالفت کرنے والے طبقات سے توقع کروں گا کہ وہ ایسا کرنے سے پہلے اس کے مسودے کا اچھی طرح مطالعہ کر لیں۔

(مارچ ۱۹۸۶ء)

Marfat.com

اسلامی معاشرہ سے فرقہ پرستی ختم کرنے کی کوشش

مسلمانوں میں فرقہ پرستی نے ہر دور کے مسلمان مفکرین کو پریشان رکھا ہے۔ انہوں نے اسے اسلامی معاشرے سے ختم کرنے کے لیے کئی اقدامات کیے لیکن بوجوہ یہ برائی ختم نہ ہو سکی۔ یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ دوسری قومیں اپنے نئے سال کے شروع ہونے پر خوشیاں مناتی ہیں لیکن مسلمان عوام کو یہ خدشہ لاحق ہو جاتا ہے کہ شرپسند لوگ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو آپس میں لڑا نہ دیں چنانچہ مذہبی رہنما نئے اسلامی سال کے شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی اپیلیں کرنی شروع کر دیتے ہیں۔

یکم اگست ۸۸ء کو اسلام آباد میں ساتویں حسینیہ کانفرنس کا انعقاد بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی اس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور مسلمانوں کے ہر فرقے سے اپیل کی کہ وہ شرپسندوں کو شرارت کرنے کا کوئی موقع نہ دیں۔

قرآن مجید نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے جو شریعت اسلامی کے مطابق سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس بارے میں ارشاد ربانی ہے:

Marfat.com

"اور تم لوگ مشرکین میں سے نہ بنو' ان مشرکین میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور پھر وہ گروہ گروہ بن گئے اور پھر ہر گروہ اس میں مگن ہے جو اس کے پاس ہے۔" (سورۃ الروم۔۳۲)

مسلمانوں میں فرقہ بندی کی ابتداء ملوکیت سے ہوئی۔ ملوکیت اپنے آپ کو قائم ہی اسی صورت میں رکھ سکتی تھی کہ وہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو ایک دوسرے کے ساتھ الجھائے رکھے۔ اس حقیقت کی تصدیق اس امر سے بھی ہوئی ہے کہ ایران میں ملوکیت کے خاتمے کے بعد' وہاں کے شیعہ لیڈروں نے بھی ایسے اقدامات اٹھائے کہ اگر ان پر صدق دلی اور نیک نیتی سے عمل کیا جائے تو اسلامی معاشرہ سے فرقہ بندی اور فرقہ پرستی دونوں ختم ہوسکتے ہیں۔ جمہوریہ اسلامیہ ایران کے سب سے بڑے مذہبی اور سیاسی لیڈر امام خمینی کا تعلق اگرچہ شیعہ فرقے سے ہے لیکن انہوں نے اپنے قول و فعل سے کبھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ان کا تعلق کسی خاص فرقے سے ہے بلکہ مسلمانوں سے فرقہ بندی ختم کرنے کے لیے کچھ عملی اقدامات اٹھائے جن کے مثبت نتائج سامنے آئے ہیں۔

نماز اسلام میں سب سے بڑی اور اہم عبادت ہے ہر مسلمان کو دن میں پانچ دفعہ یہ عبادت ادا کرنی ہوتی ہے اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر' اس عبادت کو باجماعت ادا کرے لیکن دکھ کی بات ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے علماء ایک دوسرے کی اقتدار میں نماز ادا نہیں کرتے چنانچہ فرقہ بندی ختم کرنے کے لیے امام خمینی نے اپنے فرقہ کے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ اہل سنت اماموں کی اقتدار میں نماز ادا کریں ان کے اس حکم پر مختلف اسلامی ملکوں میں مختلف فرقوں کے لوگوں نے عمل کیا اور عوام سے ہر فرقے کو مسلمانوں کو ایک امام کی اقتدار میں نماز باجماعت ادا کرنے کے روح پرور نظارے دیکھے۔ اس سے مختلف فرقوں کے درمیان فاصلے کم ہوئے اور دوسرے ممالک سے اہل سنت علماء کے کئی وفود امام خمینی سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔

Marfat.com

بعض غالی شیعہ، صحابہ کرام کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کرتے تھے۔ جب اس معاملے کو امام خمینی کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ شیعہ لٹریچر سے اس قسم کے الفاظ فوراً حذف کر دیئے جائیں اور آئندہ کوئی بھی شخص اس کا ارتکاب نہ کرے۔ امام خمینی کی اس مثبت کوشش کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اور اگر ان کی خواہشات کو مد نظر رکھے ہوئے اسلامی قانون کی اس طرح تدوین کی جائے کہ مختلف فقہی مذاہب کے جو مسائل قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہیں انہیں اختیار کرکے ایک متفقہ فقہ مرتب کرلی جائے تو اس سے مسلمان معاشرے سے فرقوں کا وجود ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے کچھ عملی تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

اسلامی قانون کے مطابق چوری کی شرعی حد' ہاتھ کاٹنا ہے۔ اکثر فقہی مذاہب کے نزدیک مجرم کا ہاتھ پنجے سے کاٹنے کا حکم ہے۔ لیکن اس بارے میں جعفریہ فقہ کا فتویٰ قرآن مجید کی تعلیمات سے زیادہ قریب ہے۔ اس فقہ کے امام نے سورۃ البقرہ کی آیت ۷۹ سے اس بارے میں استدلال کیا ہے جس میں ارشاد ہے۔

ترجمہ:۔ ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی۔ (البقرہ۔ ۷۹)

اس آیت میں ہاتھ سے لکھنے کے جو الفاظ ہیں' تو ان سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ عملاً لکھا تو انگلیوں سے جاتا ہے۔ جن پر ہاتھ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس لیے چوری کے جرم کی سزا کے طور پر ہاتھ کاٹنے کا جو حکم ہے تو اس کے لیے صرف انگلیوں کا کاٹنا کافی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق بانی فقہ جعفریہ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ مجرم چوری کی سزا پانے کے باوجود' نماز ادا کرنے کے قابل رہے گا۔ جبکہ ہاتھ کاٹے جانے کی صورت میں اس کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ ہوگا)

Marfat.com

(وسائل الشیعہ جلد ۸ باب چہارم)

اسی مثال کی روشنی میں اسلامی قانون کی تدوین جدید اسی طرح ہو سکتی ہے کہ ہر اسلامی فرقے کے وہ مسائل اور فتاویٰ سے لیے جائیں جو قرآن و سنت کے قریب ہیں۔ حکومتی سطح پر اسلامی قانون کی تدوین کا جو کام ہو اس کے لیے بھی یہی اصول اپنایا جائے اور ہمارے علماء بھی اسی اصول کو مدنظر رکھیں۔ آخر تمام فقہی مذاہب کا سرچشمہ ایک ہی ہے یعنی قرآن و سنت اور اس ایک سرچشمے کی طرف لوٹ جانے سے مسلمان معاشرے سے فرقہ بندی ختم ہو سکتی ہے تو اس طرف کیوں نہ پیش رفت کی جائے۔ کیا ہی اچھا ہو۔ ہم اس معاملے کو اولین اہمیت دے تاکہ ہمارے معاشرے سے فرقہ بندی کا زہر ختم ہو جائے اور شرپسندوں کو مسلمان عوام کو ایک دوسرے سے لڑانے کے احکامات ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔ (اگست ۱۹۸۸ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

شریعت اسلامی میں تفرقہ بازی کی مذمت

ان دنوں ہمارا معاشرہ تفرقہ بازی کی زد میں آیا ہوا ہے اور دکھ کی بات یہ ہے کہ اسلام جو اس برائی کی مذمت کرتا ہے اسی کے نام پر اسے عروج دیا جارہا ہے اسی کے نتیجے میں جھنگ کے ایک عالم دین کو اپنی جان سے ہاتھو دھونے پڑے ہیں قرآن مجید میں فرقہ بازی کو فرعونی عمل قرار دیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو فرقوں میں بانٹ رکھا تھا اور اپنی حکومت کو بچانے کے لیے ان فرقوں کو آپس میں لڑائے رکھتا تھا۔

فرقہ پرستی اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہے اسلام کی بنیادی تعلیمات توحید الٰہی کے محور کے اردگرد گھومتی ہیں اسلام کے اس بنیادی عقیدے یعنی توحید الٰہی کا تقاضا ہے اس کے ماننے والے بھی ایک ہی وحدت ہوں ان میں کسی قسم کی فرقہ واریت نہ ہو۔ چنانچہ اس برائی سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا۔

(ترجمہ) اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو۔ اور فرقے نہ بناؤ (سورۃ آل عمران۔ ۱۰۳) قرآن مجید کی اس آیت میں مسلمانوں میں وحدت پیدا کرنے کے لئے جس لفظ "حبل" کا ذکر کیا گیا ہے اردو زبان میں اس کے لفظی معنی تو "رسی" کے ہوتے ہیں لیکن قرآن مجید کے تمام مفسرین نے اس سے مراد خود قرآن مجید ہی لیا

Marfat.com

ہے ان کا کہنا ہے کہ اگر مسلمان اپنے آپ کو صرف قرآن مجید کی تعلیمات تک محدود رکھیں گے تو وہ ہر قسم کی فرقہ بازی سے بچے رہیں گے اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جب تک مسلمانوں نے صرف قرآن مجید کا دامن پکڑے رکھا وہ ہر قسم کی فرقہ بازی سے محفوظ رہے۔

مسلمانوں کی وحدت کو توحید الٰہی سے مربوط کیا گیا ہے توحید الٰہی کے مقابلے میں شرک ہے شرک سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کیا جائے ایسا کرنا شریعت اسلامی میں سب سے بڑا گناہ ہے قرآن مجید میں اسے عظیم ظلم قرار دیا گیا ہے مسلمانوں کی وحدت کو ختم کرنے والی چیزوں کو بھی قرآن مجید نے شرک قرار دیا ہے وحدت کو ختم کرنے والی سب سے بڑی برائی تو یہی فرقہ بازی ہے چنانچہ سورۃ الروم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مشرک نہ بنیں اور آپس میں فرقے نہ بنائیں (سورۃ الروم۔ ۳۱) مختصر یہ کہ مسلمان اور فرقہ بندی دو متضاد چیزیں ہیں۔

فرقہ بازی سے معاشرے کا امن ختم ہو جاتا ہے ایک فرقہ دوسرے فرقے کو نیچا دکھانے بلکہ بعض اوقات اسے ختم کرنے میں مشغول رہتا ہے ظاہر ہے کہ اس کے اس طرز عمل سے معاشرے کا سکون برباد ہو جاتا ہے اس لئے اسلام نے صرف اسلامی معاشرے ہی سے نہیں بلکہ ساری دنیا سے فرقہ پرستی کو ختم کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا اور اس برائی کے خاتمے کا طریقہ کار بھی خود ہی متعین فرما دیا جب مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی تو اس کے آس پاس کے علاقوں میں یہودیوں اور عیسائیوں کی چھوٹی چھوٹی بادشاہتیں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی حکیم کے بموجب ان کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی کوشش فرمائی انہیں یہ قرآنی حکم ان الفاظ میں دیا گیا تھا۔

(ترجمہ) کہ دیجئے کہ اے اہل کتاب (مراد یہودی اور عیسائی تھے) اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان متفقہ ہے وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوائے

Marfat.com

کسی دوسرے کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک بنائیں گے لیکن اس کے باوجود بھی اگر وہ منہ موڑیں تو پھر گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں (سورہ آل عمران۔ ۶۴)

دیکھئے اس آیت میں مسلمان کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ وہ ہر قسم کی فرقہ وارانہ ذہنیت سے پاک ہوتا ہے اور ساری دنیا سے اس برائی کا خاتمہ چاہتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلعم نے جب آس پاس کے غیر مسلم بادشاہوں کو مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے خطوط لکھے تو ان کی ابتداء سورہ آل عمران کی اس آیت سے کی جس کا ترجمہ سطور بالا میں پیش کیا جاچکا ہے اس آیت میں وہ اصول بھی بتا دیا ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کا غیر مسلموں سے اتحاد قائم ہوسکتا ہے مسلمانوں نے اس اصول کے تحت مختلف تاریخی ادوار میں غیر مسلموں سے اتحاد کیا تو کیا وجہ ہے کہ خود مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان اس اصول کی روشنی میں اتحاد کیوں قائم نہیں ہوسکتا۔

اس قرآنی اصول کے مطابق مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو پہلے ان مسائل کو مشترکہ طور پر اپنا لینا چاہیے جن کے بارے میں ان میں کوئی اختلاف نہیں قرآن مجید اصول کی کتاب ہے اور اس میں اسلامی تعلیمات کے اصول بیان ہوئے ہیں جن کی روشنی میں رسول اللہ صلعم نے بعض عملی معاملات کی وضاحت کی جسے شریعت اسلامی کی اصطلاع میں سنت کہا جاتا ہے مسلمان فقہاء نے قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے زمانے کے معاملات کے بارے میں فتاویٰ جاری کئے کیونکہ مختلف علاقوں کا ماحول اور مسائل مختلف تھے اس لئے ان کے فتاویٰ میں بھی اختلاف تھا لیکن بعد میں جب مسلمانوں میں تقلید جامد کا رواج ہوا تو انہوں نے یہ دیکھنے کی کوشش ہی نہ کی کہ مختلف فقہاء کے فتاویٰ میں یہ فرق کیوں ہے بلکہ ان فتاویٰ پر آنکھیں بند کرکے عمل کرنے لگے فقہاء کے مختلف فتاویٰ کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوگیا جس کے نتیجے میں مختلف فرقے وجود میں آگئے۔

Marfat.com

قرآن مجید میں اسلامی تعلیمات کے اصولوں کے علاوہ اہم معاملات کے بارے میں احکام بھی دیئے گئے ہیں ان احکامات کے بارے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں لیکن موجودہ دور کے مفاد پرست لوگوں نے ان متفقہ احکامات کو بھی متنازعہ بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ مسلمانوں میں کبھی اتحاد قائم نہ ہوسکے مثلاً قرآن مجید نے ہر قسم کے سودی معاملے کو حرام قرار دے دیا اور اسے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کے برابر قرار دیا مسلمانوں میں اس کے حرام ہونے کے ہونے کے بارے کبھی اختلاف نہیں رہا اگر مسلمان سود کے بارے میں شریعت کے احکامات پر عمل کرنے لگ جائیں تو پھر دوسرے اختلافی مسائل کا بھی حل نکل سکتا ہے لیکن جو لوگ مسلمانوں کو متحد نہیں ہونے دیتے انہوں نے سود جس کے حرام ہونے پر امت مسلمہ متفق تھی کو اب اختلافی مسئلہ بنا دیا پھر مفاد پرست علماء نے سود کی بعض اقسام کو اپنے لئے جائز قرار دے دیا اب صورت حال یہ ہے کہ شریعت اسلامی کے وہ متفقہ احکامات جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں وہ بھی اختلافی بنا دیئے گئے اور اس کے نتیجے میں ہمارے معاشرے میں فرقہ واریت کو عروج حاصل ہو رہا ہے۔

ہمارا یہ عمل قرآن مجید کی تعلیمات کے خلاف ہے معاشرے سے فرقہ واریت ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سب مسلمان صدق دل سے ان احکامات پر عمل کریں جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہین اور جن کے بارے میں امت مسلمہ کے علماء کے درمیان کبھی اختلاف نہیں رہا اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے سود ان میں سے ایک ہے مسلمان اگر اس بارے میں یہ فیصلہ کرلیں کہ وہ ہر اس معاملے کو جو سودی ہو یا جس میں کوئی سود کا شائبہ پایا جاتا ہو ترک کر دیں گے تو پھر جو لوگ متفقہ شرعی مسائل کو اختلافی بنانے کی کوشش کرتے ہیں وہ نامراد ہو جائیں گے اور متفقہ مسائل پر کامیابی سے عمل کرنے کے بعد اختلافی مسائل پر بھی متفقہ عمل کرنے کی ضرورت نکل آئے گی۔

خود قرآن مجید نے بھی معاشرے سے فرقہ واریت ختم کرنے کا یہی نسخہ تجویز

Marfat.com

کیا ہے کہ مسلمان قرآن مجید کی تعلیمات کو مضبوطی سے پکڑلیں یعنی ان پر صدق دل سے عمل کریں آج فرقہ پرستی نے ہمارے معاشرے کا سکون برباد کر رکھا ہے اس لئے سب مسلمانوں پر لازم آتا ہے کہ وہ اسے ختم کرنے کی کوشش کریں اور اس مطلب کے لئے وہی طریق کار اختیار کریں جو خود اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے اور جس کی تفصیلات سطور بالا میں پیش کی جاچکی ہیں۔ (مارچ ۱۹۹۰ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

تیسرا حصہ

اسلامی طریقہ تفتیش

Marfat.com

Marfat.com

اسلامی طریقہ تفتیش سے مجرمانہ ذہنیت کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

پولیس تفتیش کے دوران بعض ملزموں کا موت کو گلے لینا ایک معمول کی بات سمجھی جاتی تھی لیکن پچھلے کچھ عرصے سے ان اموات کی مسلسل خبریں آنے لگیں۔ تو مختلف مقامات پر لوگوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ ان احتجاج کرنے والوں کو مختلف طریقوں سے خاموش کر دیا گیا لیکن ابھی تک کسی ایسے پولیس اہل کار کے خلاف جو اس قسم کی موت کا ذمہ دار ہو۔ کوئی کاروائی نہیں کی گئی۔

عوام نے پولیس کے ان مظالم کے خلاف اپنے آپ کو منظم کرنے کے لئے ایک تنظیم قائم کی ہے جس کا نام "تشدد کے خلاف احتجاج" اس تنظیم کی جانب سے حال ہی میں ایک کانفرنس کا انتظام کیا گیا جس میں ایک سابق پولیس افسر نے بتایا۔ پولیس کے یہ مظالم ان کے ناتربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے ہیں انہیں تفتیش کے طریقوں کی تربیت کا انتظام کرنا چاہیے۔ کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا کہ ہماری پولیس اس مقصد کے لئے جو تیسرے درجے کے غیر شریفانہ طریقے استعمال کرتی ہے ان پر پابندی لگادی جائے۔ اس وقت دنیا میں جرائم کی تفتیش کے لئے جو نئے طریقے اختیار

Marfat.com

کئے جاچکے ہیں ہماری پولیس کو بھی ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے پولیس ملزم کو مارنے سے احتراز کرے کیونکہ ملزموں کی اکثر اموات پولیس کی اس مار پیٹ کے نتیجہ میں واقع ہوتی ہیں۔

تفتیش کے نئے طریقے علم نفسیات پر مبنی ہیں اور ملزم کا نفسیاتی تجزیہ کر کے ایسے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں کہ ملزم خود شرمندگی محسوس کرتے ہوئے اقبال جرم کرلیتا ہے۔ ہمارے ملک میں علم نفسیات تقریباً تمام کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے لیکن جرائم کی تفتیش کے سلسلے میں کبھی اس علم سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا حالانکہ ہر سال ہزاروں نوجوان اس علم کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اس لئے کیا ہی اچھا ہو کہ آئندہ مختلف سطح کے پولیس اہل کاروں کے لئے اہلیت کی جو شرطیں مقرر کی جائیں ان میں نفسیات کے علم کا حصول لازمی قرار دیا جائے۔

جن حضرات نے اسلامی طریقہ تفتیش کا مطالعہ کیا ہوگا وہ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جدید نفسیاتی طریقہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہیں اور خود رسول اکرمؐ نے معاشرے سے جرائم کے خاتمہ کے لئے ان طریقوں کو استعمال کیا تھا۔ اس سلسلے میں آپؐ نے جو طریقہ کار اختیار کیا تھا اس کے مطالعہ سے سب سے پہلے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ معاشرے میں جرائم کا ارتکاب عام طور پر ایسے لوگ کرتے ہیں جنہیں کسی نہ کسی وجہ سے محرومی کا احساس دلا دیا گیا ہو پھر یہ محرومی کسی شخص میں کم ہوتی ہے اور کسی میں زیادہ اگر متعلقہ فرد کی اس محرومی کو ختم کردیا جائے تو پھر وہ شخص جرائم کے ارتکاب سے باز آجاتا ہے۔ شریعت اسلامی میں جرائم کی سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں لیکن رسول اکرمؐ نے جس نرمی سے ان سزاؤں کا نفاذ کیا تو مجرم لوگ خود بخود اپنے آپ کو آپؐ کے سامنے پیش کرنے لگے۔ مجرموں کے ساتھ آپؐ کا رویہ پولیس والا نہیں تھا بلکہ مشفقانہ تھا اور آپؐ نے یہ رویہ قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں اختیار کیا تھا قرآن مجید میں ملزموں کو دھتکارنے کی بجائے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پیارے بندے کہہ کر خطاب کیا ہے۔ ارشاد ہے۔

Marfat.com

(ترجمہ.....اے میرے بندو' جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ (سورۃ الزمر ۵۳)

دیکھئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجرموں کو اپنے بندے کہہ کر خطاب کیا ہے اور ان کے جرائم کو ان کے اپنے نفسوں پر ظلم سے تعبیر کیا ہے چنانچہ رسول اکرمؐ نے بڑے بڑے مجرموں سے اس قرآنی آیت کی روشنی میں سلوک کیا مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کے قیام سے پہلے آس پاس کی پہاڑیوں میں ایک عادی مجرم رہتا تھا جس نے اہل مدینہ کی زندگیوں کو ان کے لئے اجیرن بنا رکھا تھا۔ جب اس نے سنا کہ رسول اللہؐ مجرموں سے بڑی محبت سے پیش آتے ہیں تو وہ دوڑتا ہوا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے جرائم پر شرمندگی کا اظہار کیا آپؐ مجرموں کی اس شرمندگی کو توبہ کے برابر قرار دیتے تھے اور انہیں کوئی سزا نہیں دیتے تھے۔

اس مجرم نے شرمندگی کے اظہار کے باوجود کہا کہ مجھے ان جرائم کی عادت اس بری طرح پڑ چکی ہے کہ میں آسانی سے انہیں ترک نہیں کر سکتا اے اللہ کے رسولؐ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ میں ان جرائم سے نجات پا جاؤں آپؐ نے اس مجرم سے کہا کہ میرے ساتھ ایک وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی جھوٹ نہیں بولو گے۔ چاہے حالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں اس نے خوشی خوشی رسول اکرمؐ سے یہ وعدہ کیا اور چلا گیا جب رات کا اندھیرا چھایا تو اس مجرم کے اندر کا چور جاگا اور اس نے چوری کرنے کا ارادہ کیا لیکن فوراً ہی اسے رسول اللہؐ سے کیا ہوا اپنا وعدہ یاد آ گیا اور دل میں خیال کیا کہ چوری کے جرم کے ارتکاب کے بعد وہ کس منہ سے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گا چنانچہ یہ سوچنے کے بعد وہ اس رات چوری کے ارتکاب سے باز آ گیا اس طرح دوسرے دن اس نے کسی اور جرم کے ارتکاب کا ارادہ کیا تو اسے پھر حضور اکرمؐ کا وعدہ یاد آ گیا تو وہ ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گیا اور اس طرح اس جرم کے ارتکاب سے بچ گیا رفتہ رفتہ اس نے تمام جرائم سے نجات حاصل کر لی اور اسلامی معاشرے کا ایک مفید شہری بن گیا۔

Marfat.com

شرعی حدود میں اگرچہ سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں لیکن اس بارے میں رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ شرعی حدود کے نفاذ سے پہلے مجرموں کو شک کا فائدہ دو مقصد اصلاح ہے کسی کو تکلیف دینا نہیں ہے۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کے دوران ان اسلامی اصولوں پر عمل ہوتا رہا جس کے نتیجے میں اسلامی معاشروں میں جرائم کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔

جرائم کی تفتیش کے لئے ترقی یافتہ ممالک میں جو نفسیاتی طریقہ استعمال کیا جاتا ہے وہ اس طریقے کی ترقی یافتہ شکل ہے جو رسول اللہؐ اور دوسرے مسلمان حکمرانوں نے استعمال کیا تھا لیکن حیرت کا مقام ہے کہ ہمارا ملک جو اسلام کے نام پر قائم کیا گیا تھا اس کی پولیس اس اسلامی طریقے سے ناواقف ہے اور نہ ہی علماء حضرات نے انہیں کبھی اسلامی طریقے کی تفصیلات بتانے اور بیان کرنیکی زحمت گوارا کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ غیر ملکی حکمرانوں نے تفتیش کے لئے جو ظالمانہ طریقے استعمال کئے تھے ہماری پولیس ابھی تک انہیں اپنائے ہوئے ہے اسے اس سے غرض نہیں کہ ان طریقوں کے استعمال سے کسی مجرم یا ملزم کی جان جاتی ہے یا نہیں، کیونکہ ابھی تک کسی ایسے پولیس والے کا احتساب نہیں کیا گیا کہ جس نے تفتیش کے دوران ملزموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہو۔

یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ جرائم کی تفتیش کے لئے نفسیات کے علم سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے پولیس کے اعلیٰ افسروں کے لئے لازمی قرار دیا جائے کہ انہوں نے نفسیات کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رکھی ہو ہمارے ہاں ایسے نوجوانوں کی کمی نہیں جنہوں نے نفسیات کی اعلیٰ تعلیم اختیار کر رکھی ہے لیکن ان کی خدمات سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ زمانے کے بدلے ہوئے حالات کا تقاضا ہے کہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اور جرائم کی تفتیش کو جدید خطوط پر استوار کیا جائے۔ جس میں پولیس کے لئے تیسرے درجہ کے طریقوں کے استعمال کی گنجائش ہی نہ رہے۔ خیال رہے کہ ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان میں بھی آج سے کچھ عرصہ پہلے تک

Marfat.com

جرائم کی تفتیش کے لئے ہماری پولیس کی طرح کے وحشیانہ طریقے استعمال کئے جاتے تھے کیونکہ ان دونوں ممالک نے یہ طریقے غیر ملکی حکمرانوں سے ورثے میں پائے تھے لیکن اب وہاں ان طریقوں کو ترک کیا جاچکا ہے اور علم نفسیات سے فائدہ اٹھا کر مجرموں کی اصلاح کی جارہی ہے۔

عوام کو اس بارے میں حکومت سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ اب کسی صورت میں پولیس کو تیسرے درجہ کے طریقے استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے اور اگر کوئی مجرم کسی پولیس افسر کے تشدد کی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو اس پولیس افسر کو تختہ دار پر لٹکایا جائے اور ہمارے بڑے بڑے قانون دان حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں اگر وہ تشدد کے مجرم کسی ایک پولیس افسر کو بھی تختہ دار پر لٹکا دیں تو جرائم کی تفتیش کے وحشیانہ طریقے ہمارے معاشرے سے ختم ہو سکتے ہیں۔ (اکتوبر ۱۹۸۹ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

جرائم کی تفتیش کا اسلامی طریقہ

حال ہی میں اسلام آباد میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی ہے جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ جرائم کی تفتیش۔ جدید سائنسی طریقے پر کی جائے اور پولیس اس مقصد کے لیے کہ جو تیسرے درجے کے طریقے استعمال کرتی ہے ان کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ پولیس تشدد کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے ایک انجمن کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے جس کا نام ہے VOICE AGAINST TORTURE یعنی تشدد کے خلاف احتجاج جن حضرات نے جرائم کی تفتیش کے جدید طریقوں کا مطالعہ کیا ہے وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اسلام نے آج سے چودہ سال پہلے ٹھیک ٹھیک یہی طریقے استعمال کیے۔

یہ جدید طریقے علم نفسیات پر مبنی ہیں اور حیرت کی بات ہے کہ نفسیات کو جدید علم سمجھا جاتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کے لیے ٹھیک ٹھیک وہی طریقے اختیار کیے جنہیں آج سائنسی طریقوں کا نام دیا جاتا ہے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریق کار اختیار کیا اس کے مطالعہ سے سب سے پہلے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ معاشرے میں جرائم کا ارتکاب عام طور پر ایسے لوگ کرتے ہیں جنہیں کسی نہ کسی وجہ سے محرومی کا احساس دلا دیا گیا۔

Marfat.com

پھر یہ محرومی کسی شخص میں تھوڑی ہوتی ہے اور کسی میں زیادہ۔ اب اگر متعلقہ فرد کی اس محرومی کو ختم کر دیا جائے تو پھر وہ شخص جرائم سے بھی باز آجاتا ہے۔ شریعت اسلامی میں جرائم کی سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ان سزاؤں کا نفاذ کیا تو مجرم لوگ خود بخود اپنے آپ کو آپ ؐ کے سامنے پیش کرنے لگے۔ مجرموں کے ساتھ آپ ؐ کا رویہ مشفقانہ تھا اور یہ رویہ قرآن مجید کی تعلیم کی روشنی میں تھا اللہ تعالیٰ نے ان مجرموں کو ان الفاظ میں خطاب کیا ہے۔

ترجمہ:۔ اے میرے بندو' جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ (سورۃ الزمر: ۵۳)

دیکھئے اس آیت شریفہ میں مجرموں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کہہ کر خطاب کیا ہے اور ان کے جرائم کو ان کے اپنے نفسوں پر ظلم سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے مجرموں سے اس قرآنی آیت کی روشنی میں سلوک کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ کا بدترین مجرم پیش ہوا جو چوری' زناکاری ڈاکہ زنی' غرض کہ ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتا تھا' آپ اس مجرم سے بڑی محبت سے پیش آئے وہ مجرم آپ کے رویے سے حیران رہ گیا کیونکہ ابھی تک اس کے ساتھ کسی نے اس پیار سے بات نہیں کی تھی اس نے آپ کے سامنے یہ تسلیم کیا کہ وہ ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتا رہا ہے اس لیے اے اللہ کے رسول مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیے کہ میری ان جرائم سے خلاصی ہو جائے آپ نے اس مجرم سے فرمایا کہ وہ صرف ایک وعدہ کرے کہ وہ آئندہ کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔ وہ مجرم حیران تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے جرائم سے باز رہنے کی بجائے ایک معمولی سا مطالبہ کیا ہے۔ اس نے آپ کے سامنے صدق دل سے عہد کیا کہ وہ آئندہ جھوٹ نہیں بولے گا اور دربار نبوی سے چلا گیا۔

Marfat.com

جب رات کا اندھیرا چھایا تو اس کے اندر کا چور جاگا اور اس نے چوری کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن جھٹ ہی اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا اپنا وعدہ یاد آگیا کہ میں کس منہ سے ان کے حضور جاسکوں گا کیونکہ اگر وہ مجھ سے میرے کام کے متعلق پوچھیں گے تو مجھے اپنے اس فعل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سخت ندامت ہوگی چنانچہ اس سوچ بچار کے بعد وہ چوری کرنے سے باز آگیا' دوسرے دن' اسے زناکاری کا خیال آیا تو پھر وہ پہلے دن کی ذہنی کش مکش میں مبتلا ہوگیا اور اس طرح اس جرم کے ارتکاب سے باز رہا۔ رفتہ رفتہ اس نے تمام جرائم ترک کر دیے اور سچا مسلمان ہوگیا۔

جرائم کو ختم کرنے کا یہ طریقہ یورپی ممالک میں تو آزمایا جارہا ہے لیکن حیرت ہے کہ جو ملک اسلام کے نام پر قائم کیا گیا ہے نہ تو وہاں کی پولیس اس طریقے سے باخبر ہے اور نہ ہی کبھی علماء حضرات نے اسے اپنانے کا مطالبہ کیا ہے' ہمارے ہاں جرائم کی تفتیش کے لیے ابھی تک صدیوں پرانا وہی طریقہ استعمال ہوتا ہے جو انگریزوں نے اپنے استعماری مقاصد کو تقویت دینے کے لیے رائج کیا تھا۔ اس طریقے کا استعمال تاریخ کے وحشیانہ ادوار کی یاد دلاتا ہے کیونکہ ملزم بعض اوقات جس کا جرم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا' اسے اتنا مارا جاتا ہے کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس قسم کے ملزموں کی اموات کی خبریں روزانہ اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی یہ خبر شائع نہیں ہوئی کہ بے قصور ملزموں کو موت کے گھاٹ اتارنے والے پولیس کے کسی اہلکار کو تختہ دار پر لٹکایا گیا ہو چنانچہ یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے' بے گناہ ملزموں پر بے روک ٹوک ظالمانہ تشدد کیا جاتا ہے جس سے ان کی اموات واقع ہو رہی ہیں اور کوئی شریف شہری ان مظالم کے خلاف احتجاج نہیں کرتا۔ اس ماحول میں "تشدد کے خلاف" "آواز" نامی سوسائٹی کا قیام خوش آئند ہے اس سوسائٹی نے اپنے پہلے ہی اجلاس میں مطالبہ کیا ہے کہ جرائم کی تفتیش کے لیے تیسرے درجے کے پولیس ہتھکنڈوں پر فوری پابندی لگائی جائے اور اس مقصد کے

Marfat.com

لیے جدید سائنسی طریقوں کو اپنایا جائے۔

تاہم اس مطالبے کو قابل عمل بنانے کے لئے انہوں نے کوئی قابل عمل تجویز پیش نہیں کی' یورپ کی طرح جرائم کی تفتیش کا کام بھی ایسے پولیس افسروں کے حوالے کیا جائے۔ جنھوں نے نفسیات کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہو بلکہ کیا ہی اچھا ہو کہ فوری طور پر ایس ۔ پی اور ڈی۔ ایس۔ پی کے عہدوں کے لیے نفسیات کی اعلیٰ تعلیم کو بنیادی شرط قرار دیا جائے' ہمارے ہاں نفسیات کے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی کمی نہیں' لیکن ان کی خدمات سے پوری طرح فائدہ نہیں اٹھایا جارہا موجودہ زمانے کے حالات اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ ان کی اس فیلڈ میں علمی لیاقت سے فائدہ اٹھایا جائے۔

ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان میں بھی پولیس یہی تیسرے درجے کے طریقے استعمال کرتی رہی ہے۔ لیکن اب یہ رجحان ختم ہو چکا ہے وہاں پر علم نفسیات کے ذریعے مجرموں کو تفتیش کی جارہی ہے۔ لیکن ہم ابھی تک نو آبادیاتی نظام کے غیر انسانی وحشیانہ طریقے کو اپنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ جدید نفسیاتی طریقے اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔

پولیس جس طرح بے گناہ شہریوں پر مظالم ڈھاتی رہتی ہے اس کے خاتمے کے لئے صرف اسلام آباد میں قائم ہونے والی سوسائٹی ہی کافی نہیں بلکہ ہر درد مند شہری کو اس صورت حالات کا نوٹس لینا چاہیے تاکہ آئندہ کوئی زیر تفتیش ملزم موت کے گھاٹ نہ اتارا جاسکے اگر اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آجائے تو شہریوں کی ایسی انجمن ہونی چاہیے جو اس قسم کے پولیس اہلکاروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے قانونی کارروائی کرسکے۔ ہمارے ملک میں بڑے بڑے قانون دان ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے اس شعبے کے حوالے سے بہت کچھ دے رکھا ہے کاش وہ اپنا تھوڑا سا وقت اس انسانی کام کے لیے بھی دے سکیں۔ تاکہ آئندہ پولیس بے گناہ لوگوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بنا سکے۔ (دسمبر ۱۹۸۹ء)

Marfat.com

تصویر یا فوٹو جرائم کی تفتیش کا اہم ذریعہ ہے

اسلام کا مطلب سلامتی ہے اس لئے وہ معاشرے سے ہر قسم کے جرائم کا خاتمہ کر کے اسے پر امن بنانا چاہتا ہے۔ جرائم کے خاتمے کیلئے جو طریقہ بھی معاون ثابت ہو اسلام اس کی اجازت دے گا۔ موجودہ دور میں فوٹو یا تصویریں جرائم کی تفتیش کا اہم ذریعہ بن چکے ہیں۔ تمام عادی مجرموں کی تصاویر تفتیشی اداروں کے پاس محفوظ ہوتی ہیں۔ اور یہ ادارے ان تصاویر کے ذریعے جرائم کا کھوج لگا لیتے ہیں۔ حیرت ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں جب کہ تصویر' علم پھیلانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ بن چکا ہے' ہمارے بعض نیم تعلیم یافتہ علماء جن کی ہمارے معاشرے میں اکثریت ہے۔ اس کے حرام ہونے پر اصرار کر رہے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ جس طرح حرام شراب سے بیماریوں کے علاج کیلئے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا' اسی طرح فوٹو یا تصاویر کے ذریعے علم حاصل کرنا' یا اسے کسی دوسرے مقصد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے تک تو بڑے بڑے جید علماء جن میں بعض کو ان کے عقیدت مند اسلامی مفکر کے طور پر متعارف کراتے ہیں کا اس بارے میں یہی فتویٰ تھا۔ اس بارے میں جماعت اسلامی کے بانی سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کا فتویٰ ان کی کتاب رسائل و مسائل جلد اول میں اب بھی موجود ہے۔ لیکن بعد میں زمانے کے تقاضوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اس بارے میں نرم رویہ اختیار کریں۔ چنانچہ

Marfat.com

اخبارات میں ان کے فوٹوں کے مختلف پوز شائع ہونے لگے اور شائع ہو رہے ہیں۔ لیکن چونکہ ان حضرات نے تصاویر کو حرام قرار دینے والے فتوے واپس نہیں لئے اس لئے ابھی تک ان حضرات کے بعض عقیدت مند انہیں حرام قرار دیتے ہیں۔

حال ہی میں اسلامی ملک افغانستان میں ایسے لوگ برسراقتدار آگئے ہیں جو قدامت پسند دینی مدارس کے تعلیم یافتہ ہیں' ان حضرات نے سرکاری طور پر فوٹو کے حرام ہونے کا فتویٰ جاری کیا۔ ٹیلی ویژن جو آج تعلیم و تعلم کا بہت زیادہ مؤثر طریقہ بن چکا ہے اس پر پابندی لگا دی اور لوگوں کے گھروں سے انہیں اکٹھا کر کے سر راہے انہیں توڑ پھوڑ دیا۔ چنانچہ ہمارے ہاں کے ایسے نیم تعلیم یافتہ علماء نے نہ صرف ٹیلی ویژن کو حرام قرار دے دیا ہے بلکہ وہ فوٹو اور تصاویر کے بارے میں بھی انہوں نے ایسا ہی رویہ اختیار کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان حضرات کا قرآن و حدیث کا مطالعہ بڑا ہی محدود ہے۔ اگر وہ اسلامی قانون کے ان بنیادی ذرائع کا غور سے مطالعہ کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ شریعت اسلامی نے بتوں سے اس لئے منع کیا ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بتوں کی پرستش نہ کرنے لگ جائیں جہاں تک علمی مقاصد کیلئے تصویر کشی کا تعلق ہے تو قرآن مجید میں اس کو واضح اجازت ملتی ہے جس کو تفصیلات ائندہ صفحات میں پیش کی جارہی ہیں۔ احادیث نبوی میں تصاویر کے بارے میں جو روایات ملتی ہے ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کو بت پرستی سے روکا جائے۔

اب جبکہ وہ علماء حضرات' جو تصویر کشی کو حرام قرار دیتے رہے ہیں عملاً اسے جائز قرار دے چکے ہیں' ان سے توقع ہے کہ اس بارے میں اپنے پہلے فتاوی کو واپس لیکر لوگوں کو اس مفید ذریعہ علم سے محروم ہونے سے بچانے کی کوشش کریں۔ آئندہ صفحات میں اس بارے میں قرآن وحدیث سے جو تفصیلات پیش کی جارہی ہیں۔ ان سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ جرائم کی تفتیش اور علمی مقاصد کے لئے تصاویر کو شریعت اسلامی میں واضح اجازت ملتی ہے۔

Marfat.com

قرآن مجید میں تصاویر کا ذکر

قرآن مجید میں اسلام کے وہ تمام احکامات بیان کر دیئے گئے ہیں۔ جن پر عمل کرنا مسلمانوں کیلئے لازمی ہے۔ کچھ احکامات تو بالکل واضح الفاظ میں دیئے گئے ہیں مثلاً یہ کہ سود حرام ہے شرک بہت بڑا گناہ ہے اور کچھ ایسے معاملات ہیں کہ ان کے بارے ہیں واضح احکامات تو نہیں دیئے گئے لیکن ان کا قرآن مجید میں ذکر موجود ہے۔ انہیں معاملات میں سے ایک تصاویر کا مسئلہ ہے۔ قرآن مجید میں تصاویر کا ذکر ہے۔ اور اس ذکر کے حوالے سے کچھ اہل علم انہیں جائز قرار دیتے ہیں جبکہ بعض انہیں ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں سورۃ سبا میں ارشاد ربانی ہے:۔

یعلمون له مالیشاء من محاریب و تماثیل۔ (سورۃ سبا۔ ۱۳)

(ترجمہ) جنات! حضرت سلیمان علیہ السلام کی خواہش کے مطابق ان کے لئے مساجد اور تصاویر بنایا کرتے تھے۔

اس آیت میں جو لفظ محاریب ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے معنے قلعے کے کئے ہیں جبکہ اکثریت نے اس سے مراد مساجد لی ہیں اور سیاق و سباق کے لحاظ سے یہ معنی زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ اسس آیت میں جو دوسرا لفظ تماثیل آیا ہے۔ اس کے بارے میں ہمارے مفسرین نے بڑی لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں ان تمام بحثوں کا

Marfat.com

خلاصہ مشہور مفسر امام ابو عبداللہ قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن، جو تفسیر قرطبی کے نام سے مشہور ہے۔ میں بیان کیا ہے۔ اس لئے اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے اس خلاصہ کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ سورۃ سبا کی اس آیت میں جو لفظ تماثیل استعمال ہوا ہے۔ وہ تمثال کی جمع ہے اور اس سے مراد جاندار یا بے جان چیزوں کی تصاویر اور مجسمے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ تصاویر یا مجسمے عام طور پر شیشے۔ تانبے اور سنگ مرمر کے بنائے جاتے تھے۔ لیکن مجسمے زیادہ تر بے جان چیزوں کے بنائے جاتے تھے۔

بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے جو تصاویر یا مجسمے بنائے جاتے تھے وہ انبیاء علیہ السلام اور بڑے بڑے علمائے دین کی شبیہہ ہوتی تھیں۔ ان تصاویر اور مجسموں کو مساجد میں نصب کیا جاتا تھا تاکہ لوگ ان نیک لوگوں کی تصاویر دیکھ کر زیادہ کوشش سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا۔ کہ جب پہلی امتوں میں کوئی نیک آدمی وفات پاتا تھا۔ تو لوگ اس کے قبر پر مسجد بنا لیتے تھے۔ اور اس میں نیک لوگوں کی تصاویر بنایا کرتے تھے۔ تاکہ عبادت کرتے وقت انہیں یہ نیک بندے یاد آجائیں اور اس طرح عبادت میں زیادہ محنت کریں۔ اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس زمانے میں تصاویر اور مجسمے بنانے جائز تھے۔ لیکن بعد میں شریعت محمدی نے اس اجازت کو منسوخ کر دیا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے۔ کہ تماثیل سے مراد جادو ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنوں کا مشغلہ تھا۔ اس جادو کے ذریعے وہ تصاویر بنانے والے لوگوں پر یہ پابندی لگا دیتے تھے کہ وہ فلاں حد سے آگے نہ بڑھے۔ مثلاً وہ مکھی، مچھر اور مگرمچھ کا مجسمہ بنا لیں اور لوگوں کو کہتے کہ ان میں سے کوئی بھی ان مجسموں سے آگے نہ بڑھے۔ چنانچہ جب تک یہ مجسمے ان جگہوں پر رہتے تو کوئی بھی ان سے آگے بڑھنے کی جرات نہیں کرتا تھا۔ (وہ ڈرتے تھے کہ یہ جادو کے مجسمے ہیں اگر

Marfat.com

انہوں نے ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو انہیں نقصان ہو گا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں جو لفظ تماثیل استعمال ہوا ہے تو اس سے مراد' انسانوں کے مجسمے ہیں جو تانبے سے بنائے جاتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے انسانوں کے یہ مجسّمے بنوا کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ ان میں روح پھونک دے۔ تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کر سکیں اور ان پر کوئی ہتھیار عمل نہ کر سکے۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور پہلوان اسفند یار انہیں تانبے کے بنائے گئے انسانوں مین سے ایک تھا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے روح پھونکی تھی۔ اوز اللہ تعالیٰ ہی صحیح چیز کا علم رکھتا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ ان جنوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ان کے تخت کے نیچے دو شیر بنا دیئے تھے اور اس کے اوپر دو گدھ بنا دیئے تھے۔ پس جب آپ تخت پر بیٹھتے تو وہ دونوں شیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اپنے بازو پھیلا دیتے اور جب آپ تخت پر بیٹھ جاتے تو گدھ اپنے پر آپ پر پھیلا دیا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں تیسرا قول وہ ہے جو علامہ المکی نے اپنی کتاب الھدایتہ میں بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ علماء کے ایک گروہ نے تصویر کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور اس کے جائز ہونے کیلئے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن ابن عطیتہ نے اس قول کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ ائمہ دین میں سے کسی نے تصویر کو جائز قرار دیا ہو۔

لیکن مفسر ابو عبداللہ قرطبی جو تفسیر قرطبی کے مصنف ہیں فرماتے ہیں کہ تصویر کے جائز ہونے کے بارے میں علامہ المکی نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ان سے پہلے امام النحاس بھی بیان کر چکے ہیں۔ کہ اس آیت کے حوالے سے علماء کی ایک جماعت نے تصویر بنانے کو جائز قرار دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی واقعہ ہے کہ وہ تصاویر اور مجسمے بناتے تھے۔ لیکن ہمارے رسول اللہ صلعم سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے تصاویر بنانے سے منع کیا تھا۔ بلکہ تصویریں

Marfat.com

بنانے والوں کو عذاب کی وعید سنائی تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے تصویر بنانے کی اجازت کو منسوخ کر دیا۔ اور اس کی حکمت یہ تھی کہ جب رسول اللہ صلعم کو نبوت عطا کی گئی تو اس وقت تصاویر اور مجسموں کی عبادت کی جاتی تھی اور اس کا خاتمہ ضروری تھا۔

اس بارے میں چوتھا قول یہ ہے کہ تصاویر اور مجسمے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک جاندار اشیاء کے اور دوسرے غیر جاندار اشیاء کے۔ پھر غیر جاندار اشیاء کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بالکل جامد ہیں دوسری جو جو بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہتی ہیں۔ اور جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ان سب چیزوں کو تصاویر اور مجسمے بنایا کرتے تھے۔ کیونکہ اس آیت میں جو لفظ تماثیل آیا ہے۔ وہ عام ہے اور سب چیزوں کو احاطہ کرتا ہے اور اسرائیلی روایات' جو بعض مسلمان مفسروں نے اختیار کرلی ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان کے تخت پر پرندوں کے مجسمے بنے ہوئے تھے۔ اگر کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تصاویر بنانے کی اجازت کیسے دی تھی۔ حالانکہ یہ شریعت محمدی میں منع ہیں تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ تصاویر بنانا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا بعد میں شریعت محمد نے اسے منسوخ کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی صحیح بات کو جانتے ہیں اور ابن العالیتہ سے روایت ہے کہ پہلے شریعتوں میں تصویریں بنانا حرام نہیں تھا۔

اس بارے میں پانچواں قول یہ ہے کہ اگر احادیث نبوی کو دیکھا جائے تو وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تصاویر شریعت اسلامی میں ممنوع ہیں۔ سوائے ان تصاویر کے کہ کپڑوں پر بنائی گئی ہوں۔ تو ان تصاویر کو دوسری تصاویر سے علیحدہ سمجھا گیا۔ پھر کپڑوں پر تصاویر کے بارے میں بھی آپ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جب آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کپڑے کو میرے سامنے سے ہٹا دیجئے کیونکہ جب بھی میری نظر اس کپڑے پر پڑتی ہے تو مجھے دنیا یاد آجاتی ہے۔ پھر جس کپڑے سے آپ نے منع کیا تھا تو اسے پھاڑ کر اس کے تکیے بنا دیئے گئے۔

Marfat.com

اس طرح اس تصویر والے کپڑے کی شکل بدل گئی۔ اور تکیے میں اس تصویر والے کپڑے کی شکل اس طرح بدل جائے کہ اس میں تصویر کی پوری شکل باقی نہ رہے۔ اگر اس کی پوری شکل باقی رہیگی تو پھر بھی جائز نہیں ہوگا۔ اور اس کے حرام ہونے کا ثبوت یہ ہے۔ کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کیلئے ایک تصاویر والا تکیہ خریدا تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور ٹیک لگائیں۔ تو آپ نے اس سے منع فرمایا بلکہ اسے مستحق عذاب قرار دیا۔ اور ایک حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے ایک ایسے کپڑے کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی جس میں تصاویر تھیں۔ تو اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ شروع میں ایسا کرنا جائز تھا۔ لیکن بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی۔ اور اس کے بعد سے لیکر آج تک تصاویر کو ناجائز سمجھا جاتا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی صحیح بات کو جانتے ہیں یہ ابن العربی مالکی نے بیان کیا ہے۔

اس بارے میں چھٹا قول یہ ہے جو امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے گھر میں ایک پردہ تھا جس پر پرندوں کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ جب کوئی ہمارے گھر آنے والا آتا۔ تو سب سے پہلے اس کی نظر اس پردے پر پڑتی تھی۔ تو ایک دن رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اس پردے کو ہٹادو۔ کیونکہ جب بھی گھر میں داخل ہوتے وقت میری نظر اس پر پڑتی ہے تو مجھے دنیا یاد آجاتی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ان کی ایک مخملی چادر تھی۔ جس پر ریشم کے نشان تھے تو ہم اس چادر کو پہنا کرتے تھے۔ اور ان سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جب رسول اللہ صلعم تشریف لائے تو انہوں نے اپنے آپ کو ایک ایسے باریک پردے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ تو اس سے آپؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ پھر آپ نے پردہ پکڑ کر اسے پھاڑ دیا۔ پھر فرمایا کہ قیامت کے دن ان لوگوں کو سخت عذاب دیا جائے گا جو چیزوں کی تصاویر بنا کر اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت سے مشابہت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک ایسا کپڑا تھا کہ جس میں گھر کے برآمدے تک تصاویر بنی

Marfat.com

ہوں تھیں۔ رسول اللہ صلعم جب نماز پڑھا کرتے تھے تو وہ کپڑا آپ کے سامنے ہوا کرتا تھا۔ تو ایک دن آپ نے فرمایا کہ اس کپڑے کو سامنے سے ہٹالو۔ پس میں نے وہ کپڑا وہاں سے ہٹا دیا اور اس کے دو تکیے بنالئے۔ بعض ائمہ نے ان احادیث کی روشنی میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے جو تصاویر والا پردہ پھاڑا تھا یا اپنے سامنے سے ہٹوا دیا تھا تو یہ عمل تقوی پر مبنی تھا۔ کیونکہ نبوت اور رسالت میں تو تقویٰ کی بلندی ہوتی ہے۔ جس کا آپ نے خیال کیا۔ ویسے یہ معاملہ حرام نہیں تھا۔ اس لئے اس معاملے کا غور سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ مختصر یہ کہ رسول اللہ صلعم سے تصاویر کی جو ناپسندیدگی روایت کی جاتی ہے۔ تو وہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ تصاویر حرام تھیں۔ بلکہ آپ چونکہ تقویٰ کی بلندیوں پر تھے اس لئے ان چیزوں سے احتراز کرتے تھے۔

اس بارے میں ساتواں قوال یہ ہے کہ جو علامہ المزنی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے۔ کہ اگر کسی آدمی کو شادی میں شرکت کی دعوت دی جائے۔ اور وہاں پر کسی ایک ذی روح کی تصویر ہو یا ایسی بہت سی تصاویر ہوں۔ تو اگر یہ تصاویر دیواروں پر لگی ہوئی ہوں تو اسے اس گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اگر وہ تصاویر نیچے زمین پر پڑی ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں۔ اور اگر یہ تصاویر درختوں کی ہوں تو بھی ان کا یہی حکم ہے۔ اس بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے۔ کہ جو تصاویر پردوں پر رقم ہوں اور یہ پردے لٹکے ہوئے ہوں تو یہ حرام تو نہیں لیکن ناپسندیدہ ضرور ہیں۔ اسی طرح ان کے نزدیک عمارتوں میں نقش کردہ تصاویر بھی حرام ہیں۔ ہاں بعض کے نزدیک کپڑوں پر بنائی گئی تصاویر جائز ہیں اور اس کیلئے وہ سہل بن حنیف سے روایت کردہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ سوائے ان تصاویر کے جو کپڑوں پر نقش ہوں۔

مصنف فرماتے ہیں کہ احادیث کے مطابق رسول اللہ صلعم نے تصویریں بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور اس لعنت سے کسی خاص قسم کی تصویریں بنانے والے کو مستثنیٰ نہیں کیا اس بارے میں آپ کا ارشاد یہ ہے۔ کہ ان تصویروں کے

Marfat.com

بنانے والوں کو قیامت کے دن سخت عذاب دیا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ جو کچھ تم نے بنایا تھا۔ انہیں زندہ کرو۔ اور آپ نے اس حدیث میں کسی مصور کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا تھا۔ اور صحیح ترمذی میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ سے آگ کا ایک ٹکڑا نکلے گا۔ جس کی دو آنکھیں ہوں تو جس سے وہ دیکھ سکے گا اور دو کان ہونگے جن سے وہ سن سکے گا اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بول سکے گا۔ اور کہے گا کہ تین قسم کے لوگوں کی سرکوبی اسے سونپی گئی ہے پہلا گروہ سرکش لوگوں کا دوسرے وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہیں اور تیسرے وہ جو تصاویر بناتے ہیں۔ سنن ترمذی کے جامع امام ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ غریب ہے لیکن حسن اور صحیح ہے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد بیان کیا گیا ہے۔ کہ قیامت کے دن تصویر بنانے والوں کو سب سے زیادہ سخت عذاب دیا جائے گا۔ تو یہ ارشاد نبوی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ہر قسم کی تصویر بنانا ناجائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ تم اس کے درخت کو پیدا نہیں کر سکے۔

اس بارے میں آٹھواں قول یہ ہے کہ بچوں اور بچیوں کے کھلونے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے سات سال کی عمر میں ان سے شادی کی اور نو سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی۔ اور وہ رخصتی کے ساتھ اپنے کھلونے بھی ساتھ لائی تھی اور جب رسول اللہ صلعم کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ اور ان سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلعم کے پاس دوسری لڑکیوں کے ساتھ مل کر کھیلا کرتی تھی اور میری سہلیاں میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ اور جب رسول اللہ صلعم گھر میں داخل ہوا کرتے تھے۔ تو وہ کمرے میں ہر پردوں کے پیچھے چھپ جایا کرتی تھیں۔ آپ انہیں میرے پاس بھیج دیتے اور وہ میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ اس حدیث کو صحیح مسلم میں روایت کیا گیا ہے۔

Marfat.com

۷۔ اسلام نے کہا ہے کہ بچیوں کے لئے کھلونوں اور گڑیوں کا جواز ضرورت کے لئے ہے اور بچیوں کو اس کی خاص ضرورت ہے کہ اولاد کی تربیت کے لئے ان گڑیوں کے ذریعے انہیں سکھایا جائے۔ پھر یہ بات بھی ہے۔ کہ ان گڑیوں کی کوئی مستقل نوعیت نہیں۔ اس لئے جو تصاویر مٹھائی سے کھانے کیلئے بنائی جائیں وہ جائز ہیں اور اسی طرح آٹے وغیرہ سے بنائی جانے والی تصاویر کا حکم ہے کہ وہ دیرپا نہیں ہوتیں تو ان کے بارے میں شریعت اسلامی میں رخصت دی گئی۔ اور اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ وہی بہتر جانتے ہیں۔

(تفسیر الجامع الاحکام القرآن از امام قرطبی جلد چودھویں ۲۷۲ تا ۲۷۵)

قرآن مجید کی سورۃ سبا میں جن تصاویر کا ذکر ہے اس کے بارے میں علمائے اسلام کا نقطہ نظر خود ان کی زبانی تفصیل سے پیش کر دیا گیا ہے۔ جن کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

۱۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے تصاویر اور مجسمے بنوایا کرتے تھے۔

۲۔ یہ مجسمے انبیاء علیہ السلام اور نیک لوگوں کے ہوتے تھے جنہیں مساجد میں نصب کیا جاتا تھا۔ تاکہ عام لوگوں میں عبادت کا شوق پیدا ہو۔

۳۔ اس آیت کی روشنی میں تصاویر اور مجسموں کے جائز ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ مسلمان ائمہ کی ایک جماعت اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے تصاویر کو جائز قرار دیتی ہے۔

۴۔ تاہم جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ یہ تصاویر اور مجسمے بنانا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تو جائز تھا۔ لیکن شریعت محمدی میں اس اجازت کو منسوخ کر دیا گیا۔

۵۔ قرآن کے حکم کو قرآن مجید کا دوسرا حکم ہی منسوخ کر سکتا ہے۔ لیکن اس منسوخی کیلئے احادیث نبوی سے استدلال کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

تصویر کی شرعی حیثیت کے بارے میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں اور جن میں سے کچھ اوپر والی تفسیر میں بھی نقل ہوئی ہیں۔ ان کے بارے میں تو آئندہ باب میں تفصیل سے گفتگو ہوگی۔ یہاں ہم قران مجید کی روشنی میں تصویر کی شرعی حقیقت کے بارے میں کچھ عرض کرینگے۔

قرآن مجید میں ایک سے زیادہ مرتبہ اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کی طرف ایک ہی شریعت نازل فرمائی اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ اہل ایمان کی زبان کہلوایا گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ **لا نفرق بین احد من رسلہ** (سورۃ البقرہ۔ ۴۰) ترجمہ۔ ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے درمیان کوئی فرق تفریق نہیں کرتے۔ ایسا ہی ارشاد سورۃ بقرہ کی آیت ۱۶ اور سورۃ آل عمران کی آیت میں بھی ہوا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ جن کے جدا مجد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس شریعت کی تعلیم دی۔ مسلمانوں کیلئے وہ شریعت سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس شریعت میں تماثیل کو جائز بھی قرار دیا گیا ہے اور حرام بھی قرار دیا گیا ہے اور اس کی وضاحت بھی کردی گئی ہے کہ کب وہ جائز ہونگی اور کب ناجائز ہونگی۔ جب ان سے تعلیمی فائدہ حاصل کیا جائے گا تو قرآن مجید کے مطابق یہ جائز ہونگی۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام اسی مقصد کیلئے جنوں سے یہ تصاویر بنوایا کرتے تھے۔ ہاں اگر انہیں عبادت کی غرض سے بنایا جائے گا تو یہ حرام ہونگی۔ اور اس کی وضاحت بھی خود قرآن مجید میں ہی کردی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اور ان کی قوم ان تماثیل کو پوجا کرتے تھے۔ تو اس بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے یہ سوال کیا۔

ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون (سورۃ الانبیاء۔ ۵۲)

(ترجمہ) ان تماثیل کی حیثیت کیا ہے جن کے سامنے تم لوگ جمے بیٹھے ہو۔

علامہ قرطبی نے اس آیت میں تمثال کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

Marfat.com

اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کے مشابہ بنائی گئی ہو۔ (جامع احکام القرآن از علامہ قرطبی جلد گیارہ ۲۹۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگے چل کر خود ان تماثیل کی وضاحت کر دی ہے۔ آپ نے اپنی قوم کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

واللہ لاکیدن اصنامکم۔ سورۃ الانبیاء۔ ۵۷)

(ترجمہ) اللہ کی قسم میں تمہارے ان اصنام یعنی بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تماثیل کے بارے میں جو طرز عمل اختیار کیا اس پر اگر غور کیا جائے تو اس سے تصاویر کی شرعی حیثیت کے بارے میں کچھ وضاحت ہو جاتی ہے۔ اگر مجسّے یا مورتیوں یا تصاویر کے سامنے رہنا یا ہونا' حرام' ناجائز اور غلط ہوتا تو حضرت ابراہیم اپنی قوم کے لوگوں کو کہہ سکتے تھے کہ تم لوگ ان تماثیل کے سامنے نہ بیٹھا کرو۔ مگر آپ نے یہ نہ فرمایا بلکہ ان کی قوم کے لوگ جن تماثیل کے سامنے بیٹھے اور جھکے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق ان لوگوں کا تصور جاننے کیلئے ان سے پوچھا کہ یہ کیسی تماثیل ہیں جن کے سامنے تم جم کر بیٹھے رہتے ہو۔ چنانچہ ان لوگوں نے آپ کے اس سوال کے جواب میں جو کچھ کہا اس سے ان کا وہ تصور واضح ہو جاتا ہے جو تماثیل کے بارے میں انہوں نے قائم کر رکھا تھا۔ انہوں نے ان تماثیل کی عبادت کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ اس لئے ہم بھی ان کی پیروی میں ایسا کر رہے ہیں تو ان کے اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معاملہ صرف تماثیل کا نہیں تھا۔ بلکہ ان تماثیل کے بارے میں ان کے غلط تصور کا معاملہ تھا۔ وہ لوگ ان تماثیل کی عبادت کیلئے ان کے سامنے بیٹھے رہتے تھے۔ چونکہ یہ تصور باطل تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیم نے اعلان فرمایا دیا:۔

لقد کنتم انتم واباء کم فی ضلل بعد (سورۃ الانبیاء)

Marfat.com

(ترجمہ) البتہ تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی سب کے سب صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔ اس سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعتراض تماثیل پر نہ تھا بلکہ اس تصور پر تھا جو ان کی قوم ان تماثیل کے بارے میں رکھتی تھی۔ کہ یہ تماثیل ان کی حاجات کو پورا کرتی ہیں اور انہیں نفع و نقصان پہنچاتی ہیں۔ یہ غیبی امور سے باخبر ہیں صاحب اختیار ہیں حیات و موت کی ضامن اس لئے عبادت کے لائق ہیں۔ چنانچہ جب آپ نے ان کے اس تصور کو غلط قرار دیا تو ان لوگوں کو سخت حیرت ہوئی۔ اور انہوں نے حضرت ابراہیم کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

اجئتنا بالحق ام انت من الاعبین۔ (سورہ الانبیاء)

(ترجمہ) کیا جو بات تم کہہ رہے ہو واقعی سچ ہے (اور تم یہ بات سنجیدگی سے کہہ رہے ہو) یا مذاق کر رہے ہو۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے اس غلط تصور کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا پروردگار تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے اور جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے۔

لیکن آپ کی اس وضاحت سے آپ کی قوم کی تسلی نہ ہوئی اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں یہ دکھانے کیلئے کہ یہ تماثیل جن کو لوگ خدائی طاقتوں کا مالک' عبادت کے لائق' اپنا نجات دہندہ اور نفع و نقصان کا مالک سمجھتے تھے۔ وہ خود اس قدر مجبور' بے بس اور ناچار ہیں کہ نہ اپنی حفاظت کر سکتے ہیں نہ اپنے قاتلوں کا پتا نشان بتا سکتی ہیں۔ ایک دن موقع پاکر انہیں توڑ پھوڑ دیا۔ اور اس طرح قوم کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ ان تماثیل کے بارے میں ان کا تصور غلط ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت سلیمان علیہ السلام کے جد امجد تھے۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کے سامنے وہی دین پیش کیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کیا تھا۔ لیکن اس دین کو لوگوں تک پہنچانے انہوں نے اپنی تماثیل سے دعوت دین کا کام لیا۔ مفسرین کی زبانی اس کی تفصیلات سابقہ صفحات میں گزر چکی ہیں کہ ان

Marfat.com

تماثیل کے ذریعے وہ اپنی قوم کو زیادہ عبادت کی رغبت دلاتے تھے۔ تماثیل کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس متضاد طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انہیں خدائی اختیار کا مالک سمجھ کر ان کی پرستش کی جائے گی تو یہ حرام ہونگی لیکن اگر یہ دعوت دین کے کام میں ممد ثابت ہوں تو پھر ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اسی فرق کو سامنے رکھتے ہوئے علمائے اسلام کی ایک جماعت نے تصاویر کو جائز قرار دیا تھا۔ لیکن جمہور علماء نے اس جواز کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اب مناسب تو یہ تھا کہ وہ قرآن کے حکم کو منسوخ قرار دینے کیلئے قرآن مجید سے ہی کوئی دلیل دیتے۔ لیکن اس مقصد کیلئے انہوں نے کچھ احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ جن پر اگلے باب میں گفتگو کی جائے گی۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

احادیث اور حرمت تصاویر کے بارے میں فقہاء کا مسلک

قرآن مجید میں جس طرح تماثیل کا ذکر ہوا ہے اس کے حوالہ سے یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ شریعت اسلامی میں تصاویر کا جواز ثابت ہوتا ہے اور امام قرطبی کے حوالے سے بیان کیا جاچکا ہے کہ مسلمان علماء کی ایک جماعت نے قرآن مجید کو ان آیات سے تصاویر کے جواز کے بارے میں استدلال کیا ہے۔ لیکن جمہور علماء نے ان کے اس استدلال کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تصاویر پہلے امتوں میں جائز تھیں جنہیں شریعت محمدی نے منسوخ کردیا۔ حالانکہ قرآن مجید میں تصاویر کی حلت و حرمت کے بارے میں جو اشارات ملتے ہیں ان کا تعلق دین ابراھیمی سے ہے اور شریعت اسلامیہ کو بھی دین ابراھیمی ہی کی ایک کڑی سمجھا جاتا ہے اس بارے میں احادیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے اور ان کی روشنی میں فقہا نے جو مسلک اختیار کیا ہے اس کی تفصیلات آئندہ سطور میں پیش کی جارہی ہیں۔

فوٹو کی شرعی حیثیت

اس بات کی عام طور پر شہرت ہوگئی ہے کہ اسلام کا دینی مزاج تصویر اور

Marfat.com

مصوری کے سخت خلاف ہے۔ اس لئے ہمارے ہاں فوٹو کو محرمات میں شمار کیا جاتا ہے۔ درحقیقت حرمت کا یہ تصور اس لئے قائم ہوگیا ہے کہ فوٹو اور مجسمہ یا بت کے درمیان امہ مجتہدین نے جو امتیاز قائم کیا ہے اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ احادیث اور فقہ سے جن تصاویر کی حرمت کا پتہ چلتا ہے۔ وہ مجسم یعنی جسم والی تصاویر ہیں مثلاً مجسمہ یا بت وغیرہ۔ دوسری تصاویر جن کا سایہ نہ ہو تو اکثر ائمہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

وقال بعض السلف انما ینهی عما کان له ظل۔ ولا باس بالصور التی لیس لها ظل۔

ترجمہ:۔ بعض سلف صالحین فرماتے ہیں کہ صرف وہی تصویر ممنوع ہے جس کا سایہ ہوا اور جس تصویر کا کوئی سایہ وغیرہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

آگے چل کر معلوم ہوگا کہ تمام فقہی مذاہب نے تصویر کے سلسلے میں اسی اصول کو مدنظر رکھا ہے حنفی مسلک بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

تصویر حنفی فقہ میں

قالوا تصویر غیر الحیوان من شجرہ و نحوہ جائز۔ اما تصویر الحیوان فان کان علی بساط او وسادۃ او ثوب مفروش او ورز فانه جائز۔ لان الصورۃ فی هذه الحالته تکون ممتهنته وکذلک ویجوز اذا کانت الصورۃ ناقصته عضوالا یمکن ان تعیش بدونه کالراس و نحوها۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۲، صفحہ ۵۲)

غیر جاندار اشیاء مثلاً درخت وغیرہ کی تصویر جائز ہے۔ اور اگر جاندار اشیاء کی تصاویر، چٹائی، تکیہ دری یا کاغذ وغیرہ پر ہوں تو جائز ہیں۔ کیونکہ ان حالتوں میں تصویر کے احترام کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی طرح ایسی تصاویر جن میں کا کوئی ایسا عضو نہ ہو

Marfat.com

جس کے بغیر جاندار زندہ نہ رہ سکتا ہو مثلاً سر وغیرہ تو ایسی تصویر بھی جائز ہے۔

اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حنفی مسلک میں کاغذ پر تصویر کی اجازت ہے۔ کیونکہ اس میں تصویر کے احترام کی کوئی صورت نہیں۔

تصاویر اور احادیث

صحیح احادیث سے بھی اس مسلک کی گنجائش ملتی ہے۔ بلکہ جس حدیث شریف کو تصویر کی حرمت کے سلسلے میں پیش کیا جاتا ہے' اسی حدیث کو اگر مکمل نقل کیا جائے تو اس سے جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ یہ وہ مشہور حدیث ہے کہ۔

لاتدخل الملئکته بیتًا فیه صورة تصویر والے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

ہم تکمیل فائدہ کے لئے یہ حدیث بخاری شریف سے پوری کی پوری نقل کرتے ہیں۔

عن بسربن سعید ان زید بن خالد الجهنی حدثه ومع بسربن سعید عبید الله الخولانی' الذی کان فی حجر میمونته رضی الله عنها زوج النبی صلی الله علیه وسلم حدثهما زیدبن خالد ان ابا طلحته حدثه' ان النبی صلی الله علیه وسلم قال۔ لاتدخل الملائکه بیتافیه صورة۔ قال بسر فمرض زیدبن خالد فعدناه فاذا نحن فی بیته بستر فیه تصاویر۔ فقلت بعبید الحولانی۔ الم یحدثنا فی التصاویر؟ فقال: الا رقم فی ثوب الاسمعته؟ قلت لا' قال: بلی' قد ذکره۔

حضرت بسربن سعید سے مروی ہے کہ زید بن خالد الجہنی نے ان سے یہ حدیث بیان کی اور بسر بن سعید کے ساتھ عبیداللہ الخولانی بھی تھے' جنہوں نے ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی گود میں پرورش پائی تھی۔ زید بن خالد نے کہا کہ ان سے ابو طلحہ نے

Marfat.com

بیان فرمایا کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ جس گھر میں تصاویر ہوتی ہیں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بسر فرماتے ہیں کہ زید بن خالد بیمار ہوئے تو ہم ان کی عیادت کو گئے۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ خود ان کے گھر میں ایک پردہ پر تصاویر ہیں تو میں نے عبید خولانی سے کہا کہ انہوں نے تو ہمیں حرمت تصویر کے متعلق حدیث بیان کی تھی۔ جواب ملا کہ کیا تم نے نہیں سنا کہ کپڑے کی تصاویر اس سے مستثنیٰ ہیں۔ میں نے نفی میں جواب دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں انہوں نے اس کا ذکر کیا تھا۔

یہ حدیث صراحت کے ساتھ کپڑے پر منقوش تصاویر کو جائز ٹھہراتی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ نے شاید اسی حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے کاغذ کو کپڑے پر قیاس کیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک کاغذ کی تصویر میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس حدیث سے ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کے اس حسن ذوق کا پتہ چلتا ہے کہ وہ گھروں کو تصاویر سے سجاتے تھے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ عرب تصاویر والے کپڑوں کے بڑے دلدادہ تھے۔ اور کپڑوں کی بعض قسمیں ان تصاویر کی وجہ سے مشہور تھیں۔ مثلاً جس کپڑے پر پرندوں کی تصاویر ہوئیں انہیں "مطیر" کہتے تھے جن پر گھوڑوں کی تصاویر ہوتیں انہیں "مخیل" اور جن پر اونٹوں اور کجاووں کی تصاویر ہوتیں انہیں "مرحل" کہتے تھے۔ ایک صحیح حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ خود رسول اللہ صلعم بھی ایسے کپڑے استعمال فرمایا کرتے تھے۔ یہ حدیث جامع الترمذی صحیح مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں بایں الفاظ موجود ہے:

عن عائشه رضی الله عنها قالت: خرج النبی صلی الله علیه وسلم ذات غداة و علیه مرط مرحل من شعر اسود

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نکلے تو وہ کالی اون کی ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس پر تصاویر تھیں۔

(رواہ احمد و مسلم والترمذی و صححه نیل الاوطار جلد ۲)

Marfat.com

صفحہ ۱۰۳)

علامہ شوکانی "مرط مرحل" کے یہ معنی بتاتے ہیں۔

ھی برد فیه تصاویر و تلک التصاویر ھی صور الرحال (۵)

یہ تصاویر والی چادر تھی۔ اور یہ تصاویر اونٹوں کے کجاووں کی تھیں۔

اس حدیث سے رسول اللہ صلعم کے ذوق کی نفاست کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ منقش کپڑوں کو بھی پسند فرماتے تھے۔ جن پر تصاویر ہوتیں۔ حالانکہ اس زمانے میں تصاویر ہاتھ سے بنائی جاتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ سادہ کپڑوں کی نسبت ان تصاویر والے کپڑوں کی قیمت کئی گناہ زیادہ ہوتی ہوگی۔

علامہ شوکانی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد تصویر کا شرعی حکم بھی بیان فرماتے ہیں۔

واما اتخاذ مافیه صورة حیوان فان کان معلقا علی حائط اوثوبا اوعمامته اونحو ذلک ممالیعد ممتهنافھو حرام...... وقال آخرون یجوز منها ماکان رقما فی ثوب سواء ممتهن ام لا۔ علق فی حائط ام لا۔ قال ھو مذھب القاسم بن محمد و اجمعوا علی منع ما کان له ظل (ایضاً صفحہ ۱۰۵)

جاندار کی تصویر اگر دیوار پر لٹکی ہوئی ہو یا کپڑے یا پگڑی وغیرہ پر نقش ہو تو جائز ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا احترام ممکن نہیں ہے۔ کچھ ائمہ کے نزدیک کپڑے کی تصویر مطلقاً جائز ہے۔ اس کے لئے اہانت یا دیوار پر ہونے کی شرط ضروری نہیں۔ یہ قاسم بن محمد کا مذہب ہے۔ تاہم ایسی تصویر کی حرمت پر اجماع ہے جس کا سایہ ہو (یعنی مجسمہ یا بت)

جس تصویر کا سایہ نہ ہو اس کا حکم ہم شروع میں ہی بیان کر آئے ہیں۔ جس کے جواز کی گنجائش تمام فقہی مذاہب میں موجود ہے۔ یعنی جب تصویر کپڑے یا کاغذ پر ہوگی تو اس کا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اس لئے جائز ہے۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ تصاویر اگر حرام عین ہوتیں تو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت سلیمان علیہ السلام کبھی ان کے بنوانے کی خواہش نہ فرماتے۔

ویعملون له مایشاء من محاریب و تماثیل (القرآن۔ سبا ۲۰)

جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے محاریب اور تماثیل جو وہ چاہتے تھے' بناتے تھے۔

اس کی تاویل یوں کی جاتی ہے کہ تصاویر حضرت سلیمان کی شریعت میں جائز تھیں بعد میں حرام قرار دے دی گئیں۔ تاہم اس کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کی جاتی۔ آخر حضرت سلیمان بھی تو دین ابراہیمی کے ہی متبع تھے۔

تصویر اور محراب مسجد

اس آیت میں تماثیل کے ساتھ محاریب کا ذکر بھی آیا ہے۔ اور جہاں تماثیل کی حرمت بیان کی جاتی ہے وہیں کچھ سلف صالحین نے محراب کو بھی ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ زمانہ قدیم میں جو مورتیاں بنائی جاتی تھیں۔ وہ انہی محاریب میں رکھی جاتی تھیں۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

وتكره المحاريب فى المساجد۔ وقال على اما المحاريب فمحدثه۔ وانما كان رسول الله صلعم يقف وحده ويصف الصف الاول خلفه (المحلی جلد ۴' صفحہ ۲۳۹)

مساجد میں محرابیں بنانا مکروہ ہے۔ یہ دور رسالت کے بعد کی چیزیں ہیں۔ رسول اللہ صلعم اکیلے کھڑے ہوتے اور ان کے پیچھے پہلی صف بنتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی خیال تھا۔

عن على بن ابى طالب انه كان يكره المحراب فى المسجد وعن سفيان الثورى عن منصور بن المعتمر عن ابراہيم النخعى انه كان يكره ان يصلى فى طاق الامام۔ قال سفيان و نحن

Marfat.com

نکرہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں محراب ناپسند فرماتے تھے۔ (ایضا)

سفیان ثوری منصور بن المعتمر سے اور وہ ابراہیم النخعی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ محراب میں نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ سفیان فرماتے ہیں کہ ہم بھی اسے مکروہ ہی سمجھتے ہیں۔ (ایضاً)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ تو اس سے بھی سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں:

وعن کعب یکون فی آخر الزمان تنقص اعمارھم یزینون مساجدھم ویتخذون لھا مذابح کمذابح النصاری۔ فاذا فعلوا ذلک صب علیھم البلاء وھو قول محمد بن جریر الطبری وغیرہ۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخری زمانے میں ایک ایسی قوم ہوگی جس کی عمریں کم ہوں گی۔ وہ مسجدوں کو خوب سجائیں گے اور اس میں نصاری کی طرح قربان گاہیں بنائیں گے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو ان پر افتاد پڑے گی اور محمد بن جریر طبری کا بھی یہی مذہب ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۴۰)

ائمہ کی ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں محراب بنانا تصاویر سے بھی زیادہ ناپسندیہ کام ہے۔ کیونکہ محراب بنانے پر جو وعید بتائی گئی' وہ تصویر کی بابت کہیں بیان نہیں ہوئی تاہم اس ناپسندیدگی کے باوجود مساجد' محرابوں سے مزین ہیں اور فوٹو کے سلسلے میں تشدد سے کام لیا جارہا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک حرمت تصویر کی شرائط

تصویر کے متعلق امام مالک کا مذہب اور بھی واضح اور مفصل ہے۔ ان کے نزدیک جاندار کی تصویر کی حرمت کے لئے چار شرائط کا پایا جانا لازمی ہے۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو تصویر جائز ہوگی۔

Marfat.com

شرط اول:

احدها ان تکون الصورة لحیوان سواء کان عاقلا اوغیر عاقل

حرمت تصویر کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کسی عاقل یا غیر عاقل جاندار کی ہو۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۲' صفحہ ۵۰)

شرط دوم

ان تکون مسجدة دوسری شرط یہ ہے کہ وہ تصویر جسم رکھتی ہو۔ (ایضاً)۔

تاہم بعض مالکیہ کے نزدیک ایسی مجسم تصاویر بھی جائز ہیں جو غیر دیرپا مادہ سے بنائی گئی ہوں۔

وقال بغضهم اذا صنعت من مادة لا تبقى فانها تجوز

بعض نے کہا کہ اگر یہ کسی ایسے مادہ سے بنائی گئی ہوں جو باقی رہنے والا نہ ہو' تو جائز ہے (ایضاً)

اور اگر یہ تصاویر جسم نہ رکھتی ہوں تو پھر جائز ہیں۔

اما اذا الم تکن مجسدة کصور الحیوان والانسان التی ترسم علی البورق والثیاب والحیطان والسقف ونحوذلک ففیها خلافه بعضهم یقول انها مباحته مطلقا بلا تفصیل و بعضهم یقول انها مباحته اذا کانت علی الثیاب التی تستعمل فرشا۔

اگر حیوان یا انسان کی تصاویر جسم والی نہ ہوں۔ جیسا کہ کسی کاغذ' کپڑے یا چھت یا دیوار وغیرہ پر ہوں' تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض مالکیہ کے نزدیک تو یہ مطلقاً جائز ہے۔ بعض صرف اسی صورت میں ان کے جواز کے قائل ہیں جبکہ وہ فرش استعمال کے لئے ہوں۔ (ایضاً)

شرط سوم

مالکیہ کے نزدیک حرمت کی تیسری شرط یہ ہے کہ وہ تصویر تب ہی حرام

Marfat.com

ہوگی۔ جب کہ وہ مکمل اعضا والی ہو۔

ثالثها ان تکون کاملته الاعضاء الظاهرة التي لا یمکن ان یعیش الحیوان اولا نسان یدونها فان ثقبت بطنها اوراسها او غیر ذلک فانها لاتحرم

تیسری شرط یہ ہے کہ تصویر کے تمام ایسے ظاہری اعضا مکمل ہوں، جن کے بغیر انسان یا حیوان کا جینا ممکن نہ ہو۔ مثلاً اس کا پیٹ یا سر وغیرہ اڑا دیا جائے تو ایسی تصویر حرام ہوگی۔ (ایضاً)

شرط چہارم

چوتھی شرط یہ ہے کہ اس تصویر کا سایہ ہو۔

رابعها ان یکون لها ظل فان کانت مجسدة ولکن لاظل لها۔ بان بنیت فی الحائط ولم یظهر منها سوی شیی لا ظل له فانها لاتحرم (١٦)

حرمت کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کا سایہ ہو۔ اور اگر تصویر جسم والی ہے لیکن اس کا سایہ نہیں مثلاً دیوار میں اس طرح بنائی گئی ہو کہ ان میں سے اس کا صرف ایسا حصہ نظر آئے جس کا سایہ نہ ہو تو اس صورت میں بھی تصویر حرام نہ ہوگی۔ (ایضاً)

دوسری شرائط نہ بھی ہوں تو صرف یہی چوتھی شرط ہی فوٹو کے جواز کے لئے کافی ہے۔ یہ صرف مالکیہ ہی کا مسلک نہیں بلکہ اور بھی بہت سے ائمہ مجتہدین یہی رائے رکھتے ہیں اور ان حضرات کا مسلک ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیم و تربیت کے لئے جسم والی تصاویر بھی جائز ہیں۔

ویستثنی من ذلک کله لعب البنات الصغار (العرائس) الصغیرة الذی۔ یجوز تصویرها وبیعها ولو کانت مجسدة

Marfat.com

لان الغرض منها انما هو تدريب البنات و تعليم هن ومن هذا تعلم ان الغرض من التحريم انما هوالقضاء علی مایشبه الو ثنیته فی جمیع الاحوال (ایضًا)

بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے گڑیاں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ چاہے وہ تصاویر مجسم ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ مقصد تو بچیوں کی تربیت کرنا ہے۔ اس اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جاننا چاہیے کہ حرمت کا مقصد بت پرستی کے شائبے کو ختم کرنا ہے۔ (ایضاً)

حنابلہ

حنابلہ کا بھی تقریباً یہی مسلک ہے کہ اگر تصویر مکمل الاعضاء نہ ہو تو جائز ہے۔

فاذا کان مسجدا ولکن ازیل منه مالا تبقی معه الحیاة کالراس ونحوها فانه مباح (ایضاً صفحہ ۵۲)

اگر تصویر مجسم ہو لیکن اس عضو کے بغیر ہو جس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا مثلاً سر وغیرہ تو یہ جائز ہے۔ (ایضاً صفحہ ۵۲)

یعنی ان کے نزدیک کم از کم آدھے جسم کا فوٹو تو جائز ہوا۔

شافعیہ

شافعیہ کا بھی تقریباً تقریباً یہی مسلک ہے۔

وان کان مسجدا فانه یحل التفرج علیه اذا کان علی هیته لا یعیش بها کان کان مقطوع الراس او الوسط او ببطنه ثقب (ایضاً)

اگر تصویر مجسم (جسم والی) ہے تو اس کی نمائش اس صورت میں جائز ہے جب وہ اس حالت میں ہو کہ جس میں زندہ رہنا ممکن نہ ہو مثلاً اس کا سر کٹا ہوا ہو یا درمیان سے کٹی ہوئی ہو یا اس کا پیٹ کٹا پھٹا ہو۔ (ایضاً)

تاہم وہ اس سے پردہ فلم کے عکس کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

ومن هذا یعلم جواز التفرج علی خیال الظل اذا لم یشتمل علی

Marfat.com

محرم اخر لانها صورة ناقصته (ایضاً)

اس اصول کے تحت فلم کی نمائش بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی اور حرام چیز نہ ہو کیونکہ پردہ پر ناقص صورت ہی پڑتی ہے۔ (ایضاً)

حدیث شریف' مذاہب اربعہ اور دوسرے ائمہ مجتہدین کے اقوال سے' جو ہم نے پیش کئے ہیں۔ اگر کسی تصویر کی حرمت پر اجماع ہے تو وہ ایسی تصویر ہے جس کا سایہ ہو اور اگر اس کا سایہ نہ ہو تو وہ جائز ہے اور چونکہ فوٹو کا بھی کوئی سایہ وغیرہ نہیں ہے اس لئے وہ بھی اکثر ائمتہ کے نزدیک جائز ہے۔

ان تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ تصاویر اگر حرام ہیں تو وہ صرف بت پرستی کی وجہ سے ہیں اور جب یہ امکان نہ ہو تو پھر ان کے جائز ہونے میں کوئی روکاوٹ نہیں' انہیں علمی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور جرائم کی تفتیش میں تھی ان سے کام لیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

خفیہ تفتیشی اداروں کی اصلاح کی ضرورت

اخباری اطلاعات کے مطابق ملک کے سب سے بڑے خفیہ تحقیق کے ادارے آئی۔ ایس۔ آئی کا سیاست دانوں کی نگرانی کا شعبہ بند کر دیا گیا ہے۔ یہ شعبہ ان اطلاعات کے بموجب جنرل ضیاء الحق نے سیاست دانوں کے مشاغل کی نگرانی کے لئے قائم کیا تھا جب کہ موجودہ حکومت اس قسم کی نگرانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتی ۔ حکومت کے اس اقدام سے عام لوگوں نے جنہیں ان اداروں کا خوشگوار یا تلخ تجربہ ہے ان اداروں کی اصلاح کے لئے تجاویز پیش کرنی شروع کر دی ہیں تاکہ ان حساس اداروں کی خامیوں کو دور کر کے۔ ان سے ملک و قوم کی خدمت کا کام بہتر طور پر لیا جاسکے۔ راقم کا بھی ان اداروں کے ساتھ ایک دلچسپ تجربہ ہوا تھا۔ جس کی روشنی میں ان اداروں کو مزید مؤثر بنایا جاسکتا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تجربے کی کچھ تفصیلات سامنے لائی جائیں اگرچہ ان اداروں کی جانب سے راقم کا بلاوجہ تعاقب کیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود راقم کا یہ پختہ یقین ہے کہ یہ ادارے ملک و قوم کی سیکورٹی کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لئے انہیں زیادہ سے زیادہ فعال بنانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ملک دشمن عناصر کی کارروائیوں پر نظر رکھی جاسکے اور ان کے مذموم مقاصد کا بروقت تدارک کیا جاسکے۔

Marfat.com

پانچ چھ سال پہلے کی بات ہے کہ راقم نے برادر اسلامی لیبیا کے نئے نظام کے بارے میں سلسلہ مضامین لکھا میرے مضامین کو جمہوریہ لیبیا کے سفیر نے بھی پسند کیا اور جب وہ لاہور تشریف لائے تو بندہ کو بھی ملاقات کا شرف بخشا اور لیبیا کے دورے کی دعوت بھی دی ان کی تشریف آوری کے چند دنوں کے بعد لاہور میں امریکی کونسلیٹ کے ایک افسر اعلیٰ جناب پرائیس بھی مجھے ملنے آئے۔ ان کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ لاہور میں امریکہ کے نائب کونسل جنرل ہیں۔ راقم حیران تھا کہ جسے اپنے محلے کے لوگ نہیں جانتے۔ اسے اتنے بڑے امریکی سفارت کار نے ملاقات کا شرف کیوں بخشا انہوں نے فرمایا کہ وہ بس ملنے آئے ہیں اور اسلامی علوم سے دلچسپی ہے اس لئے وہ سود کے مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ پاکستان آتے وقت انہیں جو فائل دی گئی تھی۔ اس میں راقم کے بھی کچھ مضامین تھے۔ راقم انہیں اپنے چیئرمین صاحب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور کی خدمت میں لے گیا اور ان کے سامنے بعض اسلامی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ بعد میں انہوں نے دو تین دفعہ مجھے کھانے کی دعوت پر بھی بلایا لیبیا کے دورے کی جو دعوت مجھے دی گئی تھی۔ دوستوں نے مشورہ دیا کہ اسے قبول نہ کیا جائے۔ اس لئے راقم نے اس بارے میں لیبیا کے سفارت خانے کو اطلاع دے دی۔ تاہم ان دونوں راقم دو تین دن سفارتخانے میں گیا۔ دو دفعہ ایک دوست کی کار میں اور تیسری دفعہ پیدل جب میں کار میں سوار ہو کر گیا تو مجھ سے کسی نے کوئی پوچھ گچھ نہ کی لیکن جب پیدل گیا تو واپسی پر خفیہ تفتیشی اداروں کے اہلکاروں نے مجھے گھیر لیا اور طرح طرح کے سوالات پوچھے۔ یہی نہیں بلکہ راقم کے آبائی گھر اور جہاں جہاں ملازمت کی تھی=۔ وہاں ان اداروں کی جانب سے تحقیق کی گئی۔ راقم کا تعلق میانوالی کے علاقے سے ہے۔ اور خاندان کے لوگ زیادہ تر قدامت پسند اور غیر تعلیم یافتہ ہیں۔ وہ اس تفتیش سے کافی گھبرائے اور مجھے ڈانٹا۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاید میں نے کوئی جرم کیا ہے۔

اسی دوران تفتیشی ادارے کا ایک اہلکار میرے دفتر آیا۔ راقم نے اسے لیبیا

Marfat.com

کی حکومت کے دعوت نامے کی ایک نقل مہیا کی ہے اور ساتھ ہی پوچھا کہ آپ لوگوں نے لیبیا کے سفارتخانے میں میرے پیدل جانے کا نوٹس لیا ہے۔ لیکن دو تین دفعہ کار پر گیا تھا تو کسی نے نوٹس نہیں لیا تھا حالانکہ جس غلط کام کا آپ کو خدشہ تھا۔ وہ غریب لوگ نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ بنیادی طور پر محب وطن ہوتے ہیں بڑے لوگ ہی ایسا کرتے ہیں۔ جن کے پاس پہلے بھی دولت کی کمی نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے باوجود اس دولت کی لالچ میں وہ ملک و ملت کے خلاف کام کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے میرے اس ذاتی واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حکومت کو کسی غلط قسم کا خطرہ تھا تو ظاہر ہے کہ اس کا خطرہ ان لوگوں سے ہو سکتا تھا جو کاروں میں سوار ہو کر آتے ہیں نہ کہ پیدل دھکے کھانے والوں سے لیکن ان لوگوں کا کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا۔ صرف غریب لوگوں کو دھر لیا جاتا ہے۔ کیا ان کا یہ قصور ہے کہ وہ سفارتخانے میں کاروں میں بیٹھ کر نہیں آتے!

مجھے یقین ہے کہ میرے لیبیا کے دورے سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں اچھے دور کا آغاز ہو سکتا کیوں کہ ہمارے سیاسی لیڈر اس برادر اسلامی ملک کا دورہ کرنے کے بعد محض ایک بیان دینے پر اکتفا کرتے ہیں اور وہاں پر جو سیاسی اور انتظامی تبدیلیاں عمل میں آتی ہیں ان کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ تبدیلیاں ہمارے لئے کئی شعبوں میں رہنمائی مہیا کرتی ہیں اور راقم ان تبدیلیوں کے بارے میں اہل وطن کو ایک سلسلہ مضامین کی صورت میں تفصیل سے آگاہ کرتا رہا ہے تفتیشی ادارے کے اسی اہلکار سے راقم نے امریکی سفارت کار کے آنے کا ذکر کیا۔ اور ان سے پوچھا کہ تفتیشی اداروں نے اس کا نوٹس کیوں نہیں لیا۔ بلکہ بعض لوگوں نے مجھے یہاں تک بتایا کہ ان کا تعلق امریکہ کے خفیہ تفتیش کے ادارے سے تھا لیکن اس بارے میں وہ کوئی وضاحت نہ کر سکا۔ اس نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے اس بارے میں راقم نے ان کے افسر اعلیٰ کا نام معلوم کیا اور قومی جذبے کے تحت انہیں یہ ساری تفصیلات لکھ بھیجیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے صحیح

Marfat.com

پتہ نہیں بتایا گیا تھا۔ وگرنہ افسر اعلیٰ میرے خط کا ضرور جواب دیتے اور اس بارے میں میرے خیالات معلوم کرنے کی کوشش کرتے۔

اب جب کہ حکومت نے ان تفتیشی اداروں کی اصلاح کی طرف قدم اٹھایا ہے تو راقم نے اپنا یہ ذاتی تجربہ ان اداروں کے ارباب حل وعقد کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ راقم کو امید ہے کہ ملک وملت کی سیکورٹی کے ان حساس اداروں کی اصلاح کے لئے اس حقیر کے ذاتی معاملے سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ (مارچ ۱۹۸۵ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

نفاذ اسلام مالی فوائد اور پولیس

اسلامی جمہوری اتحاد کا قیام اس دعوے کے ساتھ عمل میں لایا گیا تھا کہ ملک عزیز میں اسلامی نظام نافذ کرے گا۔ اس اتحاد کو سارے ملک میں تو اقتدار نہ مل سکا۔ لیکن صوبہ پنجاب میں اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ چنانچہ اتحاد کے لیڈروں سے بجا طور پر یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ اگر وہ اپنے اسلام کے دعووں میں مخلص تھے تو صرف پنجاب میں ہی اسلامی نظام نافذ کر دیتے لیکن اسلامی نظام نافذ کرنا تو کجا الٹا ایسے معاملات کی حوصلہ افزائی کی گئی جو اسلامی تعلیمات کے منافی تھے۔

اسلامی جمہوری اتحاد میں ملک کی تمام دینی جماعتیں شامل ہیں۔ اس کے سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی کے پروفیسر غفور احمد صاحب ہیں۔ وہ عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے کبھی کبھی اس سلسلے میں بیان جاری کر دیتے ہیں لیکن اس سلسلے میں سب سے زیادہ اعتراضات جمعیت علمائے اسلام کے لیڈر قاضی سمیع الحق کو سننے پڑے جو اسلامی جمہوری اتحاد کے نائب صدر بھی ہیں۔ اسلامی نظام کے نفاذ سے غفلت برتتے ہیں ان کو جس قسم کے اعتراضات سننے پڑے ان کی وجہ سے انہیں کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے پنجاب حکومت کے خلاف بیان بازی شروع کر دی کہ وہ اسلامی نظام کے سلسلے میں مخلص نہیں۔ ان سے کہا گیا کہ

Marfat.com

اگر وہ دیانتداری سے سمجھتے ہیں کہ پنجاب کی حکومت اسلامی نظام کے سلسلے میں مخلص نہیں تو پھر انہیں اسلامی جمہوری اتحاد کی نائب صدارت سے مستعفی ہو جانا چاہیے۔ لیکن اس عہدے کی وجہ سے تو قاضی صاحب کے بیانات اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اسلامی جمہوری اتحاد سے استعفے دینے کے بعد ان کے بیانات کا شائع ہونا تو کجا۔ انہیں کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔ اس لئے استعفے دینے کی بجائے انہوں نے اعتراض کرنے والے علماء سے وعدہ کیا کہ وہ ان سب کو ایک وفد کی صورت میں اسلامی جمہوری اتحاد کے صدر کے پاس لے کر جائیں گے اور ان سے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں عملی قدم اٹھانے کا مطالبہ کریں گے۔

چنانچہ پروگرام کے مطابق چند دن پہلے اس وفد نے قاضی سمیع الحق صاحب کی قیادت میں وزیراعلیٰ پنجاب سے اس سلسلے میں ملاقات کی۔ وزیراعلیٰ صاحب نے ان کی معروضات کو غور سے سنا اور فرمایا کہ اسلامی نظام کا نفاذ وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے کام کی ابتداء کر دی ہے۔ اس سال نئے سال کے شروع ہونے پر انہوں نے پولیس کو حکم دیا تھا کہ صوبے میں نئے سال کی کوئی ایسی تقریب منعقد نہ ہونے پائے جس میں راگ رنگ کا عنصر شامل ہو۔ اخبارات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اونچے طبقے پر مشتمل عالیشان حلقوں میں اس کے باوجود یہ راگ ورنگ کی محفلیں منعقد ہوئیں اور پولیس نے اپنی کارروائی ظاہر کرنے کے لئے بعض ایسے گھرانے کے لوگوں کا چالان کر لیا جو کسی دوسری وجہ سے خوشی کی تقریبات منا رہے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پولیس کی مذکورہ کارروائیوں کے بعد اسلام کا صحیح معنوں میں نفاذ ممکن رہ جاتا ہے۔ ہماری حیرت کا سبب یہ ہے کہ علماء حضرات کا وفد یہ بات سن کر مطمئن ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس ملک میں اسلام پولیس کے ذریعے نافذ ہو گا۔ تادم تحریر وزیراعلیٰ کے اس بیان کے خلاف ان کا کوئی اختلافی بیان شائع نہیں ہوا۔

رسول اللہ صلعم نے جب دنیا میں اسلامی نظام نافذ کیا تو اس مقصد کے لئے

Marfat.com

پہلے معاشرے کو تیار کیا اور مساوات پر مبنی اسلام معاشرہ قائم کیا۔ اس معاشرے میں کسی انسان کو کسی دوسرے بھائی کی محنت کے استحصال کی اجازت نہ تھی۔ اسی مقصد کے لئے سود کو حرام قرار دیا گیا۔ علماء حضرات کے وفد سے توقع تھی کہ وہ اسلامی جمہوری اتحاد کے سربراہ کی توجہ اسلامی نظام کے ان بنیادی اصولوں کی طرف دلاتے اور ان سے مطالبہ کرتے کہ پنجاب بنک کو بلا سود بنکاری کا ادارہ بنایا جائے لیکن انہوں نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی انہوں نے کوئی ایسا دوسرا مطالبہ کیا کہ جس کے نتیجے میں یہاں حقیقی اسلامی معاشرہ قائم ہوسکے جو اسلام کے مساوات کے اصول پر مبنی ہو۔ اسی پنجاب میں چند لوگ ایسے ہیں جو ارب پتی ہیں۔ جبکہ کروڑوں انسانوں کو دو وقت کی پوری روٹی بھی میسر نہیں ایسی صورت میں تو حضرت عمرؓ نے شرعی حدود کے نفاذ کو معطل کر دیا تھا۔

جبکہ اسلامی جمہوری اتحاد کے صدر پولیس کے ذریعے اس معاشرے میں اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں امیر طبقہ بڑی بے دردی سے غریب لوگوں کو استحصال کر رہا ہے اور جن کے ہاں دولت کے بل بوتے پر جشن کی راتیں منائی جاتی ہیں۔ پولیس جس طرح اس ملک میں اسلامی نظام نافذ کر رہی ہے۔ اتفاق سے اسی معاشرے میں ایک طرف علماء کا یہ وفد اسلامی جمہوری اتحاد کے سربراہ سے ملاقات کر رہا ہوتا ہے تو دوسری طرف پولیس حدود آرڈیننس کے نام پر شریف شہریوں کو تنگ کر رہی ہوتی ہے۔

ایسے واقعات رونما ہونے کے باوجود کسی عالم دین نے اس بارے میں اپنے خدشے کا اظہار نہ کیا کہ پولیس کے ذریعے اسلامی نظام قائم نہیں ہوسکتا۔ اصل میں اسلامی نظام کے سلسلے میں کوئی بھی مخلص نہیں جماعت اسلامی پچھلے چالیس سال سے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کرتی آرہی ہے لیکن ابھی تک اس نے قابل عمل اسلامی نظام کا کوئی نقشہ عوام کے سامنے پیش نہیں کیا۔ بلکہ پچھلے گیارہ سال میں اس نے مارشل لاء جو اسلامی نظام کی ضد ہے' کی یوں کھل کر تائید کی کہ وہ مارشل لاء کی

Marfat.com

بی یم کے طور پر مشہور ہو گئی۔

خود قاضی سمیع الحق صاحب نائب صدر اسلامی جمہوری اتحاد بھی اسلامی نظام کے سلسلے میں مخلص نہیں۔ (ان کا ایک رسالہ "الحق" کے نام سے اکوڑہ خٹک سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں تمباکو فروش کمپنیوں کے اشتہارات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جب تمباکونوشی کا اسلامی ممالک میں رواج ہوا تو دنیا کے تمام علماء نے اس کے حرام ہونے کا متفقہ فتویٰ دیا تھا۔ آج تمباکو فروش کمپنیاں علماء حضرات کا منہ بند کرنے کے لئے ان کے رسائل میں بڑے بڑے اشتہارات شائع کراتی ہیں جو عملاً رشوت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ قاضی سمیع الحق صاحب کے نوٹس میں یہ بات لائی گئی اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے ماہنامے میں سگریٹ نوشی کے اشتہارات شائع کرنے بند کر دیں خاص طور پر اب جبکہ یورپ کہ جس نے تحفہ مسلمان ممالک کو دیا تھا میں بھی اس کیخلاف مہم چلی ہوئی ہے لیکن لوگوں کے اس مطالبے کے باوجود قاضی صاحب اس تھوڑے سے مالی فائدے کو جو حرام آمدنی کی حیثیت رکھتا ہے۔ چھوڑنے پر تیار نہیں، تو انہیں اسلام نظام کے قیام کے سلسلے میں کیسے مخلص سمجھا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پولیس کے ذریعے اسلام نافذ کرنے کا عین اسلام سمجھا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ حضرات اسلام کو اپنے ذاتی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی بجائے اس کے نفاذ میں دلچسپی لیں اور اس مقصد کے مساوات پر مبنی اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے جدوجہد شروع کر دیں۔ (جنوری ۱۹۹۰ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

انسانی معاشرے میں امن قائم کرنے کے اسلامی اصول

اقوام متحدہ کی جانب سے اس سال ۲۰ ستمبر کو بین الاقوامی یوم امن منانے کا اعلان کیا گیا ہے اس بارے میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۹۸۱ء میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہر سال نومبر کے تیسرے منگل وار کے دن کو یہ تقریب منائی جائے گی۔ اس تقریب کے منانے سے تمام دنیا کے انسانوں کو یہ باور کرانا ہے کہ اقوام متحدہ دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے ہر دم کوشاں ہے۔

جنگ اور امن ابتدائے آفرینش سے ہی انسان کا سب سے بڑا مسئلہ رہا ہے اس اہم مسئلہ نے ہر دور کے انسانوں کو پریشان کئے رکھا چنانچہ ہر دور میں مصلحین نے اس دنیا سے جنگ کا وجود ختم کرکے امن قائم کرنے کی مساعی کیں۔ اب بھی یہ کوششیں کسی نہ کسی شکل میں جاری ہیں۔ اقوام متحدہ کا قیام بھی اسی سمت میں ایک مثبت کوشش ہے لیکن ابھی تک یہ کوششیں بار آور نہیں ہو سکیں اور دنیا میں پائیدار امن قائم نہیں ہو سکا۔

موجودہ دور میں امن قائم کرنے کا یہ اصول مقبول ہو چکا ہے کہ ہر ملک زیادہ سے زیادہ مہلک ہتھیار جمع کرلے تاکہ اس اسلحہ کے خوف کی وجہ سے دوسرا ملک اس پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ لیکن ایک دفعہ اسلحہ کی یہ دوڑ شروع ہو جائے تو پھر ختم

Marfat.com

ہونے میں نہیں آتی۔ بلکہ جب بڑی طاقتوں کے اسلحہ خانے' اسلحہ سے بھر جاتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی بہانے سے دنیا کے کسی نہ کسی کونے میں لڑائی چھیڑ دیتے ہیں۔ اس لئے آج بجا طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں کہیں لڑائی شروع ہو اس کے پیچھے بڑے بڑے اسلحہ ساز ممالک کے ہاتھ ضرور ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب اسلحہ کی دوڑ سے امن قائم نہ ہو سکا' تو اب یہی قومیں اس بات پر رضا مند ہو گئی ہیں کہ اس کی تعداد کو محدود کر دیا جائے اس طرح امن کی طرف مثبت پیش رفت ہو سکتی ہے۔

بعثت نبوی سے پہلے ملک عرب' شر و فساد کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہاں لڑائی چھڑ جاتی تھی جس سے سارے ملک کا امن تباہ ہو جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدامنی کو ختم کرنے کے لیے ایسے مثبت اقدامات اٹھائے کہ ملک عرب سے شر و فساد ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا پھر جب تک مسلمان ان اصولوں پر عمل کرتے رہے یہ دنیا امن کا گہوارہ بنی رہی۔ لیکن جب مسلمان ان اصولوں سے غافل ہو گئے تو پھر خود وہ فساد کے لپیٹ میں آ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنگین مسئلے کو بالکل ایک دوسرے طریقے سے ختم کیا۔ آپ ﷺ نے اس مقصد کے لئے نہ تو کوئی بڑی فوج تیار کی اور نہ ہی اسلحہ کے انبار لگائے۔ بلکہ اعلان فرمایا کہ اس دنیا سے استحصال کا خاتمہ کر دیا جائے تو ہر طرف خود بخود امن و امان قائم ہو جائے گا دنیا میں زیادہ تر جنگیں' اسی استحصال کا نتیجہ تھیں استحصال کو شرعی اصطلاح میں ربوا کہا جاتا ہے۔ جس کا سادہ سا معنی سود کیا جاتا ہے حالانکہ یہ ایک بہت ہی وسیع اصطلاح ہے اور اس میں استحصال کی تمام صورتیں شامل ہیں۔ خود قرآن مجید نے اسے جنگ کے مترادف قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ تم میں سے جو ربوا چھوڑنے پر تیار نہیں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائی کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ (سورۃ البقرہ ۲۷۹)

اس ارشاد ربانی سے معلوم ہوتا ہے کہ سود شریعت اسلامی میں نہ صرف یہ

Marfat.com

کہ سنگین جرم ہے بلکہ اس کے نتیجے میں انسانیت کو جنگوں کے عذاب سے گزرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب سود کے حرام ہونے کے احکامات نازل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اپنے زمانے کے تمام کاروباری معاملات کی چھان بین کی اور سود اور تجارت کے فرق کو واضح کرکے سودی معاملات کی نشاندہی فرمائی روایات میں آتا ہے کہ سود کی حرمت کے احکام نازل ہوتے ہی آپ ﷺ منڈیوں اور کھیتوں میں تشریف لے گئے۔ ایک کھیت میں آپ کی ملاقات ایک صحابی حضرت رافع بن خدیج سے ہوئی جو ایک کھیت کو پانی دے رہے تھے' آپ ﷺ نے ان سے کاشت کے معاملے کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں۔ جب آپؐ کو یہ بتایا گیا کہ مالک زمین کوئی دوسرا ہے اور حضرت رافع اس کی زمین پر کاشت کاری کر رہے ہیں اور فصل کے تیار ہونے پر آدھی فصل مالک زمین کے حوالے کریں گے تو آپؐ نے اس معاملے کو خالص سودی قرار دیا اور حضرت رافع کو اسے ختم کرنے کی ہدایت کی۔ (سنن ابوداؤد جلد دوم ۲۶۱ باب مخابرہ)

ایک دوسرے صحابی حضرت جابر بن عبداللہ نے جب اس بارے میں مزید وضاحت حاصل کرنے کی خواہش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کی بٹائی کے کاشت کاری والے معاملے کے حرام ہونے کے لئے ٹھیک ٹھیک وہی الفاظ استعمال فرمائے جو قرآن مجید میں سود کے حرام ہونے کے بارے میں نازل ہوچکے تھے۔ (ایضاً)

آپؐ نے صحابہ کو تلقین فرمائی کہ ہر کوئی محنت کرکے کھائے کوئی کسی دوسرے کی محنت ناجائز طریقے سے حاصل نہ کرے اگر کسی صحابی کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ زمین ہے تو وہ اپنے ضرورت مند بھائی کو مفت دے دے۔

ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ کا کاروبار بھی۔ سود ہی کی تعریف میں آتا ہے کیونکہ اس کاروبار کے ذریعے بغیر کسی نقصان کے خطرے کے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو اس قسم کے کاروبار

Marfat.com

سے سختی سے منع کر دیا تھا اور جب کبھی اس قسم کے کاروبار کا کوئی واقعہ آپ کے علم میں آتا تھا۔ تو آپ پر اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے تھے۔ (نیل الاوطار جلد پنجم ۲۳۴)

کاروبار کی ایک بدترین قسم سٹہ بازی کی ہے اس کاروبار میں مال تجارت اپنی جگہ پر پڑا رہتا ہے اور سٹہ باز اس کے نرخ بڑھا چڑھا کر ایک دوسرے سے خرید کے سودے کرتے رہتے ہیں۔ آج بھی یہ کاروبار اپنے پورے عروج پر ہے اس کاروبار میں صرف رقم ہاتھ بدلتی ہے۔ مال تجارت وہیں کا وہیں پڑا رہتا ہے اور ہاتھ بدلنے کے ساتھ مہنگا ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی سود کی ایک قسم قرار دے کر اسلامی معاشرے کو اس برائی سے پاک کر دیا۔ اہل مکہ اور عرب میں آباد یہودی اسی قسم کے استحصالی کاروبار کے ذریعے لوگوں کا خون نچوڑتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ان اقدامات سے وہ مشتعل ہو گئے تھے اور مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے لئے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگیں لڑنے پر مجبور کیا اگر چہ یہ لوگ ہر قسم کے جدید اسلحے سے پوری طرح لیس تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ کی کمی کے باوجود انہیں شکست پر شکست دی اور اس طرح اس دنیا سے استحصال قوتوں کا خاتمہ کر دیا۔ آج مسلمان خود سود کو جائز قرار دے کر استحصالی قوت بن چکے ہیں تو اس حالت میں اسلامی معاشرہ کو کس طرح پر امن بنا سکتے ہیں اسلامی اور انسانی معاشرے کو امن کا گہوارہ بنانے کے لئے لازمی ہے کہ دنیا سے استحصال ختم کیا جائے۔ (ستمبر ۱۹۸۸ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

چوتھا حصہ

اسلامی شرعی حدود

Marfat.com

Marfat.com

شرعی حدود کا فقہی تصور

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تجارت اور کامیابی کے لئے قرآن حکیم میں دو قسم کے احکام نازل فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک قسم تو اخلاقی احکامات پر مشتمل ہیں۔ یعنی ان کا ارتکاب بھی اگرچہ ہر حالت میں معیوب ہے اور اس جرم کے برے اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی خلاف ورزی پر شریعت اسلامی کی طرف سے کسی قسم کی تعزیری سزا مقرر نہیں کی گئی۔ جیسے تکبر سے چلنا' دوسرے مسلمان بھائی کی ہنسی اڑانا وغیرہ۔

دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جن کے ارتکاب پر شریعت کی طرف سے سزا مقرر کی گئی ہے۔ قانون کی اصطلاح میں انہیں تعزیری احکام کہا جاتا ہے اور فقہ میں انہیں شرعی حدود کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسے چوری کا ارتکاب' زنا کاری اور شراب خوری وغیرہ' قرآن حکیم نے انہیں جرم قرار دے کر ان کی باقاعدہ سزا مقرر فرمائی ہے۔

قرآن حکیم میں ان جرائم کے متعلق مطلق حکم فرما دیا گیا ہے۔ ان کی مختلف شکلوں کا تعین نہیں کیا گیا۔ مثلاً شراب خوری کو جرم تو قرار دے دیا گیا لیکن ان تفصیلات کے تعین کا کام اسلامی حکومت کے لئے چھوڑ دیا گیا کہ کس قسم کی شراب

Marfat.com

حرام قرار دی جائے گی اور اس کی کتنی مقدار پینے سے کوئی انسان مجرم ہوگا یا اس میں کوئی استثناء کی صورت بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ یا مثلاً چوری کے ارتکاب کی سزا قطع ید فرما دی گئی ہے لیکن یہ کہ کتنی مالیت کی چوری پر یہ حد نافذ ہو گی اور کس قسم کی چوری جرم قرار پائے گی تو جرائم کی ان شکلوں کے تعین کا کام اسلامی حکومت کی ذمہ داری قرار دے دیا گیا۔ احادیث کی روشنی میں بھی کچھ صورتوں کا تعین ہوتا ہے لیکن زیادہ تفصیل اور باقاعدگی سے یہ کام ہمارے فقہائے کرام نے سرانجام دیا۔ چنانچہ اس زمانے میں ان جرائم کے فیصلے ان کی مقرر کردہ شکلوں کے مطابق ہوتے تھے۔ اور ابھی تک ایسے فیصلوں کے لئے انہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ شکلیں زمانہ جدید کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہیں۔

فقہ اسلامی کی تدوین جدید کے متعلق آج کل بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ لیکن ابھی تک کسی صاحب علم نے اس موضوع کی طرف کوئی توجہ نہیں دی کہ آیا زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان تعزیری جرائم کی خلاف ورزی کی مخصوص شکلوں کے تعین کی تدوین جدید کی بھی ضرورت ہے یا نہیں؟۔ اس سلسلے میں ان کی خاموشی سے تو یہی متبادر ہوتا ہے وہ شاید اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور جو کچھ فقہائے کرام اس موضوع پر دوسری یا تیسری صدی تک کام کر چکے ہیں اسی کو کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ لیکن جس طرح بار بار اسلامی حدود کا نام لیا جا رہا ہے۔ اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ فقہائے کرام کی متعین کردہ مخصوص شکلیں خود ان کے ذہن میں بھی نہیں ہیں۔ مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر یہ اشد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند مشہور جرائم کی وہ مخصوص شکلیں جو فقہائے کرام نے متعین فرمائی ہیں ایک ترتیب سے پیش کر دی جائیں تاکہ جن حضرات کو اس موضوع سے کچھ دلچسپی ہو۔ ان کی کچھ رہنمائی ہو سکے۔

پاکستان میں حنفی فقہ کی مقبولیت اور رواج کے پیش نظر ہم اپنی اس کوشش کو صرف حنفی فقہ تک ہی محدود رکھیں گے۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ پیش نظر مقصد کے

Marfat.com

لئے مندرجہ ذیل مشہور جرائم کی متعین کردہ مخصوص شکلیں کفایت کریں گی۔

(۱) شراب خوری اور اس کی سزا۔

(۲) سرقہ یعنی چوری کا ارتکاب۔

(۳) پردہ کی حدود۔

(۴) جرم زناکاری کی حد۔

(۵) زناکاری کے ثبوت کے لئے شہادت۔

حرمت شراب

شراب کو حرام قرار دینے کے لئے فقہاء نے کچھ قیود عائد کی ہیں۔ جن کی عدم موجودگی میں حرمت کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا۔ یہ قیود پوری تفصیل کے ساتھ حنفی فقہ کی معتبر ترین کتاب ہدایہ شریف سے نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) **ونبیذ العسل والتین و نبیذ الحنطته والذرة والشعیر حلال وان لم یطبخ و ھذا عند ابی حنیفته وابی یوسف رحمھما اللہ اذا کان من غیر لھو و طرب لقولہ علیہ السلام الخمر من ھاتین الشجرتین واشار الی الکرمته والنخلته خص التحرمم بھا۔ (ہدایہ اخرین مصطفائی صفحہ ۴۸۱ (کتاب الاشر بتہ) یا تکملتہ شرح فتح القدیر مصری جلد ۸ صفحہ ۱۶۱۔**

(ترجمہ) شہد' انجیر' گندم' باجرہ اور جو کی نبیذ حلال ہے' چاہے وہ پکائی بھی نہ گئی ہو اور یہ مسلک امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہما کا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ان کا استعمال لہو ولعب کے لئے نہ ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ شراب صرف ان دو درختوں سے بنتی ہے۔ اور آپ ؐ نے انگور اور کھجور کی طرف اشارہ کیا اور حرمت کا حکم ان دونوں کے ساتھ مخصوص کیا۔

(۲) **وھو نص علی ان مایتخذ من الحنطته والشعیر والعسل**

Marfat.com

والذرة حلال عندابی حنیفه ولا تحرم شاربه' عنده وان سکرمنه۔

(ترجمہ) اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو شراب گندم' جو' شہد اور باجرا سے بنائی جائے وہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال ہی اور اس کے پینے والے پر کوئی حد نہ ہوگی چاہے وہ اسے مست ہی کیوں نہ کردے۔ (ایضاً)

(۳) **ولا باس بالخلیطین لما روی عن ابن زیاد انه قال سقانی ابن عمر شربته ماکدت اهتدی الی اهلی۔**

(ترجمہ) اور خلیطین (ایک قسم کی شراب جو کھجور اور انگور کے عرق کو ملا کر بنائی جاتی ہے) کے استعمال میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ ابن زیاد سے روایت کی گئی ہے کہ ابن عمر نے مجھے ایسا مشروب پلایا کہ میں نشہ کی وجہ سے گھر کا راستہ نہ پاسکتا تھا۔ (ایضاً)

(۴) **وعصیر العنب اذا طبخ حتی ذهب ثلثاه وبقی ثلثه حلال وان اشتد۔**

(ترجمہ) اور انگوروں کا رس اس طرح پکایا جائے کہ دو تہائی خشک ہو جائے تو ایسا مشروب بھی حلال ہے چاہے وہ کتنے نشہ والا ہی کیوں نہ ہو جائے۔

(۵) **واذا تخللت الخمر حلت سواء صارت خلا بنفسیتا اوبشی یطرح فیها ولا یکره تخلیبها۔ (ایضاً)**

(ترجمہ) جب نبیذ کو سرکہ میں تبدیل کر دیا جائے تو وہ حلال ہو جاتا ہے چاہے وہ خود بخود سرکہ بن جائے یا اس میں کوئی چیز ڈال کر اسے سرکہ میں تبدیل کیا جائے اور نبیذ سے سرکہ بنانے میں کوئی قباحت نہیں۔

شرابی کی سزا

شرابی پر حد جاری کرنے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط عائد کی گئی ہیں۔

Marfat.com

(۱) فان اقرا بعد ذهاب رائتهالم یحد عندابی حنیفه وابی یوسف۔

(ترجمہ) اگر شرابی شراب کی بو ختم ہونے کے بعد اپنے جرم کا اقرار کرے۔ تو اس پر کوئی حد نہیں۔ ہدایہ اولین مجیدی صفحہ ۵۰۰ یا شرح فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۱۷۹۔

(۲) ولا حدعلی من وجد منه رائحه الخمر (ایضًا)

(ترجمہ) ایسا شخص جس کے منہ سے شرابی کی بو آ رہی ہو (لیکن گواہ نہ ہوں) تو اس پر بھی کوئی حد نہیں۔

(۳) ومن اقر بشوب الخمر والسکر ثم رجع لم یحد (ایضًا)

(ترجمہ) اگر کوئی شخص شراب اور نشہ کا اقرار کرنے کے بعد اپنے اقرار سے پھر جائے تو اس پر کوئی حد نہیں۔

(۴) والسکران الذی یحد لا یعقل منطقا لا قلیلا ولا کثیرا ولا یعقل الرجل من المراۃ۔

(ترجمہ) صرف ایسے شرابی پر حد جاری کی جائے گی جو تھوڑا یا زیادہ کوئی کلام نہیں سمجھ سکتا اور نہ مرد عورت میں پہچان کر سکتا ہے۔ (ایضاً صفحہ ۵۰۲)

(۵) ولا یحد السکران باقرار علی نفسه لزیادۃ احمال الکذب فی اقرارہ فتسال لدرہ

(ترجمہ) اگر کوئی نشہ میں دست شخص اپنے شراب پینے کا اقرار کرے تو اس پر بھی حد نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کے اس طرح اقرار کرنے میں جھوٹ کا بہت زیادہ احتمال ہے اس لئے بچاؤ کے لئے حیلہ کیا جائے گا۔ (ایضاً)

سرقہ یعنی چوری کے ارتکاب کی سزا ۱

ہمارے ہاں چوری کی شرعی سزا کے متعلق بڑی لمبی چوڑی نظری بحثیں چلتی رہتی ہیں لیکن فقہاء کی متعین کردہ شکلوں کی طرف کسی نے کبھی دھیان نہیں دیا۔

Marfat.com

جن چیزوں کی چوری پر قطع ید لازم نہیں آتا ہے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔ یہ تفصیلات ہدایہ شریف کی ایک کتاب۔ **کتاب السرقته** اور **باب مایقطع فیه ولا یقطع فیه** پر مبنی ہیں۔

(۱) **ولا قطع فیما یوجد تافها مباحا فی دارالاسلام کا الخشب والحشیش والقصب و السمک والطیر (وفی الطیر الدجاج والبط والحمام) والصید والزرنیخ و المغرة والنورة۔**

(ترجمہ) دارالاسلام میں جو چیزیں کم قیمت اور عام ہوں۔ مثلاً خشک لکڑی' گھاس' بانس' مچھلی اور پرندے (اور پرندوں میں مرغ' بطخ اور کبوتر بھی شامل ہیں اور شکار اور ہڑتال اور عمدہ مٹی اور چونا کی چوری کے مرتکب کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ (شرح فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۲۲۶)

(۲) **ولا قطع فیما تسارع الیه الفساد کا اللبن واللحم والفواکته الرطبته**

(ترجمہ) ایسی چیزیں جو جلدی خراب ہو جاتی ہیں مثلاً دودھ' گوشت اور تازہ میوے ان کی چوری پر بھی قطع ید لازم نہیں آتا۔ (ایضاً)

(۳) **ولا قطع فی الفاکهته علی الشجر والزرع الذی لم یحصد**

(ترجمہ) اور درختوں پر لٹکے ہوئے میوے اور ایسی کھیتی کی جو ابھی کاٹی نہ گئی ہو' چوری پر بھی چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے۔ (ایضاً)

(۴) **ولا یقطع فی الاشربته المطربته**

(ترجمہ) سرور انگیز اور مست کر دینے والے مشروبوں کی چوری پر بھی مواخذہ نہیں۔ (ایضاً)

(۵) **ولا قطع علی سارق الصبی الحروان کان علیه حلی۔**

(ترجمہ) آزاد بچہ چاہے اس پر زیور ہی کیوں نہ ہوں اس کے چرانے والے پر

Marfat.com

کوئی قطع ید نہیں۔ (ایضاً)

(۶) **ولا قطع فی الدفاتر کلها۔**

(ترجمہ) رجسٹر' کاغذات اور کتابوں وغیرہ کی چوری پر بھی قطع ید نہیں۔ (ایضاً)

(۷) **ولا فی سرقته کلب ولا فهر'**

(ترجمہ) کتے اور چیتے کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (ایضاً)

(۸) **ولا قطع فی دف ولا طبل ولا بربط ولا مزمار**

(ترجمہ) آلات موسیقی کی چوری پر کوئی حد نہیں۔ (ایضاً)

(۹) **ولا قطع علی خائن ولا خائنته**

(ترجمہ) خائن مرد اور عورت پر حد لازم نہیں آتی۔ **ولا منتهب ولا مختلس** لیٹرے اور چھین کر بھاگ جانے والے چوروں کے بھی ہاتھ نہیں کٹیں گے۔ (ایضاً صفحہ ۵۱۵)

(۱۰) **ولا یقطع السارق من بیت المال لانه مال العامته۔**

(ترجمہ) بیت المال سے چوری کرنے والے چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے کیونکہ وہ عوام کی مشترکہ ملکیت ہے۔ (ایضاً)

(۱۱) **ولا من مال للسارق فیه شرکته۔**

(ترجمہ) اگر کسی کے مال میں چور کی شراکت ہے تو اس کی چوری پر بھی قطع ید نہیں (ایضاً)

(۱۲) **ومن له علی آخو دراهم فسرق مثلها الم یقطع۔**

(ترجمہ) کسی شخص نے اگر کسی سے قرض لینا ہے اور اس نے اس کے مال کی چوری کرلی ہے تو اس پر کوئی حد نہیں۔ (ایضاً)

(۱۳) **ومن سرق من ابویه او والده اوذی رحم محرم منه لم یقطع۔**

(ترجمہ) جس نے والدین یا بیٹے یا دوسرے رشتہ داروں کی چوری کی اس پر

Marfat.com

قطع ید نہیں۔ (ایضاً صفحہ ۵۱۶)

(۱۴) **ولا قطع علی من سرق مالا من حمام اذمن بیت اذن للناس فی دخوله فیه کوجود الاذن عارة وید خل فی ذلک حوانیت التجارة والخافات الا اذا سوق منهاالبلا لا نها بینت للاحراز اموال الناس وانما الاذن تختص باالنہار۔**

(ترجمہ) جس شخص نے حمام یا ایسی جگہ سے جہاں جانے کی عام اجازت ہے اور ایسے مکانات میں تجارتی دوکانیں اور سرائیں شامل ہیں' مال چوری کیا تو اس پر قطع ید نہیں' ہاں اگر اس نے ان جگہوں پر رات کے وقت چوری کا ارتکاب کیا تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے کیوں کہ یہ جگہیں دراصل لوگوں کے مال کی حفاظت کے لئے بنائی گئی ہیں اور اس میں عام داخلہ کی اجازت دن کے لئے مخصوص ہے۔ (ایضاً صفحہ ۵۱۸)

(۱۵) **ولا قطع علی الضیف اذا سرق ممن اضافه۔**

(ترجمہ) مہمان اگر میزبان کے مال پر ہاتھ صاف کر جائے تو اس پر قطع ید نہیں۔ (ایضاً)

(۱۶) **ومن سرق سرقته فلم یخرجها من الدار لم یقطع۔**

(ترجمہ) جس نے کسی گھر میں چوری کی اور مال باہر نہ نکالا تھا تو اس چور کے ہاتھ بھی نہیں کاٹے جائیں گے۔ (ایضاً)

(۱۷) **واذا لقب اللص البیت فدخل واخذ المال وناوله اخر خارج البیت فلا قطع علیهما۔**

(ترجمہ) اگر چور نے نقب لگا کر گھر کے مال پر ہاتھ صاف کر کے باہر کسی اور کو پکڑا دیا تو ان دونوں پر قطع ید کی سزا نافذ نہ ہوگی۔ (ایضاً)

(۱۸) **وکذلک ان حمله علی حمار فساقه واخرجه۔**

(ترجمہ) اگر مال مسروقہ گدھے پر باہر لایا گیا تو ایسے چور پر بھی حد نہیں۔ (ایضاً

Marfat.com

صفحہ ۵۱۹)

(۱۹) ومن نقب البيت وادخل يده فيه واخذ شيا لم يقطع۔

(ترجمہ) اگر چور نے نقب لگا کر وہاں سے اندر ہاتھ ڈال کر کوئی چیز چوری کر لی تو اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ (ایضاً)

(۲۰) وان طر صدة خارجته من الكم لم يقطع۔

(ترجمہ) اگر کوئی آستین سے نکلی ہوئی تھیلی کاٹ لے تو اس پر بھی قطع ید نہیں۔ (ایضاً)

(۲۱) وان سرق من القطار بعيرا وحملا لم يقطع

(ترجمہ) اگر کسی نے اونٹوں کی قطار سے اونٹ یا اس کا بوجھ چرالیا تو اس کا ہاتھ بھی نہیں کٹے گا۔ (ایضاً)

(۲۲) وان قطع سارق بسرقه فسرقت منه فلم يكن له ولا لرب السرقته ان يقطع الثاني۔

(ترجمہ) اگر چوری کے الزام میں کسی کا ہاتھ کاٹا جاچکا ہے۔ اس کے بعد اس کے ہاں سے مال مسروقہ پر کسی اور نے ہاتھ صاف کر لئے تو نہ وہ اور نہ مالک مال دوسرے چور کا ہاتھ کٹوا سکتے ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۵۲۲ یا شرح فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۲۵۵)

(۲۳) ولا يقطع السارق الا ان يحضر المسروق منه فيطالب بالسرقته۔

(ترجمہ) چور پر سرقہ کی حد اتنے تک نافذ نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وہ شخص دعویٰ نہ کرے، جس کا مال چوری ہو چکا ہے۔ (ایضاً)

(۲۴) ومن سرق سرقته فردها على المالك قبل الارتفاع الى الحاكم لم يقطع۔

(ترجمہ) چور نے اگر مقدمہ کو عدالت میں لے جانے سے پہلے مال مسروقہ مالک کو واپس کر دیا تو قطع ید نہ ہو گا۔ (ایضاً)

Marfat.com

(۲۵) واذا قضى على رجل بالقطع فى سرقته فوهب له لم يقطع۔

(ترجمہ) اگر عدالت کے فیصلہ کے بعد مالک نے چور کو مال بخش دیا تو پھر بھی اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے۔(ایضاً)

(۲۶) واذا ادعى السارق ان العين المسروقه ملكه سقط القطع عنه وان لم يقم بينته۔

(ترجمہ) اگر چور بلا دلیل کے دعویٰ کر دے کہ مال مسروقہ اس کی ملکیت ہے تو اس پر قطع ید کی سزا نافذ نہ ہوگی۔

(۲۷) وان سرق شاة فذبحها ثم اخرجها لم يقطع۔

(ترجمہ) بھیڑ چوری کرنے کے بعد ذبح کر کے باہر نکالی گئی تو اس صورت میں بھی قطع ید نہیں۔ (ایضاً صفحہ ۵۲۶)

(۲۸) وان كان من القطاع صبى او مجنون او ذو رحم محرم من المقطوع عليه سقط الحد عن الباقين۔

(ترجمہ) اگر لیٹروں میں کوئی بچہ یا مجنون شخص ہو یا جس پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے' ڈاکوؤں میں اس کا کوئی رشتہ دار ہو تو دوسرے لیٹروں سے بھی حد ساقط ہو جائے۔ (ایضاً)

پردہ کی حدود

پردہ کا شمار اگرچہ اخلاقی احکامات کے تحت ہی آتا ہے۔ لیکن اس کی خلاف ورزی چونکہ مبادیات زنا میں سے ہے اس لئے اس کی خلاف ورزی پر بھی سزا دی جاسکتی ہے۔ اس لئے ہم پردہ کی حدود کی وہ مخصوص شکلیں جو فقہاء رحمتہ اللہ علیہم نے متعین فرمائی ہیں۔ پیش خدمت کرتے ہیں۔

(۱) وعورت الرجل ماتحت السرة الى الركبته۔

Marfat.com

(ترجمہ) مرد کے لئے جسم کو پردہ کرنے کی حدود ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔

(۲) وبدن الحرة کلها عورة الا وجهها وکفیها

(ترجمہ) عورت چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کو پردہ میں رکھے۔ (ایضاً)

(۳) وما کان عورة من الرجل فهو عورة من الامته بطنها وظهرها عورة و ماسوی ذلک من بدنها لیس بعورة بقول عمر الق عنک الخمار یاد فار آتشبین بالحرائر۔

(ترجمہ) لونڈی کے لئے بھی جسم کا اتنا حصہ پردہ میں رکھنا لازمی ہے جتنا کہ مرد کو' اس کے علاوہ اس کی کمر اور پیٹ بھی پردہ میں شامل ہیں۔ اس کے سوا اس کے باقی جسم کے لئے پردہ کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ کے اس قول کے مطابق کہ اے دفار اپنی اوڑھنی اتار دے' کیا تو شریف عورتوں کی مشابہت کرتی ہے۔ (ایضاً)

(۴) ولا یجوز ان ینظر الرجل الی الجنبیه الا وجها وکفیها۔

(ترجمہ) مرد کے لئے کسی اجنبی عورت کو ہاتھوں اور چہرے کے سوا کسی اور چیز کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے۔

(۵) ویجوز للمراة ان تنظر من الرجل الی ماتنظر الرجل الیه منه اذا امنت الشهوة۔

(ترجمہ) اور عورت بھی مرد کے جسم کا وہ حصہ دیکھ سکتی ہے جو مرد دیکھ سکتا ہے بشرطیکہ شہوت سے امن میں ہو۔ (ایضاً صفحہ ۴۴۴)

(۶) وتنظر الرجل من ذوات محارمه الی الوجه والراس والساقین والعضدین ولا تنظر الی ظهرها وبطنها ونکدها۔

(ترجمہ) مرد ذو محرم عورتوں کے چہرہ' سر' سینہ' پنڈلیوں اور بازوؤں کی طرف دیکھ سکتا ہے لیکن پیٹھ' پیٹ اور رانوں کی طرف نظر کرنا اس کے لئے ناجائز ہے۔ (ایضاً صفحہ ۴۴۵)

Marfat.com

(۷) وینظر الرجل الی مملوکه غیره انی ما یجوز ان ینظر الیه من ذوات محارمه۔

(ترجمہ) مرد دوسرے کی لونڈی کے بدن کے وہ تمام حصے دیکھ سکتا ہے جو وہ ذوالمحارم کے دیکھ سکتا ہے۔ (ایضاً صفحہ ۴۴۶)

(۸) ولا باس بان بمس ذلک اذا ارادا الشراء وان خاف ان یشھی۔

(ترجمہ) اور وہ لونڈی کے جن حصوں کو دیکھ سکتا ہے اگر خریدنے کا ارادہ ہو تو انہیں چھو بھی سکتا ہے چاہے شہوت کا خدشہ ہی کیوں نہ ہو۔ (ایضاً)

زناکاری کی حد

زناکاری ایک ایسا جرم ہے جس سے معاشرہ کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے اس کی سخت سے سخت سزا تجویز کی ہے۔ لیکن کن صورتوں میں یہ سزا نافذ ہوگی اور کن صورتوں میں نہ ہوگی۔ فقہاء کرام کے نزدیک اس میں بھی بڑا اختلاف ہے۔

یہ ہیں شرعی حدود کی وہ صورتیں جو فقہاء کرام نے متعین فرمائی ہیں۔ اس حقیقت تو کسے بھی انکار نہیں کہ اس زمانے کے تقاضے مختلف تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق بھی ہیں یا ان صورتوں کے تعین میں کسی تدوبدل کی ضرورت ہے۔

میرا مقصد تو اہل علم کو اس طرف خصوصی توجہ دلانا تھا۔ اس سلسلے میں کسی مناسب فیصلہ تک پہنچنا اب ان کا کام ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلامی قانون میں کوڑوں کی سزا کا تصور

پاکستان ٹیلی ویژن سے ہیرون کی سمگلنگ کے بارے میں بی۔ بی۔ سی کی ایک دستاویزی فلم دکھائی گئی ہے۔ اس فلم میں ایک مجرم کو کوڑے مارنے کا ایک درد ناک منظر بھی تھا کوڑے اس سختی سے لگائے گئے کہ مجرم نو کوڑوں کے بعد بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ مارشل لاء کے دور میں بہت سے لوگوں کو کوڑوں کی سزائیں دی گئی تھیں لیکن اہل وطن کی اکثریت نے کوڑے لگانے کے درد ناک منظر کو پہلی دفعہ دیکھا' جس نے بہت سے ناظرین کو ہلا کر رکھ دیا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق بعض مقامات پر عورتوں نے رونا شروع کر دیا تھا ملک کے باشعور طبقے نے اس منظر کی سخت مذمت کی کیونکہ اس سے ایسا تاثر قائم ہوتا تھا کہ ہم ابھی تک بربریت کے دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ بعض سیاسی و مذہبی لیڈروں نے اسلام کے نام پر کوڑوں کی اس سزا کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے اسلام میں' سزا کے فلسفہ کے مطالعہ کی کوشش ہی نہیں کی۔ اسلام میں اس قسم کے کوڑوں کی سزا کا مطلقاً کوئی جواز نہیں۔ کوڑوں کی اس سزا کی ابتداء سابقہ مارشل لاء کے دوران ہوئی اس کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام کے قیام کے نعرے بھی لگائے گئے جس سے بعض لوگوں نے یہ تاثر لیا

Marfat.com

کہ کوڑے شائد اسلامی سزا ہے۔ غیر ملکی اخباروں میں اسی تعلق کی بنا پر اسلام کو بدنام کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ اسلامی تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ اس دنیا سے ہر قسم کی برائیوں اور ناانصافیوں کا خاتمہ کر دیا جائے' اس مقصد کے لئے اسلام سب سے پہلے مساوات پر مبنی ایک ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے۔ کہ جو ہر فرد معاشرہ کے لئے مناسب معیار زندگی کی ضمانت دے۔ اگر کچھ لوگ اس ضمانت کے باوجود اس معاشرے کے خلاف جرائم کا ارتکاب کریں تو پھر شریعت اسلامی نے انہیں سزا دینے کا حکم دیا ہے سزا کا معاملہ بڑا نازک تھا۔ حکمران لوگ اپنی تسکین کے لئے لوگوں کو کڑی سزائیں دیتے ہیں۔ چنانچہ شریعت اسلامی میں ان سزاؤں کا تعین اللہ تعالیٰ نے خود ہی کر دیا۔ کہ لوگ زیادتی نہ کرسکیں ان سزاؤں کو شرعی حدود کہا جاتا ہے۔ یہ زنا کاری' زنا کاری کا جھوٹا الزام' چوری اور شراب خوری کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔ ان حدود میں جرائم کی نوعیت کے لحاظ سے مجرموں کو کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے یہ سزا اسی سے سو کوڑوں تک ہے۔ جو جرائم حدود کی تعریف میں نہیں آتے ان کے لئے زیادہ سے زیادہ دس کوڑوں کی سزا دی جاسکتی ہے۔ تاہم اسلام میں کوڑوں کی سزا کا تصور' اس طریقے بالکل مختلف ہے جس کا نمونہ بی بی۔ سی کی دستاویزی فلم میں دکھایا گیا ہے۔ جو آدمی مجرم کو کوڑے مار رہا تھا وہ تیزی سے دوڑتا ہوا آتا اور پوری قوت سے کوڑے رسید کرتا تھا۔ ایسے آٹھ دس کوڑوں سے تو مجرم کی موت واقع ہوسکتی ہے۔ اسلام میں کوڑوں کی سزا کا مقصد مجرم کی جان لینا نہیں۔ بلکہ اسے شرمسار کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ وہ اس شرم کی وجہ سے اس قسم کے جرائم سے باز آجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مجرموں کو جس طرح کوڑے مارے گئے اس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ ابتدائی اسلامی معاشرے میں کوڑے مارنے کے لئے چار چیزیں استعمال ہوتی تھیں کھجور کی چھڑیاں' کوڑے' جوتے اور تہہ کئے ہوئے کپڑے (نیل الاوطار جلد ہفتم ۴۸) جرم کی سنگینی کے لحاظ سے یہ چیزیں استعمال کی جاتی تھیں۔ عام طور پر مجرموں کو جوتوں سے مارا جاتا تھا کہ

Marfat.com

اس سے انہیں زیادہ شرمندگی ہوتی۔ پھر اس مقصد کے لئے کسی موٹے تازے آدمی کی خدمات حاصل نہیں کی جاتی تھیں۔ بلکہ جو لوگ موجود ہوتے انہیں کہا جاتا کہ وہ مجرم کو ایک ایک دو جوتے رسید کریں۔ سورہ النور میں ارشاد ربانی ہے کہ جب ایسے مجرموں کو سزا دی جارہی ہو تو مسلمانوں کی ایک جماعت کو سزا کے مقام پر موجود ہونا چاہیے۔ یہی جماعت کوڑے بھی لگاتی اور مجرموں کو جوتے بھی مارتی ایک دفعہ ایک شرابی کو حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے اسے چالیس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ اس وقت موقع پر بیس صحابہ کرام موجود تھے۔ ان سب نے اسے دو دو جوتے مارے (نیل الاوطار حوالہ سابقہ) اسی طرح بعض اوقات مجرموں کو تہہ کئے ہوئے کپڑے سے مارا جاتا تھا۔

جہاں تک کھجور کی چھڑی کا تعلق تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے زیادہ سے زیادہ ایک گز کی لمبائی مقرر کی یعنی ایک میٹر سے بھی کم۔ اس کی موٹائی انگلی کے برابر ہوتی تھی۔ چمڑے کا کوڑا۔ سنگین جرموں کی صورت میں استعمال میں آتا تھا اور اس مقصد کے لئے بھی ایسا کوڑا منتخب کیا جاتا تھا جو زیادہ سخت نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ استعمال کی وجہ سے پرانا ہوچکا ہوتا تھا۔ کوڑے مارنے والے کو اپنا ہاتھ اس حد تک اونچا کرنے کی اجازت نہ ہوتی تھی کہ اس کی بغل نظر آجائے۔ اور نہ ہی مجرموں کے کپڑے اتارے جاتے تھے۔ (جامع احکام القرآن از علامہ قرطبی جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۳)

اسلام کا ہر طریقہ سزا کافی مؤثر ثابت ہوا' اور مجرم شرمندگی کی وجہ سے دوبارہ جرائم کا ارتکاب نہیں کرتے تھے۔ لیکن سابقہ مارشل لاء کے دور میں جو کوڑوں کی سخت سزائیں دی گئیں۔ ان سے جرائم کم ہونے کی بجائے ان میں اضافہ ہوا۔ کوڑوں کے ان منفی اثرات پر یوروپ میں علمی تحقیق ہوئی تھی خاص کر یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی کہ طالب علموں پر بدنی سزا کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس تحقیق کے نتیجے میں یہ تلخ حقیقت سامنے آئی تھی کہ جن بچوں کو بیدردی سے مارا

Marfat.com

جاتا تھا نہ تو وہ اچھے طالب علم بنے اور نہ ہی اچھے شہری۔ اور ایسا ہی اثر مجرموں پر پڑتا تھا۔ چنانچہ بدنی سزا کو قانونی طور پر ختم کر دیا گیا۔ صرف خاص خالص حالتوں میں اسی کی اجازت تھی کہ اس کے بغیر کوئی چارکار نہ ہوتا اور ایسی سزا کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ اس وقت پاکستان سمیت دنیا کے بہت سے ممالک میں اہل یوروپ کی حکومت تھی' انہوں نے اپنے مقبوضہ ممالک میں بھی یہی قانون رائج کیا۔ حیرت کی بات ہے کہ سزا کے جس طریقے پر قیام پاکستان سے پہلے پابندی لگائی جاچکی تھی۔ اسے ہمارے ملک میں پچاس سال بعد پھر مروج کر دیا گیا۔ اگر معاشرے کے تمام طبقات کے مجرموں کو کوڑوں کو یہ سزا دی جاتی تو شائد اس کا کچھ اثر بھی ہوتا۔ لیکن یہ عام الزام ہے کہ امیر گھرانوں کے مجرموں کو یہ سزا نہ دی جاتی اس کا اطلاق معاشرے کے غریب لوگوں پر ہی کیا جاتا۔ سابقہ مارشل لاء کے دوران امیر گھرانوں کے کئی مجرموں کو پکڑا گیا۔ لیکن انہیں کوڑوں کی سزا نہ دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ کوڑوں کی سخت سزاؤں کے باوجو ہمارے معاشرے سے جرائم کا خاتمہ نہ ہوسکا۔ بلکہ الٹا ان میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

کوڑوں کی سزاؤں سے جرائم کا خاتمہ تو نہ کیا جاسکا۔ البتہ ہم مہذب دنیا میں اسلام کی بدنامی کا باعث بن گئے۔ بدقسمتی سے ان سزاؤں کو دوبارہ اس وقت حکمرانوں نے رائج کیا جب وہ ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے دعوے کر رہے تھے جس کی وجہ سے یہ غلط تصوّر قائم ہوگیا کہ یہ اسلامی سزا کا حصہ ہیں یہ کوڑے اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہیں۔ اس لیئے جتنی جلدی ہوسکے۔ ہمارے معاشرے سے ان کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ یہ ہمارے لیئے بھی بہتر ہوگا اور اسلام کی بھی یہ بہترین خدمت ہوگی کہ اسے مہذب دنیا میں بدنامی سے بچایا جاسکے گا۔ (جون ۱۹۸۹ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بدکاری کی تہمت از خود سنگین جرم

ہمارے ملک میں جس طرح شرعی حدود کو غلط طور پر استعمال کیا گیا اس کے نتیجے میں ہمارے معاشرے سے خرابیوں کا ختم ہونا تو کجا الٹا ان میں اضافہ ہو چکا ہے اور ان حدود کے حوالے سے معاشرے کے جن طبقوں سے نا انصافی ہوئی ہے۔ وہ ان حدود کے خاتمے کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ دراصل ان حدود کی ناکامی کے کئی اسباب ہیں جن کی طرف اس کے علمبرداروں نے کبھی دھیان نہیں دیا۔ منجملہ ان اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ ان شرعی حدود کو نافذ کرنے والے لوگوں کو اس بارے میں شرعی احکامات کا مناسب علم نہیں ہے۔ بلکہ خود ہماری علماء حضرات بھی اس بارے میں ضروری تفصیلات کے سلسلے میں جاہل ہیں۔ اس کی ایک تازہ مثال پنجاب کے ایک سابق وزیراعلیٰ اور گورنر کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت مقدمہ درج کرانا ہے۔

اخباری اطلات کے مطابق ان سابق گورنر صاحب کو ایک عورت مسمات عدیلہ کے ساتھ ایک ہوٹل کے کمرے میں غیراخلاقی حرکات کا ارتکاب کرتے ہوئے اس عورت کے خاوند نے دیکھ لیا اور اس کے حوالے سے اس نے سابق گورنر کے خلاف پولیس میں مقدمہ رجسٹرڈ کرا دیا۔ حالانکہ اسلامی قانون کے مطابق یہ معاملہ

Marfat.com

سرے سے حدود آرڈیننس کے تحت ہی نہیں آتا یہ معاملہ "لعان" کے تحت آتا ہے جب کسی عورت پر اس کا خاوند بد اخلاقی کا الزام لگائے تو شریعت اسلامی کے مطابق اس کا فیصلہ لعان کے طریقے سے ہوتا ہے۔ لعان کے شرعی حکم کی تفصیلات آئندہ سطور میں بیان کی جائیں گی۔ یہ معاملہ صرف اس صورت میں شرعی حدود کے ذیل میں آتا جب چار دوسرے لوگ اس امر کی گواہی دیتے کہ انہوں نے ان دو افراد کو غیر اخلاقی حرکات کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ خیال رہے کہ حدود کے تحت بھی یہ مقدمہ صرف اس وقت رجسٹر ہو سکتا ہے کہ جب چار گواہ ایک ہی جیسی گواہی دیں اور اگر ان کی گواہی میں کوئی فرق ہو یا گواہوں کی تعداد چار سے کم ہے تو پھر شرعی حدود کے تحت یہ گواہ ہی مجرم قرار پاتے ہیں اور مقدمہ الٹا ان کے خلاف رجسٹر کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلعم کے زمانے میں ایک صحابی ہلال بن امیر نے اپنی بیوی پر الزام لگایا۔ وہ ایک شخص شریک بن سمحاء کے ساتھ غیر اخلاقی فعل کی مرتکب ہوئی ہے۔ یہ مقدمہ جب رسول اللہ صلعم کی عدالت میں پیش ہوا تو آپ نے فیصلہ دیا کہ یہ لعان کا معاملہ ہے۔ یہ شرعی حدود کے ذیل میں نہیں آتا۔ چنانچہ آپ نے شریک بن سمحاء کو تو بری کر دیا اور اس پر کوئی شرعی حد نافذ نہ کی۔ البتہ میاں بیوی کے لئے لازمی قرار دیا کہ وہ ایک دوسرے کو جھوٹا ثابت کرنے کیلئے لعان کریں۔ شریعت اسلامی میں لعان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس بارے میں تفصیلی احکامات خود قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان آیات کا ترجمہ مودودی صاحب کی تفہیم القرآن سے پیش کیا جاتا ہے۔

(ترجمہ) اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (بد اخلاقی) الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے اپنی سوا کوئی دوسرا گواہ نہ ہو تو ان میں سے ایک شخص (یعنی شوہر) کی شہادت یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھاکر گواہی دے کہ وہ اپنے الزام میں سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو کہ اگر وہ اپنے الزام میں جھوٹا ہوا۔ اور

Marfat.com

عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھاکر شہادت دے کر یہ شخص اپنے الزام میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس عورت پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر وہ اپنے الزام میں سچا ہو" (سورۃ النور۔ ٦۔ ٩) تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۳۵۵)

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ پنجاب کے سابق گورنر کے خلاف جو مقدمہ رجسٹرڈ کرایا گیا ہے اس کا نہ تو شرعی حدود سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی اسلامی تعلیمات میں اس بارے میں کوئی حکم ہے اس معاملہ کی اصل مجرم مسمات عدیلہ قرار پائی ہیں ان کا شوہر صرف اپنی بیوی کے خلاف مقدمہ درج کرا سکتا تھا اور اس کا فیصلہ بھی لعان کے مطابق ہونا تھا جس کی تفصیلات سابقہ سطوز پر سورۃ النور سے پیش کی جاچکی ہیں۔

(زناکاری کے مجرم کے خلاف جیسا کہ بتایا جاچکا ہے' صرف اس صورت میں مقدمہ دائر ہو سکتا ہے جب کہ چار موقع کے گواہ' یہ گواہی دیں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اس بد اخلاقی کے فعل کو دیکھا ہے اگر ان گواہوں کی گواہی میں کوئی فرق ہو گا یا ایک بھی گواہ کم ہو جائے گا تو پھر شریعت اسلامی کے نزدیک یہی گواہ مجرم قرار پاتے ہیں۔ کسی پر زناکاری کی تہمت لگانا شریعت اسلامی میں زناکاری سے بھی بڑا جرم ہے اور اس کی وضاحت اس امر سے ہوتی ہے کہ زناکار پر حد نافذ ہو جانے کے بعد اس کی گواہی قبول ہو سکتی ہے لیکن زنا کی تہمت لگانے والے کی گواہی اس پر حد جاری ہو جانے کے باوجود بھی قابل قبول نہیں ہوتی اور اس بارے میں قرآن مجید کی سورۃ النور میں واضح حکم موجود ہے۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں ایک ایسے ہی مقدمے کی تفصیلات ملتی ہیں۔ حضرت ابوبکرہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ پر زناکاری کے جرم کی تہمت لگائی۔ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم کی عدالت میں پیش ہوا لیکن اس مقدمے میں جو چار گواہ پیش ہوئے ان کی گواہیوں کے بیانات میں واضح تضاد موجود تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ کو تو بری کر دیا۔ البتہ

Marfat.com

ان چاروں گواہوں پر شرعی حد نافذ کر دی اور انہیں اسی اسی کوڑے لگائے اور اس کے بعد آپ ان کی گواہی تسلیم نہیں کرتے تھے۔

خیال رہے کہ یہ حضرت ابوبکرہ وہی صحابی ہیں جن سے عورت کی حکمرانی کے خلاف روایت ہے چونکہ اس قذف کے جرم میں ان پر شرعی حد نافذ کی گئی تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی معاملے میں ان کی گواہی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ذاتی یا شخصی رائے پر منحصر نہیں تھا بلکہ انہوں نے یہ فیصلہ قرآن مجید کے احکامات جن کی تفصیلات سابقہ سطور میں گزر چکی ہیں (سورۃ النور۔ ۴ کی روشنی میں دیا تھا (تہذیب التہذیب از علامہ ابن حجر عقلانی جلد دہم صفحہ ۴۶۹)

خیال رہے کہ جب ان کی گواہی چھوٹے چھوٹے دنیاوی معاملات میں تسلیم نہیں کی جاتی تھی تو پھر رسول اللہ صلعم کی احادیث کے بارے میں کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے اس لئے ان کی روایت کردہ احادیث کو ضعیف سمجھا جاتا ہے۔

شریعت اسلامی کی نظر میں کسی مرد یا عورت پر زناکاری کا الزام لگانا نہایت ہی سنگین جرم ہے کیونکہ صرف الزام لگانے سے ہی ان افراد کی شہرت داغدار ہو جاتی ہے اور وہ معاشرے میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے اس لئے اس سلسلے میں بے جا اور غلط الزامات کی روک تھام کے لئے شریعت اسلامی نے ایسے احکامات دیئے ہیں کہ کوئی بد طینت فرد' اس سلسلے میں اسلامی شرعی حدود کا ناجائز طریقے سے نفاذ نہ کرا سکے لیکن ہمارے ہاں جس طرح ان حدود کا نفاذ کرایا جارہا ہے اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اول تو اس بارے میں کسی کو شریعت اسلامی کے احکامات کا صحیح علم نہیں جیسا کہ مقدمہ زیر گفتگو میں کیا گیا۔ اسلامی قانون کے مطابق اس مقدمے کی اصل مجرم وہ عورت قرار پائی ہیں۔ جس کے ساتھ بد اخلاقی کے فعل کا الزام لگایا گیا ہے۔ مقدمہ صرف اس کے خلاف درج ہو سکتا تھا۔ لیکن ایسا نہ کیا گیا اور دوسرے فرد کے خلاف جھوٹا مقدمہ درج کر دیا گیا۔ جس کی شریعت اسلامی میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔ متعلقہ فرد کے خلاف شرعی حدود کے تحت مقدمہ اس لیے

Marfat.com

درج نہ کرایا گیا کہ موقع کے چار گواہ موجود نہیں تھے۔

علماء حضرات جو ملک میں نافذ شرعی حدود کو اسلامی نظام کی طرف ایک اہم پیش رفت قرار دیتے تھے انہیں اس صورتحال پر غور کرنا چاہیے۔ کیونکہ جب ہی ان شرعی حدود کو غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ تو عوام ان کے بارے میں منفعی رد عمل کا اظہار کرتے ہیں اگر وہ ان شرعی حدود کو بچانا چاہتے ہیں تو پھر انہیں دیانتداری سے کام لینا ہوگا اور جب بھی شرعی حدود کو غلط مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے انہیں فوراً اس کی نشاندہی کرنی چاہیے۔ جیسا کہ انہیں سابق گورنر کے خلاف غلط مقدمہ رجسٹر کرائے جانے کی صورت میں کرنا تھا۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو پھر یہ سمجھا جائے گا کہ وہ خود بھی شرعی حدود کے نفاذ کے بارے مخلص نہیں۔ (فروری ۱۹۹۰)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مسئلہ ارتداد کے بارے میں شرعی حکم کی غلط تعبیر

ان دنوں انگلستان کے اخبارات میں ارتداد کے بارے میں اسلامی قانون پر بحث ہو رہی ہے۔ اس بحث کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک پاکستانی نژاد برطانوی مسلمان باشندے عبدالمالک نے اپنی جوان بیٹی کو چھری سے ذبح کر دیا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک غیر مسلم انگریز سے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ پاکستان سے گئے ہوئے علماء نے فتویٰ دیا کہ عبدالمالک کی بیٹی پروین ملک مرتد ہوگئی ہے اور واجب القتل ہے۔ چنانچہ اس کے والد نے اپنے اسلامی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے چھری لے کر اپنی بیٹی کو ذبح کر ڈالا۔ اس جرم کے ارتکاب میں پولیس عبدالمالک کو پکڑ کر لے گئی اوز ایک جیوری کے سامنے پیش کیا جیوری نے اسے مجرم قرار دیتے ہوئے عدالت کے سپرد کر دیا ہے۔ تاکہ وہ اس بارے میں اپنا آخری فیصلہ دے۔

اس واقعہ کی تفصیلات بی' بی' سی سے بھی نشر کی گئیں اور ہمارے ایک مقامی روزنامہ کی دس جولائی ۱۹۸۹ء کی اشاعت میں شائع ہوئیں۔ اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہمارے مخلص بھائیوں نے عبدالمالک کے اس جرات مندانہ اقدام کی تعریف کی اور کسی نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ اس بارے میں شریعت اسلامی کے اصل احکامات کیا ہیں۔

شریعت اسلامی کی رو سے مرتد کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ جو مرتد ہو جانے کے بعد اسلام کے لئے خطرہ بن جاتے ہیں۔ ایسے مرتدوں کی سزا تو واقعی قتل ہے۔ لیکن

Marfat.com

یہ سزا اسلامی حکومت کی طرف سے دی جائے گی کوئی فرد قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔ مرتد کی دوسری قسم وہ ہے کہ انسان اپنے مذہب کو تبدیل کرلے۔ شریعت اسلامی کی نظر میں یہ فعل بھی گناہ عظیم ہے لیکن اس کے لئے اس دنیا میں کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی سزا خود دیں گے۔ اس سلسلے میں ایک اور اصول کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اسلامی احکامات پر صرف اسلامی ریاست ہی میں عمل کیا جاسکتا ہے مثلاً سود شریعت اسلامی کے مطابق گناہ ہی نہیں بلکہ ایک سنگین جرم بھی ہے قرآن مجید نے اسے اللہ اور اس کے رسول ؐ کے ساتھ لڑائی کے مشابہ قرار دیا ہے۔ (سورۃ البقرہ ۲۷۹) اس جرم کی بھی شریعت میں وہی سزا ہے جو اسلامی ریاست کے دشمن مرتد کی ہے۔ لیکن ہمارے یورپ میں رہنے والے مسلمان بھائیوں جن میں عبدالمالک صاحب بھی شامل ہیں اس پر کبھی عمل نہیں کیا۔ کیونکہ اس طرح وہ سب لوگ واجب القتل قرار پاتے ہیں۔ ان کی طرف سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ یورپ کے سرمایہ دارانہ معاشرے میں سود سے بچنا مشکل ہے لیکن وہ سود کی رقم کو اپنے اوپر خرچ کرنے کی بجائے دین کی تبلیغ پر خرچ کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے پاکستان سے علماء حضرات کو دعوت دے کر بلایا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ ہمارے علماء جو یورپ کے دورے کرتے رہتے ہیں ان کے اخراجات خالص سود کی رقم سے پورے کئے جاتے ہیں۔ یہ حضرات پروین جیسی معصوم لڑکیوں پر جن اسلامی احکامات کا نفاذ کراتے ہیں خود ان احکامات کا اپنے اوپر نفاذ کیوں نہیں کراتے۔ اور سابقہ سطور میں یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ ان دونوں جرائم کی سزا ایک ہی ہے۔

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے شریعت اسلامی میں مرتد کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو دین اسلام سے پھر جائے اور اسلامی حکومت کے لئے خطرہ بن جائے۔ دوسرا وہ جو محض اپنا دین تبدیل کرتا ہے۔ ان دونوں کے احکامات مختلف ہیں۔ جن مرتدوں کو واجب

Marfat.com

القتل قرار دیا جاتا ہے ان کے بارے میں سورہ مائدہ کی مندرہ ذیل آیات سے استدلال کیا جاتا ہے۔

(ترجمہ)..... جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ ودو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں۔ یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کیلئے بڑی سزا ہے۔ مگر جو لوگ توبہ کرلیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ (تو انہیں معاف کر دینا چاہیے) تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ المائدہ ۳۳، ۳۴)

علامہ طبری نے اپنی مشہور تفسیر جامع البیان میں اس آیت کے شان نزول کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ آیات قبیلہ مذنیہ کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں یہ لوگ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے ان میں سے اکثر بیمار تھے رسول اکرمؐ نے انہیں بیت المال کے اونٹوں کی چراگاہ میں بھیج دیا تاکہ وہاں وہ ان اونٹوں کا دودھ پئیں لیکن جب یہ لوگ صحت یاب ہوگئے تو انہوں نے بیت المال کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے رسول اللہؐ کو ان کی اس حرکت کا علم ہوا تو ان کا تعاقب کر کے انہیں پکڑوالیا چونکہ یہ لوگ صرف اسلام ہی سے نہیں پھر گئے تھے بلکہ اسلامی ریاست کے خلاف ایک شدید جرم کے مرتکب بھی ہوئے تھے اس جرم کو قرآن مجید میں حارب اللہ ورسولہ کی اصطلاح میں بیان کیا گیا ہے یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑائی۔ چنانچہ ان مجرموں کو ٹھیک اسی طرح قتل کیا گیا جس طرح انہوں نے رسول اکرمؐ کے چرواہوں کو قتل کیا تھا۔

اسی اصول کی روشنی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان عرب قبائل کے خلاف جنگ کی تھی۔ جنہوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے اس انکار کے ساتھ ہی مدینہ منورہ پر حملہ بھی کر دیا تھا۔ (تاریخ طبری جلد چہارم صفحہ،

Marfat.com

۱۸۷۷)

چنانچہ ان تفصیلات کی روشنی میں مسلمان فقہاء نے یہ فتویٰ دیا کہ صرف ایسے مرتدوں کو قتل کی سزا دی جائی جو مرتد ہو جانے کے بعد کسی حیثیت سے بھی اللہ اور اس کے رسولؐ یعنی اسلامی حکومت کے خلاف لڑائی کے مرتکب ہوں۔ دوسری قسم کے مرتد جو صرف اپنا مذہب تبدیل کرتے ہیں ان کے بارے میں بھی قرآن مجید میں واضح احکامات موجود ہین جو درجنوں آیات میں بیان کئے گئے ہیں اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے ان میں سے صرف چند آیات کو پیش کیا جاتا ہے۔

(ترجمہ) جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے وہ اگر مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تب تو کوئی بات نہیں مگر جنہوں نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کیا ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔ اور ایسے لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔ (سورۃ النحل ۱۰۴)

دیکھئے اس آیت کے مطابق دین اسلام کو ترک کرنے والے کو سزا تو ملے گی لیکن یہ سزا قیامت کے دن ملے گی پہلی قسم کے مرتد کی طرح اسے اس دنیا میں کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔

(ترجمہ) اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ تعالیٰ بندگی کرتا ہے اگر فائدہ ہوا تو مطمئن ہو گیا اور جو کوئی مصیبت آ گئی تو الٹا پھر گیا اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی یہ ہے صریح خسارہ۔ (سورۃ الحج ۱۱)

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو معاف نہیں کرے گا۔ اور نہ کبھی انہیں راہ راست دکھائے گا۔ (سورۃ النساء ۱۳۷)

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو بار بار مرتد ہو رہے ہیں اگر اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہوتی تو پھر ان لوگوں کا پہلے ارتداد کے بعد ہی خاتمہ ہو جاتا لیکن یہاں تو ان کے مرتد ہونے کا بار بار ذکر ہے یہاں تک کہ اس ارتداد کے سلسلے میں

Marfat.com

آخر میں بھی نہیں فرمایا کہ انہیں قتل کر دیا جائے بلکہ صرف یہ فرمایا کہ یہ لوگ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں سیدھی راہ نہیں دکھائے گا۔ ہاں قیامت کے دن انہیں سخت سزا دی جائے گی۔

مرتد کی سزا کے سلسلے میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں ان میں قتل کئے جانے والے مرتد کے لئے حارب اللہ ورسولہ' کی شرط لگائی گئی یعنی اللہ اور اس کے رسول ؐ یا ان کے قائم کردہ نظام سے جنگ کرنے والا۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین آدمیوں کے قتل کی اجازت دی ہے پہلا وہ شخص جو کسی دوسرے انسان کو قتل کرتا ہے' دوسرا وہ جو شادی کے بعد زنا کاری کا ارتکاب کرتا ہے اور تیسرا وہ جو مرتد ہو کر اللہ اور اس کے رسول ؐ کے خلاف جنگ کرتا ہے۔ (صحیح بخاری جلد دوم ص ۱۰۱۹)

اس موضوع پر اکثر احادیث میں تو یہ قید موجود ہے جو قرآن مجید کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ اس لئے اہل علم نے استدلال کیا ہے کہ اگر بعض احادیث میں یہ قید نہ بھی ہو گی تو سمجھا جائے گا کہ یہ قید موجود ہے۔

مختصر یہ کہ شریعت اسلامی میں صرف ایسا مرتد واجب القتل ہے ہے جو دین اسلام سے پھر جانے کے علاوہ اسلامی حکومت کے خلاف جنگ کرے اور مسلمانوں کیلئے خطرہ بن جائے صرف مذہب بدلنا گناہ ضرور ہے لیکن اس کی سزا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیں گے ایسے گناہ کے لئے کوئی دنیاوی سزا مقرر نہیں کی گئی جن علماء نے عبدالمالک کو اپنی لڑکی قتل کرنے کا فتویٰ دیا ہے وہ خود اسلامی قانون کے مطابق مجرم قرار پاتے ہیں کیونکہ ان کے سارے اخراجات خالص سود سے پورے کئے جاتے ہیں جو اسلامی قانون کے مطابق ارتداد کے مساوی جرم ہے اگر ہمارے علماء معصوم بچیوں پر علماء خود اسلامی قانون نافذ کراتے ہیں تو انہیں وہی قانون اپنے اوپر بھی نافذ کرانا چاہیے۔ (اگست ۱۹۸۹ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

چوری کی شرعی حد

ہمارے ہاں ہر معاملے میں مہارت حاصل کرنے کے لئے علم حاصل کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے لیکن شریعت اسلامی ایک ایسا معاملہ ہے جس کے لئے علم حاصل کرنے کی ضرورت کو محسوس ہی نہیں کیا جاتا جو جس کے منہ میں جو آتا ہے کہے جاتا ہے اس بارے میں اگر کوئی صاحب احتیاط سے کام لیتا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتا ہے کہ بیان دینے سے پہلے اس مسئلہ کے بارے میں کسی مولوی صاحب سے پوچھ لے لیکن خود ان مولوی حضرات کا شریعت اسلامی کے بارے میں علم کا جو حال ہے اس کے بارے میں کچھ نہ کہا جائے تو زیادہ اچھا ہے اس کا اندازہ قارئین کو راقم کے ایک سابقہ مضمون سے ہوگیا ہوگا جس میں راقم نے یہ دکھایا تھا کہ پاکستان میں مولویوں کے سب سے بڑے ادارے یعنی اسلامی نظریہ کی کونسل کے علماء کے نزدیک کتے کی گواہی تو قبول ہے لیکن مسلمان عورت کی گواہی ان کے نزدیک مردود ہے۔

ایسے سیاسی لیڈر جو اپنے آپ کو زیادہ تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں ان کا سہارا قرآن مجید کے انگریزی تراجم ہیں یہ بات بڑے افسوس سے کہنی پڑتی ہے کہ اس وقت قرآن مجید کے جو ترجمے متداول ہیں وہ سب کے سب غلط ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ

Marfat.com

ان حضرات کا عربی زبان کا علم بہت ہی ناقص تھا ایک عیسائی پادری راڈویل نے عیسائی مشنریوں کے لئے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کیا تھا اس نے اسلامی تعلیمات پر بھی عیسائی عقائد کی چھاپ لگا دی بعد میں ہمارے مسلمان اہل علم نے قرآن مجید کا جو ترجمہ کیا انہوں نے اس پادری کے ترجمے میں کچھ کمی زیادتی کر کے اپنے نام سے پیش کر دیا یہ غلط ترجمے آج ہمارے پڑھے لکھے لیڈروں کا سارا علمی سرمایہ ہے اور اس کے حوالے سے وہ اسلام پر گفتگو کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی اسلامی گفتگو میں عیسائیت کی جھلک نظر آتی ہے۔

شریعت اسلامی کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا لیکن ہمارے علماء حضرات نے اپنی جہالت کی وجہ سے اسے انسانیت کے لئے زحمت بنا دیا ہے ہماری جہالت کا ایک شاہکار چوری کی سزا میں چوروں کے ہاتھ کاٹنا ہے دنیا جانتی ہے کہ اس سزا کا اطلاق تاریخ کے کسی دور میں اثر و رسوخ والے لوگوں پر نہیں کیا گیا تو غریبوں پر اس سزا کا اطلاق کیا گیا یا حکمرانوں نے اپنے مخالفوں پر چوری کے الزام لگا کر ان کے ہاتھ کاٹے اس کی زندہ مثال خود ہمارا یہ جدید زمانہ ہے جہاں بارہ سال پہلے شرعی حدود نافذ کی گئی تھیں عدالتوں نے درجنوں افراد کے ہاتھ کاٹنے کی سزا دی لیکن چونکہ ان کا تعلق بااثر خاندانوں سے تھا اس لئے کسی کے ہاتھ نہیں کاٹے گئے اتفاق سے کوئی غریب چور حکومت کے ہاتھ نہ لگا کہ جس کے ہاتھ کاٹ کر وہ اپنے اسلام کا ڈھنڈورہ پیٹتی آئندہ سطور میں ہم چوری کی شرعی حد کے بارے میں کچھ عرض کریں گے۔

چوری کی شرعی حد کے بارے میں تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ضروری محسوس کرتا ہوں کہ اس بات کا ذکر کر دیا جائے کہ اسلامی معاشرے میں شرعی حدود نافذ کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مساوات پر مبنی اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے خود رسول اللہ ؐ نے ایسا معاشرہ قائم کرنے کے بعد ہی شرعی حدود کا نفاذ کیا تھا اس مقصد کے لئے مساوات پر مبنی اسلامی معاشرہ کی ضرورت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا

Marfat.com

ہے کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کے دور حکومت میں ملک میں قحط پڑ گیا اور حکومت اسلامی معاشرے کی ضروریات کو کماحقہ پوری نہ کر سکی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرعی حدود کا نفاذ معطل قرار دے دیا تھا چوروں کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے ان سے کام لینے والوں کو سزا دی کہ وہ انہیں مناسب معاوضہ نہیں دیتے تھے جس کی وجہ سے وہ چوری کرنے پر مجبور ہو گئے۔

چوری اور ڈکیتی ایسے جرائم ہیں جن کے ذریعے دوسرں کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حالیہ کو آپریٹو سیکنڈل میں جن لوگوں نے لاکھوں غریب لوگوں کی عمر بھر کی کمائی ہتھیائی ہے وہ لوگ بھی اسے زمرے میں آتے ہیں ڈکیتی کو چوری کی نسبت زیادہ سنگین جرم سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس میں ڈاکہ ڈالنے والے بعض اوقات لوگوں کو جان سے مار دینے میں بھی باک محسوس نہیں کرتے قرآن مجید میں اس جرم کو فساد فی الارض قرار دیتے ہوئے اس کی یہ سزا مقرر کی گئی ہے۔

(ترجمہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ ودو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا انہیں آزادی سے محروم کر کے قید میں ڈال دیا جائے (سورۃ المائدہ۔ ۳۳)

اس کے کچھ عرصہ بعد چوری کی شرعی حد کے بارے میں بھی قرآن مجید کی اسی سورت میں احکامات نازل ہوئے جن کا ترجمہ کچھ یوں ہے۔

"اور چور چاہے وہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے عبرتناک سزا بھی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سب پر غالب ہے" (سورۃ المائدہ۔ ۳۸)

ڈکیتی کا جرم جیسا کہ واضح ہے چوری سے زیادہ سنگین ہے اس کے لئے قرآن مجید میں تین سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔ یعنی قید کرنا ہاتھ پاؤں کاٹنا اور پھانسی پر چڑھانا

Marfat.com

ان تین سزاؤں میں سے قید کی سزا سب سے ہلکی ہے اور یہ اس وقت دی جائے گی جب جرم کی نوعیت زیادہ سنگین نہیں ہوگی جرم سنگین ہوتا جائے گا تو سزا بھی سخت ہوتی جائے گی سلطان اورنگ زیب عالمگیر جس نے اپنی زندگی برصغیر ہندو پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنے کے لئے وقف کر رکھی تھی انہوں نے چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی بجائے قید کی سزا نافذ کر رکھی تھی۔

انہوں نے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے پانچ صد علماء کو اکٹھا کیا تھا ان علماء حضرات نے حنفی فقہ کی مشہور کتاب فتاوی عالمگیری مرتب کی تھی جب یہ فتاوی بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے بہت سے معاملات کے بارے میں ان علماء سے اختلاف کیا ان میں سے ایک چوری کی سزا کے بارے میں قانون کے بارے میں تھا انہوں نے فرمایا کہ اس بارے میں امام شافعی کا فتاویٰ حنفی فقہ کی نسبت قرآن مجید کی تعلیمات کے زیادہ قریب ہے وہ چوری کے مجرم کے لئے قید کی سزا تجویز کرتے ہیں اور اگر چور قید کے دوران اپنے جرم سے توبہ کرے تو پھر اس کے جرم کو معاف کر دے توبہ سے مراد صرف زبان سے توبہ کا لفظ کہنا مراد نہیں بلکہ اس سے مراد جرم کی تلافی کرنا ہے چنانچہ امام شافعی کے اس فتویٰ کی روشنی میں سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے مندرجہ ذیل فرمان نمبر ۳۳ جاری کیا۔

"کہ جب اسلامی قانون کے مطابق کسی پر چوری کا جرم ثابت ہو جائے تو اسے قید کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ اپنا جرم سے توبہ کر لے" (مراۃ احمدی از مرزا محمد حسین مطبوعہ کلکتہ جلد اول صفحہ ۲۷۸)۔

مختصر یہ کہ فتاوی عالمگیری کو مرتب کرنے والے پانچ صد علماء کے فتویٰ کو ترک کر کے سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے چوروں کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے انہیں قید کرنے پر اکتفا کیا اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں کسی چور کے ہاتھ نہ کاٹے لیکن چونکہ کسی حد تک مساوات پر مبنی اسلامی معاشرہ قائم کر دیا تھا اس لئے چوری کے جرائم خود بخود کم ہو گئے اگرچہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے چوروں

Marfat.com

کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے انہیں قید میں ڈالنا کافی سمجھا لیکن بعض ممالک کے اسلامی حکمران ایسے بھی تھے جنہوں نے قدامت پسند علماء کے فتاوی پر عمل کرتے ہوئے چوروں کے ہاتھ کاٹے دراصل اس سزا کے پردے میں وہ اپنے مخالفوں سے نبٹنا چاہتے تھے' اور ان پر چوری کے الزام لگا کر ان کے ہاتھ کٹوا دیئے مسلمانوں کے ہر دور میں روشن خیال علماء کی بھی کمی نہیں رہی انہوں نے اس طرح ہاتھ کاٹنے کو قرآن مجید کی تعلیمات کے خلاف قرار دیا۔

انہوں نے دعویٰ کیا کہ قرآن مجید اس طرح ہاتھ کاٹنے کی اجازت نہیں دیتا یہی وجہ ہے کہ دور رسالت اور خلافت راشدہ میں اس طرح چوروں کے ہاتھ نہیں کاٹے گئے تھے انہوں نے کہا کہ ہاتھ کاٹنے کی تفسیر تو خود قرآن مجید میں سورۃ یوسف میں بیان کر دی گئی ہے اس سلسلے میں وہ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ جب مصر کی عورتوں نے عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف سے عشق کا مذاق اڑایا تو اس نے ان تمام عورتوں کو ایک دعوت پر بلایا' ان کے ہاتھوں میں پھلوں کو کاٹنے کے لئے چھریاں دیں۔ لیکن جب ان کے سامنے حضرت یوسف کو لایا گیا تو وہ مبہوت ہو کر رہ گئیں اور بے خیالی میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے (سورۃ یوسف ۳۱)۔

ان عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ کر انہیں اپنے پہنچوں سے علیحدہ نہیں کر دیا تھا بلکہ بے خیالی میں انہیں زخمی کر دیا تھا اس لئے ان روشن خیال علماء نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ اگر چوری کے مجرم کے ہاتھ پر ایسا زخم لگا دیا جائے کہ جو مندمل ہو کر بھی واضح طور پر نظر آتا ہے تو یہ ہاتھ کاٹنے کے مترادف سمجھا جائے گا خود چور کو یہ نشان اس کے جرم کا احساس دلاتا رہے گا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت کا احساس دلاتا رہے گا۔

دنیائے عرب کے دانشور ابو الاعلیٰ مصری اہاری نے جب چند لوگوں کے ہاتھ کٹے ہوئے دیکھے تو انہوں نے علماء حضرات پر ایسی طنز کی کہ خود انہیں اپنے فتاویٰ پر شرم محسوس ہونے لگی انہوں نے کہا کہ اگر کسی مسلمان کا ہاتھ غلطی سے کٹ جائے

Marfat.com

تو اسے پچاس اونٹ یا پانچ صد دینار معاوضہ دینا پڑتا ہے لیکن ایک چوتھائی دینار کے لئے لوگوں کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں (تفسیر روح المعانی جلد ششم صفحہ ۱۳۴)۔

اس کے نتیجے میں مسلمان فقہاء نے چوری کے جرم کی ایسی تشریح کرنی شروع کی کہ پھر کسی چور کے ہاتھ کاٹنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی اس تبدیلی کی چونکہ کافی تفصیلات ہیں اس لئے اسے ایک علیحدہ مضمون کی صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا یہ تفصیلات بہت ہی عجیب و غریب ہیں کیونکہ ان کے ذریعے چوری کرنے کے طریقے سکھائے گئے ہیں۔

شریعت اسلامی معاشرے سے چوری کے جرم کو ختم کرنا چاہتی ہے اس کے لئے ضروری نہیں کہ لوگوں کے ہاتھ کاٹ کر انہیں بے بس کر دیا جائے کہ نہ تو وہ اپنی صفائی کر سکیں اور نہ ہی نماز پڑھ سکیں بلکہ معاشرے پر بوجھ بن جائیں حیرت کی بات ہے کہ جو بات آج سے تین سو سال پہلے سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی سمجھ میں آگئی تھی وہ اس روشنی کے دور میں اسلامی نظام کے علمبرداروں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی اس کی وجہ یہ ہے کہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر خود ایک بہت بڑا عالم دین تھا جبکہ ہمارے علماء دین علم حاصل کرنے کی بجائے محض سنی سنائی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔

ہمارے ملک میں بارہ سال پہلے چوری کے بارے میں شرعی حد کو نافذ کیا گیا لیکن اس سے چوری کے واقعات ختم ہونے کی بجائے ان میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو گیا وجہ یہ ہے کہ شرعی حدود کا نفاذ سرمایہ دارانہ معاشرے میں کیا گیا تھا حالانکہ ان کے نفاذ کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مساوات پر مبنی اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے لیکن ایسے معاشرے کے قیام سے چونکہ مفت خوروں کو چھٹی ہوتی ہے اس لئے چاہے علماء حضرات ہوں' چاہے سیاسی لیڈر ایسے معاشرے کے قیام کا نام نہیں لیتے اس معاشرے کی بنیادی خصوصیت ہی یہ ہے کہ اس میں زمین کی خرید و فروخت ہی سرے سے حرام ہے ہر مسلمان اپنی ضرورت کے مطابق زمین سے فائدہ اٹھا سکتا

Marfat.com

ہے۔ (صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۸۱۷ حامد اینڈ کو ایڈیشن)

امید ہے کہ ان گزارشات کی روشنی میں وہ لوگ جو اپنے آپ کو اسلامی نظام کا علمبردار قرار دیتے ہیں چوری کی شرعی حد کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کریں گے اور اسلام کو لوگوں کی نظر میں مضحوکہ بنانے کی بجائے اس کی ایسی تفسیر پیش کریں گے جس کے نتیجے میں شریعت اسلامی لوگوں کے لئے رحمت ثابت ہو سکے۔ (اکتوبر ۱۹۹۱ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

چوری کی شرعی حد کے بارے غلط فہمی

وزیر اعظم پاکستان نے ۱۹ جولائی کو لاہور کے ہوائی اڈے پر شریعت بل کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ انسانوں کے ہاتھوں اور کانوں کو کاٹنا صحیح نہیں سمجھتی۔ حکومت کے مخالف علماء نے ان کے اس بیان پر سخت تنقید کی ہے اور ان کے بارے میں جو کچھ ان کے منہ میں آرہا ہے کہے جارہے ہیں۔ جماعت اسلامی کے نائب امیر پروفیسر غفور احمد جسے نسبتاً سنجیدہ سیاستدان سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں انہوں نے بھی ایک سخت بیان جاری کیا ہے۔ انہوں نے اعضاء کاٹنے کی سزا کے بارے میں وزیر اعظم کے بیان کو اشتعال انگیزی اور حلف کی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔

ہمارے ہاں تمام دنیاوی معاملات میں کمال حاصل کرنے کیلئے علم کا حصول ضروری سمجھا جاتا ہے لیکن اسلام کے بارے میں ہم اس اصول پر عمل نہیں کرتے جس کے منہ پر جو کچھ آتا ہے وہ کہے جاتا ہے۔ پروفیسر غفور کے حوالے سے راقم کو ایک پینتس سالہ پرانا واقعہ یاد آگیا۔ ان دنوں راقم اسلامی جمعیت طلبہ لاہور کے اجتماعات میں درس قرآن دیا کرتا تھا۔ ایک اجتماع میں پروفیسر غفور بھی شریک ہوئے تھے۔ اس وقت وہ ستلج ملز' اوکاڑہ میں کلرک کے طور پر کام کرتے تھے۔ انہوں نے

Marfat.com

درس کے دوران ایک عجیب و غریب سوال کیا۔ راقم نے اس وقت انہیں مشورہ دیا تھا کہ سیاست کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا قرآن کا مطالعہ کرلیں اور آج پینتس سال کے بعد ان کا بیان پڑھنے کے بعد انہیں پھریہی مشورہ دونگا۔ اگر اس بارے میں انہوں نے اسلامی تعلیمات کا غور سے مطالعہ کرلیا ہوتا تو پھر انہیں اپنا موجودہ بیان دینے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

چوری کی شرعی حد کے بارے میں تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ضروری محسوس کرتا ہوں کہ اس بات کا ذکر کردیا جائے کہ اسلامی معاشرے میں شرعی حدود نافذ کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مساوات پر مبنی اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا معاشرہ قائم کرنے کے بعد ہی شرعی حدود نافذ کی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب ملک میں قحط پڑگیا اور اسلامی حکومت مساوات پر مبنی معاشرے کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرعی حدود کے نفاذ کو معطل کر دیا تھا۔ انہی دنوں کچھ غلام چوری کے جرم میں پکڑے ہوئے ان کے پاس آئے۔ انہوں نے اپنے مالک کا اونٹ چرا کر اسے ذبح کرکے کھالیا تھا۔ مقدمے کی تفتیش کے دوران معلوم ہوا کہ ان کا آقا انہیں مناسب خوراک نہیں دے رہا تھا اور انہوں نے اپنی بھوک مٹانے کے لئے چوری کا یہ جرم کیا تھا۔ آپ نے غلاموں کو تو بری کر دیا ان کی بجائے ان کے مالک کو سزا دی کہ چونکہ وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا تھا۔ اس لئے وہ اس جرم کے ارتکاب پر مجبور ہوگئے۔

چوری اور ڈکیتی ایسے جرائم ہیں جن کے ذریعے دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ڈکیتی چوری سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے کیونکہ اس میں ڈاکہ ڈالنے والے بعض اوقات لوگوں کو جان سے مار دینے میں بھی باک محسوس نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں اس جرم کو فساد فی الارض قرار دیتے ہوئے اس کی یہ سزا مقرر کی گئی ہے۔

Marfat.com

ترجمہ:۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ ودو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں' ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا انہیں آزادی سے محروم کر کے قید میں ڈال دیا جائے۔ (سورۃ المائدہ۔ ۳۳)

اس کے کچھ عرصہ بعد چوری کے بارے میں شرعی حد کے سلسلے میں یہ احکامات نازل ہوئے۔

ترجمہ:۔ اور چور چاہے وہ مرد ہو یا عورت' دونوں کے ہاتھ کاٹ دو' یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے عبرتناک سزا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سب پر غالب ہے۔ (المائدہ۔ ۳۸)

ڈکیتی کا جرم جیسا کہ واضح ہے' چوری سے زیادہ سنگین ہے۔ اس کے لئے قرآن مجید میں تین سزائیں تجویز کی گئی ہیں' قید' ہاتھ کاٹنے اور پھانسی کی سزا ظاہر ہے ان میں قید کی سزا سب سے ہلکی ہے اور یہ اس وقت دی جائے گی کہ جب جرم کی نوعیت ابتدائی یا معمولی نوعیت کی ہوگی۔ جرم سنگین ہوتا جائے گا تو سزا بھی سنگین ہوتی جائے گی۔ سلطان اورنگ زیب عالمگیر جس نے اپنی زندگی برصغیر ہندو پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنے کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ انہوں نے چوری کے جرم کے ارتکاب پر ہاتھ کاٹنے کی بجائے صرف قید کرنا کافی سمجھا۔

انہوں نے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے پانچ صد علماء کو اکٹھا کیا تھا۔ جنہوں نے فتاویٰ عالمگیری مرتب کیا۔ جب یہ فتاویٰ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے بہت سے معاملات میں علما سے اختلاف کیا۔ ان میں سے ایک چوری کی سزا کے بارے میں قانون تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس بارے میں امام شافعی کا مسلک قرآن مجید کے زیادہ قریب ہے جو چوری کے مجرم کے لئے قید کی سزا تجویز کرتے ہیں اور اگر قید کے دوران وہ توبہ کر لے تو پھر اس کے جرم کو معاف کر دیا جائے۔ چنانچہ امام شافعی کے اس فتویٰ کی روشنی میں سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے مندرجہ ذیل

Marfat.com

فرمان نمبر ۳۲ جاری کیا۔

"کہ جب اسلامی قانون کے مطابق کسی پر چوری کا جرم ثابت ہو جائے' تو اسے قید کر دیا جائے' یہاں تک کہ وہ اپنے جرم سے توبہ کر لے۔"

(مراۃ احمدی از مرزا محمد حسین مطبوعہ کلکتہ جلد اول صفحہ ۲۷۸) چنانچہ حنفی فقہاء کے فتویٰ کے برعکس' سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے چوروں کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے انہیں قید کرنے پر اکتفا کیا اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے دور حکومت میں کسی چور کے ہاتھ نہیں کاٹے تھے لیکن چونکہ مساوات پر مبنی اسلامی معاشرہ قائم کر دیا تھا' اس لئے چوری کے جرائم خودبخود کم ہو گئے۔ اگرچہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر جیسے روشن خیال حکمرانوں نے چوروں کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے انہیں قید میں ڈالنا ہی کافی سمجھا۔ لیکن ایسے حکمران بھی تھے کہ جنہوں نے قدامت پسند علماء کے فتاویٰ پر عمل کرتے ہوئے چوروں کے ہاتھ کاٹے۔ مسلمان علماء کا ایک روشن خیال طبقہ جو تاریخ میں معتزلہ کے غلط نام سے مشہور ہے اس نے ہمیشہ ان کے اس کام کی مخالفت کی انہی میں سے ایک ابو الاعلیٰ معری تھے۔ انہوں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ اگر کسی مسلمان کا ہاتھ غلطی سے کٹ جائے تو اسے پچاس اونٹ یا پانچ صد دینار معاوضہ دینا پڑتا ہے۔ لیکن ایک چوتھائی دینار کے لئے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ بعض بادشاہوں نے اس حکم پر اس لئے بھی عمل کیا تھا کہ وہ اپنے مخالفوں پر چوری کا الزام لگا کر ان کے ہاتھ کٹوا دیتے تھے۔ ان معتزلہ علماء نے دعوے کیا کہ خود قرآن مجید کی تعلیمات کی رو سے چور کے ہاتھ کاٹے نہیں جاسکتے بلکہ قرآن مجید نے ہاتھ کاٹنے کا مطلب بھی خود واضح کر دیا ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ سورۃ یوسف کے اس واقعہ سے استدلال کرتے تھے۔ کہ جب عزیز مصر کی بیوی نے شہر کی عورتوں کو ایک دعوت پر بلایا اور ان کے ہاتھوں میں پھلوں کے کاٹنے کے لئے چھریاں دیں لیکن جب انہوں نے حضرت یوسف کو دیکھا تو انہوں نے بے خیالی میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے (سورۃ یوسف)

Marfat.com

یہاں ہاتھ کاٹنے کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ پہنچوں سے علیحدہ کر دیئے تھے۔ بلکہ واضح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ کر ان پر زخم کر دیئے تھے۔ اس لئے فقہاء نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ اگر چوری کے مجرم کے ہاتھ پر ایسا زخم لگا دیا جائے کہ وہ مندمل ہو کر بھی واضح طور پر نظر آتا رہے' تو یہ ہاتھ کاٹنے کے مترادف سمجھا جائے گا۔ چور کے ہاتھ کا یہ نشان اسے اپنے جرم کا احساس بھی دلاتا رہے گا۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت کا احساس دلاتا رہے گا۔

شریعت اسلامی معاشرے سے چوری کے جرم کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ لوگوں کے ہاتھ کاٹ کر انہیں ایسا بے بس کر دیا جائے کہ نہ تو وہ اپنی صفائی کر سکیں اور نہ ہی نماز پڑھ سکیں بلکہ معاشرے پر بوجھ بن جائیں۔ حیرت کی بات ہے کہ جو بات آج سے تین سو سال پہلے سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی سمجھ میں آگئی تھی وہ اس روشنی کے دور میں اسلامی نظام کے علمبرداروں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ امید ہے کہ وہ ان گزارشات کی روشنی میں چوری کی شرعی حد کے بارے میں مختلف علمائے اسلام کے نقطہ نظر کا مطالعہ کر کے موجودہ دور کے لئے کسی مئوثر طریقے کی سفارش کریں گے۔

ہمارے ملک میں دس سال پہلے چوری کے بارے میں شرعی حد کا نفاذ کیا گیا تھا۔ لیکن اس نے معاشرے پر خوشگوار کی بجائے اس کا منفی اثرات ڈالے ہیں اور چوری کے جرائم میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ شرعی حدود کا نفاذ سرمایہ دارانہ معاشرہ میں کیا گیا تھا۔ اس لئے اگر ہمارے یہ بھائی خود وزیراعظم پاکستان کے خلاف طرح طرح کی بولیاں بول رہے ہیں اسلامی نظام کے نفاذ کے بارے میں مخلص ہیں تو پھر انہیں ملک میں مساوات پر مبنی اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔ خیال رہے کہ اس معاشرے کی بنیادی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں زمین کی خرید و فروخت جائز نہیں ہوتی۔ ہر مسلمان اپنی ضرورت کے

Marfat.com

مطابق اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے (بخاری جلد اول ۱۸۷) (حامد اینڈ کوایڈیشن لاہور)

اگر ایسا معاشرہ قائم ہو جائے تو چوری کے جرائم خودبخود کم ہو جائیں گے۔

(جولائی ۱۹۹۰ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

دور رسالت اور خلافت راشدہ میں کسی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا تھا

چوری کی شرعی حد کے عنوان کے تحت راقم کا جو مضمون روزنامہ امروز کی ۲۵ جولائی کی اشاعت میں شائع ہوا ہے اس میں راقم نے ان مسلمان علماء کا قول نقل کیا تھا جن کے نزدیک چوری کے قطع ید سے مراد اس کے ہاتھ کو پنجے سے کاٹنا مراد نہیں ہے بلکہ اس پر ایسا کاری زخم لگانا مراد ہے کہ جو مندمل ہو جانے کے بعد بھی انہیں اپنے جرم کا احساس دلاتا رہے اس سلسلے میں انہوں نے سورۃ یوسف کی آیت ۳۱ سے استدلال کیا تھا کہ جب عزیز مصر کی بیوی کے حضرت یوسف سے معاشقے کی خبر شہر میں پھیلی تو شہر کی عورتوں نے اسے لعنت ملامت کرنا شروع کر دیا تھا۔ عزیز مصر کی بیوی نے ان کی لعنت ملامت کا جواب دینے کی بجائے انہیں ایک دعوت پر بلایا اور پھل کاٹنے کے لئے ان کے ہاتھوں میں چھریاں دیں۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے لایا گیا تو وہ انہیں دیکھ کر حیران رہ گئیں اور اسی حیرانی کے عالم میں انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے (آیت ۳۱) اب کوئی بھی مفسر اس آیت کا یہ معنی بیان نہیں کرتا کہ ان عورتوں نے اپنے ہاتھ اپنے پہنچوں

Marfat.com

ت انگ ...لئے تھے بلکہ صرف یہی کہ انہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر دیئے تھے۔ مختصر یہ کہ ہاتھوں کو زخمی کرنے پر بھی قطع ید کا اطلاق ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی ان علماء نے یہ دعویٰ کیا کہ خود دور رسالت اور خلافت راشدہ پر اسی اصول پر عمل ہوتا تھا ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اس بابرکت دور میں کسی چور کا ہاتھ پنجے سے نہیں کاٹا گیا تھا۔ اور جو علماء پنجے سے ہاتھ کاٹنے کے قائل تھے انہیں چیلنج کیا کہ اگر ان کے پاس اس بارے میں کوئی ثبوت ہے تو پیش کریں۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ اس سلسلے میں کوئی ثبوت پیش نہ کرسکے۔ خود امام بخاری کو اس بارے میں کوئی حدیث نہیں مل سکی۔ اس سلسلے مین انہوں نے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک عمل سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے پنجے سے ہاتھ کاٹا تھا اور اس طرح یہ تسلیم کرلیا کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے ثلاثہ سے کوئی روایت نہیں ملتی (صحیح بخاری اردو جلد سوم ۷۰۶ حامد اینڈ کو ایڈیشن) فقہ جعفریہ کے بانی امام جعفرصادق نے امام بخاری کی اس روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بہتان ہے ان کے نزدیک قطع ید سے مراد۔ ہاتھ کی دو چار انگلیوں کا کاٹنا ثابت ہے اس سلسلے میں وہ بھی قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جس میں ارشاد ہے **ویکتبون بایدھم** یعنی وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے۔ اب لکھا تو انگلیوں سے جاتا ہے اس لئے ان کے نزدیک قطع ید سے مراد ہاتھ کو پنجے سے کاٹنا مراد نہیں بلکہ صرف انگلیوں کا کاٹنا مراد ہے اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس کے بعد نماز اور دوسری عبادات بھی صحیح طریقے سے ادا کرسکے گا۔ انہی اس دلیل سے مایوس ہوکر ان حضرات نے مندرجہ ذیل حدیث کا سہارا لیا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

(ترجمہ) حضرت عبدالرحمن بن محیریز سے روایت ہے کہ ہم نے فضالتہ بن عبید سے چور کے کٹے ہوئے ہاتھ کو گلے میں لٹکانے کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ سنت ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور کو لایا گیا اس کے ہاتھ کو کاٹا گیا پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کا کٹا ہوا ہاتھ اس کے

Marfat.com

گلے میں لٹکا دیا جائے۔ (نیل الاوطار جلد ہفتم صفحہ ۱۴۲)

اس حدیث کے ساتھ ہی علامہ شوکانی نے یہ تصریح کر دی ہے کہ اس حدیث کا ایک راوی حجاج بن ارطاۃ تھا جو تمام محدثین کے نزدیک بالاتفاق جھوٹا تھا اس لئے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ (ایضاً)

مختصر یہ کہ جو علمائے اسلام قطع ید سے مراد ہاتھ کو صرف زخمی کرنا مراد لیتے تھے ان کے چیلنج کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکا تو پھر اس سلسلے میں انہوں نے قرآن مجید کی سورہ یوسف سے استدلال کر کے قطع ید سے مراد جو ہاتھ زخمی کرنا مراد لیا ہے۔ تو وہ زیادہ صحیح قول معلوم ہوتا ہے۔

اب ان علماء حضرات کا طرز عمل دیکھئے کہ جنہوں نے ہاتھ کو پہنچے سے کاٹنے پر اصرار کیا جب انہوں نے اس کے نتائج پر غور کیا تو انہوں نے چوری کی تعریف کے بارے میں ایسا طرز عمل اختیار کیا کہ چور پر کسی صورت میں حد نافذ ہی نہیں ہوتی تھی۔ فقہ کی کتابوں میں چوری کے بارے میں تفصیلات کا مطالعہ کیا جائے تو کوئی ایسی صورت باقی نہیں رہتی کہ چور کا ہاتھ کاٹا جاسکے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے ایک ارشاد نبوی سے استدلال کیا کہ "**ادروا الحدود بالشبہات**" کہ کسی معاملے میں ذرا سی بھی شبہ ہو تو شرعی حدود نافذ نہ کی جائیں ہمارے آج کل کے وکلاء حضرات تو مقدمات میں ایسے مین میخ نکالتے ہیں کہ وہ صحیح بات کو غلط ثابت کر دیتے ہیں چہ جائیکہ شبہ کا امکان ہوا اس لیے موجودہ دور میں کسی چور کے سزا پانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمارے علماء نے جو یہ تفصیلات مرتب کی ہیں ان میں سے کچھ کی تفصیل فتاویٰ سے نقل کر کے قارئین کی خدمت میں ایک علیحدہ مضمون کی صورت میں پیش کی جاچکی ہیں۔

ان تفصیلات کو سامنے رکھنے سے قارئین خود اس فیصلے پر پہنچ سکتے ہیں کہ اسلامی فقہ جسے اسلامی قانون کے طور پر متعارف کرایا جاتا ہے اس میں چوری کی شرعی حد کے سلسلے میں جو تفصیلات پیش کی گئیں ہیں ان کی روشنی میں کسی چور پر

Marfat.com

کبھی چوری کی شرعی حد کے نفاذ کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ بلکہ اگر چوروں کو ان تفصیلات کا علم ہوگیا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ اس جرم کا ارتکاب کرنے لگ جائیں گے کیونکہ ان احکامات میں چوری کے عجیب عجیب طریقے سکھائے گئے ہیں۔ اس کے مقابلے میں روشن خیال مسلمان علماء جنہیں معتزلہ کہا جاتا ہے کا مسلک قرآن و سنت کے بھی قریب ہے اور اس سے معاشرے سے چوری کے واقعات ختم کرنے میں بھی مدد مل سکتی ہے۔ کیونکہ بدنامی کا داغ ایسا ہوتا ہے کہ وہ بہت سے لوگوں کو جرائم کے ارتکاب سے روکتا ہے اور چوری کے جرم کی بدنامی کا داغ تو ہر دیکھنے والے کو ان مجرموں کے ہاتھوں پر نظر آئے گا۔ اسلام کا مقصد بھی یہی ہے کہ معاشرے کو اس برائی سے پاک کیا جائے اس سلسلے میں مختلف مسلمان علماء کی طرز عمل کو سامنے رکھا جائے تو معتزلہ کا طرز عمل زیادہ مؤثر دکھائی دیتا ہے۔ (اگست ۱۹۰ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

شریعت اسلامی میں عورت کی دیت کا مسئلہ

عورت کی دیت کے مسئلہ پر اخبارات میں کافی عرصے سے بحث ہو رہی ہے اور مختلف طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والے اہل علم اپنے اپنے نقطہ نظر کو اس طرح پیش کر رہے ہیں کہ معاملہ الجھتا جارہا ہے اس مسئلہ میں کچھ سیاست بھی داخل ہوگئی ہے جس نے اسے مزید الجھا دیا ہے جس کی وجہ سے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق اب یہ مسئلہ پھر قومی اسمبلی میں پیش کیا جائے گا اور اس حوالے سے پر دوبارہ بحث شروع ہو چکی ہے۔ حالانکہ شریعت اسلامی کی دوسری تعلیمات کی طرح یہ مسئلہ بھی بڑا سادہ ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں قرآن و حدیث سے اس مسئلہ کے بارے میں تفصیلات قارئین امروز کی خدمت میں پیش کردی جائیں۔

شریعت اسلامی کا سب سے بڑا مصدر قرآن مجید ہے اس میں جتنے احکامات بیان ہوئے ہیں وہ مسلمان مردوں اور عورتوں پر یکساں نافذ ہوتے ہیں۔ مثلاً روزوں کی فرضیت کے بارے میں قرآن مجید میں صرف ایک آیت ہے جس میں خطاب مردوں سے ہے اب اس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ کہ چونکہ اس آیت میں عورتوں کا ذکر نہیں۔ اس لئے ان پر روزے فرض نہیں کہ اس اصول کو اپنانے کی

Marfat.com

کوشش کی گئی تو عام اسلامی تعلیمات مذاق بن کر رہ جائیں گی کیونکہ تقریباً تمام شرعی احکاماتَ میں ذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے چنانچہ قرآن مجید کی اصولی تعلیمات کے مطابق جو دیت مرد کی ہے وہی عورت کی ہے۔

لیکن اسے نصف ثابت کرنے کے لئے آیات وراثت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ سورۃ النساء کی آیت گیارہ میں عورت کا حصہ نصف قرار دیا ہے۔ اس لئے اس کی دیت بھی نصف ہونی چاہیے وراثت کے بارے میں اس آیت نمبر۱۱ اور اس سے اگلی کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ استدلال غلط قرار پا جاتا ہے آیت نمبر گیارہ میں عورت اور مرد کی وراثت کا ذکر نہیں بلکہ بیٹے اور بیٹی کے حصے کا ذکر ہے جس میں بیٹی کا حصہ بیٹے سے نصف قرار دیا گیا ہے اسی آیت میں ماں اور باپ کا حصہ برابر قرار دیا گیا ہے یعنی چھٹا حصہ حالانکہ ماں عورت ہے اور باپ مرد اسی طرح اگلی آیت میں بہن اور بھائی کا حصہ بھی برابر رکھا گیا ہے حالانکہ بہن عورت ہے بلکہ بعض صورتیں تو ایسی ہیں کہ ان میں عورتوں کا حصہ مرد سے زیادہ بن جاتا ہے مثلاً اسی وراثت کی آیت نمبر۱۱ میں مذکورہ ہے کہ اگر کسی کی اولاد نہ ہو اور وفات کے بعد اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو ایک تہائی حصہ ملے گا جبکہ باپ کو چھٹا حصہ یہاں ماں جو عورت ہے کا حصہ باپ جو مرد ہی سے دوگنا قرار دیا گیا ہے ان تفصیلات سے یہ اصول باطل ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامی میں عورت کا وراثت میں حصہ مرد سے نصف ہے۔

قرآن مجید سے یہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جو مرد کی دیت ہے وہی عورت کی۔ عورت کی دیت کے نصف ہونے کا حدیث میں بھی کوئی ذکر نہیں دراصل فقہاء نے جو اس بارے استدلال کیا ہے وہ قرآن و حدیث سے نہیں بلکہ حضرت سعید بن المسیب کی ایک وضاحت سے ایسا کیا ہے وضاحت یہ تھی کہ مشہور فقیہ ربیعہ بن عبدالرحمٰن جو اپنے زمانے میں قیاس کے علمبردار تھے نے حضرت سعید بن المسیب سے عورت کی انگلیوں کی دیت کے بارے میں دریافت کیا آپ نے ایک

Marfat.com

انگلی کی دیت دس اونٹ' دو کی بیس اونٹ' تین کی تیس اونٹ اور چار کی بیس اونٹ بتائی اس پر ربیعہ نے کہا کہ چار انگلیوں کے نقصان کی صورت میں جرم کی سنگینی بڑھ گئی ہے اس لئے سزا میں اضافہ ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے برعکس اس میں کمی کر دی گئی ہے تو اس پر سعید بن المسیب نے فرمایا کہ سزا میں یہ کمی سنت کے مطابق ہے۔ (نیل الاوطار جلد ہفتم صفحہ ۱۷)

اس کی تائید میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث پیش نہ کی۔ وجہ یہ تھی کہ دور رسالت میں عورت کی دیت کا مسئلہ ہی پیدا نہ ہوا اور عام طریقہ یہ تھا کہ جن مسائل کے بارے میں رسول اللہ کے زمانے میں کوئی نظیر نہ ملتی تو علمائے اسلام اس علاقے کے معمول پر عمل کرتے جسے سنت کہا جاتا تھا مدینہ منورہ میں عورت کی دیت زمانہ جاہلیت میں مرد سے نصف قرار دی جاتی ہوگی اس لئے حضرت سعید بن المسیب نے اس کے مطابق فتویٰ دے دیا اس کی تائید میں انہوں نے قرآن یا حدیث کے سے کچھ نہ فرمایا۔ ہمارے فقہاء کی اکثریت نے ان کی اس رائے کو قبول کرلیا۔ تاہم بعض فقہاء ایسے بھی تھے جنہوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ان میں سرفہرست قاضی ابوبکر اصم اور قاضی ابن علیہ خاص طور پر مشہور ہیں انہوں نے قرآنی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ عورت کی دیت مراد کے برابر ہے۔

(نیل الاوطار جلد ہفتم صفحہ ۷۳)

خود وہ فقہاء اور علماء کہ جنہوں نے عورت کی دیت مرد کے نصف قرار دی ہے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی رو سے یہ برابر ہے لیکن اس کے باوجود یہ استدلال فرماتے ہیں کہ چونکہ فقہاء کی اکثریت نے سعید بن المسیب والا مسلک اختیار کرلیا ہے اس لئے اس کی مخالفت نہیں کی جاسکتی مولانا ظفر احمد عثمانی اس بارے میں یہ استدلال فرماتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ آیت کا ظاہری مفہوم مرد اور عورت کی دیت کی مساوات بتا

Marfat.com

رہا ہے لیکن ہم نے عورت کے معاملے میں آیت کو اپنے ظاہری مفہوم سے آثار اور اجماع فقہاء کی وجہ سے موڑ لیا ہے۔"

(اعلاء السنن جلد ۱۸ صفحہ ۴۲ مطبوعہ کراچی)

ان تفصیلات سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ہمارے فقہاء نے قرآن مجید سے استدلال کرنے کی بجائے حضرت سعید بن المسیب کے فتویٰ کو اختیار کرلیا تھا۔ خیال رہے کہ یہ حضرت سعید بن المسیب وہی بزرگ ہیں جو عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ جو مسلمان قربانی کرنا چاہتا ہو تو وہ قربانی کے عوض اس کی قیمت سے کسی غریب کی ضرورت پورا کردے تو زیادہ اچھا ہے۔ (محلی خرم جلد ہفتم صفحہ ۳۸۸)

لیکن عجیب بات ہے کہ ہمارے فقہاء نے دیت کے بارے میں تو حضرت سعید بن المسیب کا قول لے لیا ہے لیکن قربانی کے بارے میں ان کے مشہور مسلک کا کبھی ذکر نہیں کیا۔ ان تفصیلات کی روشنی میں اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ قرآن مجید کی سادہ تعلیمات پر غور فرما دیں ان پر واضح ہو جائے گا۔ قرآن و حدیث کے مطابق مرد اور عورت کی دیت میں کوئی فرق نہیں۔ (ستمبر ۱۹۸۴ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلامی شریعت اور انسانی اعضاء کی پیوند کاری

پچھلے سال پڑوسی ملک سری لنکا سے بھیجی ہوئی انسانی آنکھوں کو اپریشن کے ذریعے ایک صد پاکستانی نابیناؤں کو آنکھوں میں پیوند لگا کر ان کی بینائی بحال کر دی گئی تھی انسانی زندگی کو موت اور اذیت ناک مصائب سے بچانا' تاریخ اسلامی کے ہر دور میں' قابل تعریف فریضہ سمجھا گیا ہے۔ اسی سے ملتا جلتا' خون کے انتقال کا مسئلہ ہے آج سے ساٹھ ستر سال پہلے لاکھوں انسان' خون کی کمی' خصوصاً لڑائیوں میں بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے لقمہ اجل ہو جاتے تھے۔ لیکن انسانی علم نے ترقی کی اور ماہرین علم طب نے جن میں امریکی سرجن مسٹر کرائل اسکنڈے نیویا کے ڈاکٹر جینکی اور ڈاکٹر موس کے نام سرفہرست ہیں ایک انسان کا خون' دوسرے انسان میں منتقل کر کے میڈیکل سائنس میں انقلاب برپا کر دیا۔

اسلام نے ایک بھی انسانی جان کو ہلاکت و بربادی سے بچانے کو ایک بہت بڑی نیکی اور تمام انسانیت کے ساتھ احسان قرار دیا ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳۲ میں ارشاد ربانی ہے کہ جس نے ایک انسانی جان کو ہلاکی ہونے سے بچایا' اس نے گویا ساری انسانیت کو بچالیا۔ ایک انسان کے خون کو دوسرے انسان ہیں منتقل کرنے کی ضرورت' صرف اس وقت پیش آتی ہے جب اس انسان کی زندگی کو خطرہ ہو۔ بعض

Marfat.com

اوقات تو بلاَت کا یہ خطرہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ چند منٹوں کے توقف سے' زخمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے اسے حالت اضطرار یعنی مجبوری کی حالت سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس حالت میں ایسی حرام چیزوں کو بھی استعمال کرنے کی اجازت دی ہے جنہیں شریعت اسلامی میں بڑے واضح الفاظ میں حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ سورۃ البقر کی آیت نمبر ۱۷۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ تم پر مردار' خون' خنزیر کا گوشت اور جس جانور کو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر ذبح کیا جائے حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ لیکن جو شخص مجبور ہو جائے نہ زیادہ چاہنے والا اور نہ حد سے بڑھنے والا' اس پر ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ قرآن حکیم نے یہاں اس امر پر کوئی تخصیص نہیں کی کہ یہ خون انسانوں کا ہوگا یا حیوانوں کا۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ ہمارے علماء اس کا یہ فلسفہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی حیثیت سے انسانی جسم کے لئے نقصان دہ ہیں۔ لیکن ان تمام برائیوں کے باوجود قرآن حکیم مجبوری کی حالت میں جان بچانے کے لئے ان تمام ناجائز چیزوں کے استعمال کو جائز قرار دیتا ہے۔ تمام فقہی مذاہب نے اس قرآن اجازت کو تسلیم کیا ہے۔

بلکہ بعض فقہا نے تو غیر اضطراری حالت میں بھی ان حرام چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ حنفی فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری کا یہ فتویٰ ملاحظہ ہوا۔

"اگر بیمار کو کسی مسلمان طبیب نے خبر دی کہ تیری شفا خون یا پیشاب پینے یا مردار کھانے میں ہے اور اس نے ان مباح چیزوں میں سے اس کے قائم مقام کوئی چیز نہ پائی تو اس کو پینا اور کھانا جائز ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ شیخ غلام علی جلد نہم صفحہ ۹۸)

اضطراری کیفیت یا مجبوری کا جواز جان بچانے تک محدود ہے لیکن ہمارے فقہاء تو جلدی صحت حاصل کرنے کے لئے بھی ان حرام چیزوں کو حلال قرار دیتے

Marfat.com

ہیں۔ خون پینا تو اکثر صورتوں میں صحت کے لئے نقصان دہ ہے جبکہ اس کے مقابلے میں خون کو آلات کے ذریعے منتقل کرنے میں ایسے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں۔ اس لئے اس کی اجازت بوجہ اولیٰ ہونی چاہیے۔

مسلک حنبلی کے مشہور امام ابن قدامہ نے تو جان بچانے کے لیے حرام چیزوں کے استعمال کو فرض قرار دیا ہے۔ ان کے فتویٰ کے مطابق جو شخص اس شرعی اجازت سے فائدہ نہ اٹھائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت مجرم قرار پائے گا اور قیامت کے دن' اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا فرماتے ہیں۔

عبداللہ سے ایسے مجبور شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ جسے جان بچانے کے لئے مردار کا گوشت دستیاب تھا لیکن اس نے نہ کھایا تو انہوں نے حضرت مسروق کا یہ قول نقل کیا کہ جس شخص کی حالت بھوک کی وجہ سے اضطراری تھی اور اس نے مردار کا گوشت نہ کھایا۔ اور نہ کوئی حرام چیز لی۔ اور اسی حالت میں مر گیا۔ تو وہ قیامت کے دن دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور یہی ابن حامد کی رائے ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے کہ تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور ایسی حالت میں مردار کے کھانے کو ترک کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

(المغنی لابن قدامہ جلد ہشتم صفحہ ۵۹۶)

اعضاء کی پیوند کاری کا مسئلہ خون کے انتقال سے بھی زیادہ اہم ہے۔ علم طب اب اس حد تک ترقی کر چکا ہے کہ مردہ انسانوں کے اعضاء زندہ انسانوں کے اعضا سے بدل دیئے جاتے ہیں۔ آج سے ۶۰' ۷۰ سال پہلے مصر میں علماء کی ایک مجلس کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ علامہ رشید رضا نے اس مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اعضاء کی پیوند کاری کوئی نیا مسئلہ نہیں۔ فقہائے کرام نے اسے صدیوں پہلے حل کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس مقصد کے لئے انہوں نے انسانی اعضاء کی خرید و فروخت کی بھی اجازت دے دی تھی۔ شرط یہ تھی کہ اس سے انسانیت کو فائدہ پہنچ

Marfat.com

ہے۔ اس کی تائید میں انہوں نے امام ابن قدامہ کا یہ فتویٰ پیش کیا کہ مردہ انسان کے تمام اعضاء کی فروخت جائز ہے۔ کیونکہ غلام اور لونڈی کی فروخت جائز ہے اور آزاد آدمی کی فروخت اس لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کی ملکیت نہیں اور زندہ انسان کے کاٹے ہوئے عضو کی فروخت کی بھی اجازت نہیں' کیونکہ اسے کوئی نفع نہیں ہوتا۔"

(المغنی لابن قدامتہ جلد چہارم صفحہ ۲۶۰)

علامہ رشید رضا نے اس معتبر کتاب کو زمانہ جدید کے معیار تحقیق کے مطابق دوبارہ مرتب کر کے شائع کر دیا تھا اس فتویٰ کے نیچے یہ لکھتے ہیں۔

"یعنی انسان کے اعضاء کی فروخت اس وقت جائز ہے جب ان سے نفع اٹھایا جائے۔ اور یہ ہمارے زمانے میں ممکن ہے۔ جبکہ جلد سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اس سے بدن کے دوسرے حصے میں پیوندکاری کر دی جاتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ مردہ جسم کے کسی حصے کو کاٹنا' اس کی بے حرمتی کرنا ہے' لیکن خود حنفی فقہ میں' بعض ایسی مثالیں موجود ہیں۔ جو اس اعتراض کی نفی کرتی ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے۔

فتاویٰ ابواللیث میں مذکور ہے کہ عورت مر گئی وہ حاملہ تھی اور یقین ہو کہ اس کے پیٹ کا بچہ زندہ ہے تو عورت مذکور کا پیٹ' بائیں طرف سے چاک کیا جائے' اس طرح اگر گمان غالب ہو تو اس کے پیٹ کا بچہ زندہ ہے تو بھی یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد نہم صفحہ ۱۰۷)

اس فتویٰ کے مطابق ایک انسانی جان کہ جس کی زندگی کا پورا یقین نہیں' اسے بچانے کے لئے مردہ کا عضو کاٹنے کی اجازت دی گئی۔ اس کے برعکس فقہائے کرام نے ایک زندہ انسان کو بچانے کے لئے کسی ایسے مردہ نفس کہ اس کی موت کا پورا یقین بھی نہیں' کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی اجازت دی ہے۔ یہ فتویٰ

Marfat.com

ہی عالمگیری ہی سے ملاحظہ ہو۔

اگر کسی حاملہ کے پیٹ میں بچہ معترض ہوگیا' یعنی بینڈا ہوکر' چوڑان میں پڑگیا اور لوگوں کو بچہ نکالنے کی کوئی راہ نہ معلوم ہوئی۔ سوائے اس کے کہ بچے کے عضو جدا کر دیئے جائیں۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ماں کی جان کا خوف ہے تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر بچہ پیٹ کے اندر مرگیا تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (ایضاً)

اس فتویٰ کے مطابق ایک زندہ جان کو ہلاکت سے بچانے کے لئے مردہ نفس کی اجازت کے بغیر اس کے اعضاء کاٹنے اور ٹکڑے کرنے کی اجازت ہے۔ اس زمانے میں میڈیکل سائنس نے مصیبت زدہ انسانوں کو دائمی دکھ اور تکلیف سے بچانے کے لئے انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا طریقہ رائج کیا ہے۔ پھر اس امر کا دائرہ کار صرف ان مردہ انسانوں تک محدود ہے جو اپنی موت سے قبل انسانیت کے نفع کے لئے اپنے جسم کے بعض اعضاء دوسرے انسانوں کی مصیبتیں دور کرنے کے لئے استعمال کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ اعضاء ویسے بھی موت سے چند دنوں کے بعد فنا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی مرنے والے نے اپنے عطیے سے کسی دوسرے قریب المرگ انسان کو زندہ رکھنے میں مدد دی تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضرور اجر کا مستحق ہوگا۔

(اپریل ۱۹۸۳ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

ہیروئن کی آمدنی سے یورپ میں تبلیغ دین

پچھلے کئی سالوں سے ہمارے ملک سے علماء حضرات کی ایک کثیر تعداد اسلام کی تبلیغ کے لیے یوروپ کے مختلف ممالک کے دورے کر رہی ہے۔ ان میں اکثر علماء کو راقم ذاتی طور پر جانتا ہے وہ انگریزی زبان جو یوروپ میں تبلیغ اسلام کے لیے بنیادی شرط ہے کا ایک لفظ تک نہیں جانتے۔ ان کے مقابلے میں ایسے کئی علماء موجود تھے جو انگریزی زبان پر مناسب دسترس رکھتے تھے لیکن یوروپ میں اسلام کی تبلیغ کے لیے کسی نے ان کی خدمات حاصل نہ کیں۔ خود راقم کو اس کام سے کافی دلچسپی تھی اور اسی کام کے ایک حصے کے طور پر تیس سال سے مختلف اسلامی موضوعات پر انگریزی اخبارات میں کالم لکھ رہا تھا لیکن کسی ادارے نے راقم کو اس اسلامی خدمت کا موقع نہ دیا۔

دو سال پہلے ہمارے علاقے کے ایک مولوی صاحب قاری محمد اشرف صاحب جو لاہور کی ایک مسجد کے امام تھے' اچانک غیب کر دیئے گئے۔ یہ مولودی صاحب بھی' اسلام کی تبلیغ کے لیے یوروپ کے مختلف ممالک کے دورے کر چکے تھے۔ حالانکہ انگریزی زبان کا ایک لفظ تک نہیں جانتے تھے۔ بلکہ اسلام کے بارے میں بھی ان کی معلومات واجبی سی تھیں۔ چونکہ میانوالی میں ہمارے محلے کے امام مسجد سے ان ن .شتہ دا.ری تھی اس لیے ان سے اکثر ملنا ہوتا تھا تاہم میرے سامنے وہ یوروپ میں اسلامی تبلیغ کے دوروں کی مطلقاً کوئی بات نہیں کرتے تھے بلکہ پوچھنے پر

Marfat.com

بھی ٹال مٹول کر جاتے تھے ایک دن لاہور کی ایک پر رونق سڑک سے وہ اچانک غائب کر دیئے گئے۔ ان کی گاڑی گلبرگ میں ایک جگہ مل گئی جس میں ان کے سفر کے کاغذات موجود تھے۔ انہوں نے غالباً اگلے دن اسلام کی تبلیغ کے لیے ہانگ کانگ جانا تھا کہ اس سفر سے پہلے اچانک بھرے بازار سے غائب کر دیا گیا۔ ان کے غائب ہونے کا معمہ ابھی تک حل نہیں ہوسکا۔ اس سلسلے میں مختلف لوگوں سے باز پرس ہوئی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ علاقائی تعلق کی وجہ سے راقم بھی ان کو گمشدگی کے معاملے میں معلومات حاصل کرتا رہتا تھا۔ ان کی گمشدگی کی اطلاع دینے والوں کے لیے ایک لاکھ روپے کا انعام بھی مقرر ہوچکا تھا۔ اس قسم کے انعام کے لالچ کے ذریعے بڑے بڑے مجرموں کو پولیس پکڑنے میں کامیاب ہو جاتی ہے لیکن ہمارے قاری صاحب کی کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔

اتفاق سے ایک مجلس میں ایسی باتیں سننے کا موقع ملا جس سے راقم کو اپنے قاری صاحب کی گمشدگی کا معمہ حل کرنے میں مدد ملی۔ اس مجلس میں ان ذرائع پر بحث ہو رہی تھی کہ جن کے ذریعے یوروپی ممالک بلکہ سعودی عرب میں ہیروئن سمگل کی جاتی تھی۔ ان میں سے ایک ذریعہ تبلیغ اسلام کے لیے مولوی حضرات کے دورے بتائے گئے ــــــــــــــ اس مقصد کے لئے سب علماء حضرات کو استعمال نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان میں سے چند قابل اعتماد حضرات سے یہ خدمت لی جاتی تھی اور بعض دوسرے علماء جنہیں اس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ انہیں اس امر کی خبر تک نہ ہوتی کہ انہیں ہیروئن لے سمگل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

علماء حضرات کے ذریعے ہیروئن سمگل کرنے کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ جس دورے میں ہیروئن سمگل کرنے کا دھندا کیا جاتا۔ اس میں دو تین علماء حضرات کو شامل کیا جاتا۔ ان میں سے ایک دو حضرات کی ہوائی اڈوں پر خوب چیکنگ کرائی جاتی اور اس مقصد کے لیے ایسے طریقے استعمال کیے جاتے جنہیں عام طور پر غیر شریفانہ سمجھا جاتا۔ چونکہ ان حضرات کے سامان سے کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوتی تو

Marfat.com

اس کے حوالے سے ان غیر ممالک کے ہوائی اڈوں کے ملازمین کو خوب جھاڑ پلائی جاتی کہ انہوں نے اس طرح کی چیکنگ کرکے ہمارے علماء پر بداعتمادی کا اظہار کیا ہے اور ان کی بے عزتی کی ہے۔ یہ پارسا لوگ ہیں ایسے کام نہیں کرتے خیال رہے کہ یورپ کے لوگوں کو کتنا ہی بے دین کیوں نہ سمجھا جاتے۔ وہ اپنے پادریوں کی بے حد عزت کرتے ہیں۔ ویسے بھی عام طور پر ان کے پادری دوسرے شہریوں کی نسبت پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ چنانچہ اس ذراماے کے بعد ہمارے سمگلر دوسرے علماء کو جن کے سامان میں ہیروئن ہوتی ہے بغیر چیکنگ کے ہوائی اڈے سے باہر لے جانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ان کے ذریعے ہیروئن سمگل کی جاتی ہے۔

علماء حضرات کے ذریعے ہیروئن کی سمگلنگ کا دوسرا طریقہ یہ بتایا گیا کہ سمگلروں کے مختلف گروپ بعض علماء کا اعتماد قائم کرانے کے لیے دوسرے گروپ کے سمگلروں کو گرفتار کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اسی اعتماد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خود ہیروئن سمگل کرتے ہیں ان تفصیلات کو سننے کے بعد راقم پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ یورپ میں اسلام کی تبلیغ کے لیے نیم تعلیم یافتہ علماء جنہیں انگریزی زبان کا ایک لفظ تک نہیں آتا' کی خدمات کیوں حاصل کی جارہی ہیں۔

پچھلے پندرہ سالوں میں انگریزی اخبارات میں اسلام کے بارے میں سب سے زیادہ کالم راقم کے شائع ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ یورپ سے جو پادری حضرات پاکستان تشریف لاتے ہیں وہ راقم سے ملاقات کرکے جاتے ہیں۔ چند سال پہلے یورپ کے مشہور پادری مسٹر ہانس کنگ جنہوں نے پوپ کی اتھارٹی کو چیلنج کر رکھا ہے پاکستان تشریف لائے تو راقم سے ملاقات کے لئے غریب خانے پر تشریف لائے تو راقم حیران تھا کہ یورپ میں اسلام کی تبلیغ کے لیے وفود میں ان پڑھ علماء کو شریک کیا جارہا ہے لیکن اس قسم کی دعوت سے راقم محروم رہا۔ خود اتنی ہمت نہ تھی کہ یورپ کے دونوں طرف کا کرایہ تو کجا' ایک طرف کا کرایہ برداشت کرلیتا۔ اتفاق سے راقم اپنے کالموں میں ان بددیانت اہل وطن کو بھی بے نقاب کرچکا تھا۔ جو ملک

Marfat.com

کی دولت لوٹ کر سوئٹزرلینڈ کے بنکوں میں جمع کرا رہے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہی لوگ تو علماء حضرات کے یوروپ کے دوروں کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ تم انہیں بے نقاب بھی کرتے ہو اور یہ توقع بھی رکھتے ہو کہ وہ میرے یورپ کے دورے کے اخراجات بھی برداشت کریں۔ یہ کیسے ممکن ہے!

مجھے اس سارے معاملے کے بارے میں حیرت اس وقت ہوئی کہ جب اس کاروبار میں ملوث ایک صاحب نے دعویٰ کیا کہ وہ دین اسلام کی ہر خدمت دیانتداری سے کرتے ہیں۔ میرے لیے ہیروئن کی آمدنی سے دین کی خدمت کا دعوے ایک انوکھی بات تھی کیونکہ شریعت جس چیز کو حرام قرار دیتی ہے حرام آمدنی سے اسلام کی تبلیغ کا تصور انوکھا ہے۔

ہمارے ملک سے جو حضرات اسلام کی تبلیغ کے لیے یوروپ کے دوروں پر تشریف لے جارہے ہیں۔ ان سے اگر وہ اسلام کی تبلیغ کے بارے میں مخلص ہیں' یہ توقع کی جاتی ہے کہ ان دوروں پر جاتے وقت وہ اس امر کا اطمینان کرلیں کہ ان کے دوروں کے اخراجات کون لوگ برداشت کر رہے ہیں اگر انہیں یقین ہو جائے کہ یہ اخراجات ہیروئن کو سمگلر برداشت کر رہے ہیں تو انہیں ایسے دوروں سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے اسلام یوروپ میں بدنام ہوگا جیسا کہ مجھے بتایا گیا کہ اس کاروبار کا بہت سے علماء کو علم تک نہیں ہوتا اور انہیں ہیروئن کی سمگلنگ کیلئے استعمال کرلیا جاتا ہے۔ لیکن کچھ علم حضرات کو اس سلسلے میں باقاعدہ اعتماد میں لیا جاتا ہے میرا اندازہ ہے کہ ہمارے علاقے کے قاری اشرف کا شمار ایسے ہی علماء میں سے تھا اس لئے ان حضرات کو ان کے انجام کو سامنے رکھنا چاہیے اور اس حرام کاروبار سے ہر طرح سے لاتعلقی کا اظہار کر دینا چاہیے۔ دین اسلام کا رکھوالا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی تبلیغ کے اسباب بھی اللہ تعالیٰ ہی مہیا فرمائیں گے اس کیلئے حرام ذرائع آمدنی سے ہر صورت میں اجتناب کی ضرورت ہے۔ (مرقوم فروری ۱۹۹۰ء)

Marfat.com

کیا اسلامی مملکت کے حکمران شرعی سے حدود بالا ہیں

امروز میں میرے مضمون کی اشاعت کے جواب میں مفتی محمد ابو سعید غلام سرور قادری اور سید غلام مصطفیٰ بخاری نے مختلف روزناموں میں ملے جلے جذبات کا اظہار کیا ہے اور انہوں نے زیادہ تر اسلامی حکمران کے شرعی حدود سے بالاتر ہونے کے بارے میں بحث کی ہے۔ اپنے مضمون میں راقم نے فتاویٰ عالمگیری کا متعلقہ ضابطہ نقل کرنے کے بعد علماء حضرات سے یہ دریافت کیا تھا کہ کیا وہ موجودہ دور کے مسلمان حکمرانوں کو بھی اس قسم کے حقوق دینے کو تیار ہیں کہ قتل کے علاوہ وہ جو ظلم و بدمعاشی کریں مثلاً شراب نوشی، زناکاری، چوری چکاری وغیرہ تو ان پر شرعی حدود کا نفاذ نہ ہوگا۔ مفتی محمد ابو سعید غلام سرور قادری صاحب نے اس کا جواب اثبات میں دیتے ہوئے اس کی تائید میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

چونکہ سربراہ مملکت انتظامی معاملہ میں خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا نوکر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے خدا کا نائب ہے۔ لہٰذا حدود میں وہ خدا تعالیٰ کے ہاں خود ہی جواب دہ ہوگا کہ یہ اس کے حقوق ہیں۔ ماتحت لوگوں کو اس قسم کی زیادتیوں پر صبر کرنا ہوگا اور اس میں وہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے (نوائے وقت لاہور ۲۴ جنوری ۷۹) حنفی فقہ کے بانی حضرت امام ابو حنیفہ ساری عمر اپنے دور کے

Marfat.com

مسلمان حکمرانوں کی کوتاہیوں کی ڈٹ کر مخالفت کرتے رہے جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی عمر عزیز کا زیادہ حصہ جیل خانوں میں گزارا اور جیل خانے میں ہی وفات پائی مفتی صاحب کے اس ارشاد کے مطابق نہ تو انہوں نے صبر سے کام لیا اور نہ ہی اپنے آپ کو اس اجر عظیم کا مستحق قرار دیا جس کی طرف مفتی صاحب اشارہ فرما رہے ہیں۔ بلکہ جو لوگ اس قسم کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ان پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا حنفی فقہ کی مشہور کتاب احکام القرآن جلد دوم مصنفہ قاضی ابوبکر حصاص میں آپ کا یہ مسلک تفصیل سے بیان ہوا ہے حکام وقت کے بارے میں جب رفقاء انہیں نرم رویہ اختیار کرنے کے لئے کہتے تھے تو آپ ہمیشہ اس حدیث نبوی ﷺ کو ان کے سامنے پیش کرتے جو حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب تمام شہدا کے سردار ہیں اور ان کے بعد اس شہید کا درجہ ہے کہ جس نے ظالم حکمران کی مخالفت میں ثابت قدمی سے کام لیا اور اس کے احکام ماننے سے انکار کرنے پر اسے قتل کر دیا گیا (صفحہ ۴۱) حضرت ابو سعید الخدری کی روایت سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دوسرے ارشاد مبارک کا حوالہ دیا کرتے کہ سب سے افضل جہاد ظالم سلطان کے آگے کلمہ حق کہنا ہے (ایضاً) لیکن اس کے برعکس مفتی صاحب اس ظلم پر مسلمانوں کو صبر کی تلقین فرما کر انہیں اجر عظیم کا حقدار قرار دے رہے ہیں۔

اب ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ کن لوگوں کا مسلک تھا اور اس نے ان کی تصریح کے مطابق امت مسلمہ کو کتنا نقصان عظیم پہنچایا۔ اسی احکام القرآن میں لکھا ہے کہ یہ عقیدہ الحشویہ کا تھا۔ الحشویہ اہل حدیث کا ایک طبقہ تھا جو شریعت کے ظاہری الفاظ پر بے سوچے سمجھے اصرار کرتا تھا۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مسلمان حکمران کتنے ہی ظلم و جور کا مرتکب ہو' اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی جائے ہاں اگر اس سے کمتر درجے کے لوگ ایسا کریں تو پھر زبان اور ہاتھ سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔ امام صاحب کے خیال کے مطابق ایسا عقیدہ رکھنے والے لوگ

Marfat.com

امت مسلمہ کے لئے دشمنوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوئے کیونکہ انہوں نے عامتہ الناس کو مسلمان حکمرانوں کے ظلم کے خلاف آواز اٹھانے سے روکا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں پر فاسق' فاجر بلکہ مجوسی اور دشمنان اسلام لوگ چھاگئے۔ جس کے نتیجے میں دشمنوں نے مسلمانوں کے سرحدی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ ہر طرف ظلم کا دور دورہ شروع ہوگیا اور مسلمان نہ دین کے رہے نہ دنیا کے یہاں تک زندیقوں نے ان پر غلبہ حاصل کرلیا۔ (جلد دوم صفحہ ۴۰)

یہ تو تھا امام ابو حنیفہ کا مسلک جو حنفی فقہ ہی کی ایک معتبر کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس ہمارے ایک دوسرے مضمون نگار سید غلام مصطفیٰ بخاری مسلمان حکمرانوں کو شرعی حدود سے بالا تر قرار دینے کے بارے میں ہفت روزہ افق کراچی میں عقلی دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اور ثانیاً جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جاچکا ہے۔ کہ اجرائے حدود کے لیے حاکم مجاز کا ہونا ضروری ہے تو چونکہ ریاست کا حاکم اعلیٰ خود ہی سب سے بڑا صاحب اختیار ہے لہٰذا اس کا خود پر اجراء ناممکن ہے اور شرعاً بھی معتبر نہیں ہے۔ اب آجاکر یہی صورت باقی رہتی ہے کہ بذریعہ قاضی اس کو قبول اجراء حدود پر مجبور کیا جائے۔ تو قاضی اس کے لیے حاکم مجاز نہیں ہے بوجہ ماتحت ہونے کے۔ کیونکہ وہ حاکم اعلیٰ ہونے کے ناطے کسی بھی وقت معزول کرکے بے اختیار کرسکتا ہے لہٰذا اس کے اختیارات مشکوک ہیں۔ حاکم اعلیٰ کے لیے اور اجرائے حدود کے لیے اختیارات کاملہ یقینیہ ضروری ہیں۔ ورنہ وہ حاکم مجاز نہیں کہلا سکے گا۔ اس لیے اس صورت پر اعتراض عقل پر ماتم کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ اگر عقل سے اتنا کام بھی نہ لیا جائے تو پھر صد حیف ایسی عقل پر۔"

جن صاحب نے یہ تراشہ ارسال فرمایا ہے انہوں نے اس سے بھی زیادہ ثقیل زبان استعمال کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ صرف گدھے ہی اس معمولی سے اسلامی قانون کو نہیں سمجھ سکتے۔ راقم تو شاید گدھے سے بھی گھٹیا انسان ہو لیکن ان حضرات کو

Marfat.com

ایسے ارشادات منہ سے نکالنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے یہ غور و فکر کرلینا چاہیے۔ کہ ان کے ارشادات کی زد کہاں کہاں تک جا کر پڑتی ہے! حضرات امام ابو حنیفہ کا مسلک تو راقم نے ادھر نقل کر دیا ہے۔ شراب خوری اور زنا کاری تو کجا وہ تو مسلمان حکمرانوں کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے بھی چشم پوشی نہیں کرتے تھے۔ جس کے لیے انہیں اپنی عمر عزیز کا اکثر حصہ جیل خانوں میں گزارنا پڑا۔ دوسرے فقہی مذاہب کے بانیوں کا بھی یہی مسلک تھا۔ مسلمان حکمرانوں نے حضرت امام مالک' حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل کو جو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا تو وہ کوئی بلاوجہ نہیں تھا۔ راقم امت مسلمہ کی آٹھواں زندہ فقہی مذاہب کی اکثر فقہی کتابوں کا مطالعہ کر چکا ہے۔ حنفی فقہ کے کچھ فقہاء کے سوا کسی نے مسلمان حکمرانوں کو شرعی حدود سے بالا تر نہیں قرار دیا۔ خیال یہ ہے کہ یہ صدر اسلام کے زمانے کی بات ہو رہی ہے جس پر بارہ تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اور عام اخلاق پہلے کی نسبت پست ہو چکے ہیں۔ اس لئے راقم نے یہ استفسار کیا تھا کہ کیا ہمارے علماء آج کل کے مسلمان حکمرانوں کو اس قسم کے حقوق دینے کو تیار ہیں۔ راقم نے حاشا وکلا فتاویٰ عالمگیری پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا تھا۔ لیکن بخاری صاحب نے میرے اس سوال کا فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض قرار دیا۔ بخاری صاحب کو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے اب انہوں نے میرے سوال کا جواب دے دیا ہے۔ کہ وہ آج کے مسلمان حکمرانوں کو بھی شرعی حدود سے بالا تر قرار دینا چاہتے ہیں۔ تو چشم ماروشن دل ماشاد۔ اس پر مجھ جیسے گمنام آدمی کو اعتراض کرنے کی کیا ضرورت ہے ہاں اگر یہ حضرات موجود دور کے مسلمان حکمرانوں کو اس قسم کے حقوق دینا جائز سمجھتے ہیں تو پھر انہیں سابقہ حکمرانوں کے خلاف چلائی ہوئی تحریک کے بارے میں کچھ فقہی توجید کرنی پڑے گی۔ اسلامی قانون کے بارے میں راقم کا نقطہ نظریہ ہے کہ اہل علم اس پر کھلے دل سے بحث کریں۔ اور حق بات سامنے آنے پر اسے تسلیم کریں۔ چاہے وہ فتاویٰ عالمگیری کا نفاذ ہی کیوں نہ ہو۔ (فروری ۱۹۷۹ء)

Marfat.com

عورت حکمران بھی بن سکتی ہے اور قاضی اور کمانڈر انچیف بھی

ان دنوں قومی اخبارات مین اس مسئلہ پر بحث چھڑی ہوئی ہے کہ کیا ایک مسلمان عورت کسی اسلامی ملک کی سربراہ بن سکتی ہے۔ یا نہیں۔ ہمارے کچھ سیاسی قسم کے علماء نے ایک کمزور۔ حدیث کا سہارا لیتے ہوئے۔ اس کے خلاف فتویٰ جاری کیا ہے۔ لیکن اس بارے میں انہوں نے قرآن و حدیث کے ان واضح احکامات کو سامنے نہیں رکھا' جس میں واضح طور پر عورت کو سربراہ مملکت بنانے کی اجازت موجود ہے۔ آئندہ سطور میں اس بارے میں اسلامی تعلیمات قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔ ان تعلیمات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس حدیث کی حیثیت کا تعین کیا جائے کہ جس کا سہارا ہمارے یہ علماء لے رہے ہیں۔ اس حدیث کا پورا متن یہ ہے۔

عثمان بن الہیثم نے عوف سے انہوں نے الحسن سے اور انہوں نے ابوبکرہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے جنگ جمل کے دوران حضور صلعم کے اس قول سے اطمینان ہوا۔ جب ایرانیوں نے اپنے بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران بنالیا۔ تو آپؐ نے

Marfat.com

فرمایا کہ جس قوم نے عورت کو اپنا حکمران بنالیا وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتی۔ صحیح بخاری کتاب الفتن) حامد اینڈ کو ایڈیشن جلد سوئم صفحہ ۷۳۹)

اس حدیث کے چار راوی ہیں اور چاروں کے چاروں آئمہ حدیث کے نزدیک کسی نہ کسی وجہ سے کمزور اور ضعیف آدمی تصور کئے جاتے ہیں۔ اس کے پہلے راوی عثمان بن الہیثم کے بارے میں اگرچہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ ایک سچا شخص تھا' لیکن روایات بیان کرنے میں بہت زیادہ غلطیاں کیا کرتا تھا۔

(میزان الاعتدال از علامہ ذہبی جلد سوم صفحہ ۵۹)

جھوٹی روایات کو سچا ثابت کرنے کے لیے عام طور پر اس قسم کے راویوں کا سہارا لیا جاتا تھا۔ اور اس امر کی تصدیق اس حقیقت سے ہوتی ہے۔ کہ اس حدیث کو دوسرے تینوں راوی بھی ائمہ حدیث کے مقرر کردہ اصولوں کی صحت کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ دوسرے راوی جناب عوف ہیں' ان پر یہ الزام تھا کہ وہ شیعہ تھے اور قدری مسلک رکھتے تھے۔ ان دونوں خصوصیات کی وجہ سے ایسے راویوں کو ضعیف سمجھا جاتا تھا۔ (ایضاً جلد سوم صفحہ ۳۰۵)

اس حدیث کے تیسرے راوی الحسن ہیں عام طور پر راویوں کے والدین کا ذکر ضرور کیا جاتا ہے۔ لیکن اس حدیث میں صرف ایک راوی جس کی تفصیل ادھر گزر چکی ہے کے والد کا ذکر کیا گیا' باقی کسی راوی کے والد کا نام نہیں بتایا گیا۔ الحسن نام کے ۱۵۹ راوی ہیں۔ اور ان مین سے معدودے چند کو معتبر قرار دیا گیا ہے باقی تمام کو ضعیف اور ناقابل اعتماد قرار دیا گیا ہے۔ (ایضاً جلد اول صفحات ۴۸۰ تا ۵۳۸) اس حدیث کے اردو ترجمے میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ یہ راوی بصرہ کے رہنے والے تھے۔ اگر یہ تصریح ٹھیک ہے تو وہ اس حدیث کے سب سے کمزور راوی قرار پاتے ہیں۔ اس کے بارے میں ائمہ حدیث نے بتایا ہے کہ وہ ایک مجہول شخص تھا۔ جس کا اتہ پتہ کسی کو معلوم نہیں (ایضاً صفحہ ۵۰۶)

چوتھے راوی حضرت ابوبکرہ ہیں۔ آپ کا اصل نام نفیع بن الحارث تھا۔ اور

Marfat.com

آپ ان تینوں صحابہ کرام میں سے تھے۔ جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جرائم کے ارتکاب کے نتیجے میں کوڑوں کی سزا دی تھی۔ دوسرے دو صحابی حضرت نافع بن الحارث اور شبل بن معبد تھے۔ کوڑوں کی سزا دینے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا' دوسرے دو صحابہ نے تو تعمیل کی۔ لیکن حضرت ابوبکرہ نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا اسی بنا پر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی گواہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ (تہذیب التہذیب از علامہ ابن حجر عسقلانی جلد دہم صفحہ ۴۶۹)

دراصل یہ حدیث' جیسا کہ اس کے متن سے ظاہر ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مطعون کرنے کے لیے وضع کی تھی۔ کیونکہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے لیے مسلمان فوج کی قیادت کی تھی' ان کے اس عمل سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ ایک مسلمان عورت فوج کی کمانڈر انچیف بھی ہو سکتی ہے اور سربراہ مملکت بھی۔ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان ان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ جن میں ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ لیکن ان میں سے کسی نے اس روایت کو بیان نہیں کیا۔ بیان کیا تو ایک ایسے شخص نے جس کی گواہی تسلیم نہیں کی جاتی تھی۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں قرآن مجید کے کیا احکامات ہیں اسلامی ریاست کے مقاصد کے بارے میں قرآن مجید میں یہ ارشاد ہوا ہے۔

"وہ لوگ جنہیں ہم اگر اس زمین پر قائم کرتے ہیں۔ (یعنی ان کی حکومت قائم کرتے ہیں' تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ ادا کریں گے' لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے اور انہیں برائی سے روکیں گے۔" (سورۃ الحج۔ ۴۱)

اس آیت میں اسلامی حکومت کے قیام کے چار مقاصد گنائے گئے ہیں لیکن اس کی ساتھ یہ نہیں فرمایا گیا۔ کہ اسلامی حکومت کے یہ مقاصد صرف مرد پورا کر سکیں گے۔ بلکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر انہیں مردوں اور عورتوں دونوں

Marfat.com

کی مشترکہ ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۷۱ میں ارشاد ہے۔
''مومن مرد اور مومن عورتیں' یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں' بھلائی کا حکم دیتے ہیں' برائی سے روکتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور حاکم و دانا ہے۔'' (سورۃ التوبہ۔ آیت ۷۱)

سورۃ الحج میں اسلامی حکومت کے جو چار مقاصد بیان کیے گئے ہیں' یہاں ان چاروں مقاصد کی تکمیل مردوں اور عورتوں کی مشترکہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے' جس سے واضح ہے کہ اسلامی مملکت میں ہر عہدے کے لیے مردوں اور عورتوں کی برابر کی ذمہ داریاں ہیں اگر مرد سربراہ مملکت بن سکتا ہے تو عورت بھی اور پھر عورت کے سربراہ مملکت بننے کے بارے میں خود قرآن مجید میں تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ قران مجید میں ملکہ سبا کا واقعہ بیان ہوا ہے اس کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وسیع و عریض مملکت تھی' ملک خوشحال تھا۔ اس بارے میں ہمارے مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ اس نے ملک کا انتظام چلانے کے لیے ایک قومی اسمبلی قائم کر رکھی تھی' جس کے اراکین کی تعداد ۳۱۲ تھی' ملکہ سبا جس کا نام بلقیس تھا حکومت اور اسمبلی کی سربراہ تھی' جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں اسلام لانے کی دعوت دی تو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ممبران اسمبلی کے سامنے رکھا' ان ممبران کو اپنی طاقت کا غرور تھا' انہوں نے حضرت سلیمان سے لڑائی کرنے کا مشورہ دیا۔ (سورۃ النمل آیات ۲۹ تا ۳۳)

لیکن قرآن مجید کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت ان تمام ۳۱۲ ممبروں سے زیادہ ذہین تھی' اس نے کہا کہ مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام دنیاوی بادشاہ معلوم نہیں دیتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر معلوم ہوتے ہیں' ان کی اصل حیثیت جانچنے کے لیے میں ایک قیمتی تحفہ حضرت سلیمان کو بھیجتی ہوں۔ اگر انہوں نے وہ قبول کر لیا' تو واضح ہو جائے گا کہ وہ ایک دنیاوی بادشاہ ہیں' اس کے بعد ہم

Marfat.com

ان کے ملک پر چڑھائی کر دیں گے۔ لیکن حضرت سلیمان نے وہ تحفہ قبول کرنے سے انکار کر کے ثابت کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں چنانچہ ملکہ بلقیس نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد بعض مفسرین کے نزدیک اس نے حضرت سلیمان سے شادی کرلی تھی جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اس کے ملک یمن میں رہنے دیا اور وہاں کے ایک بادشاہ سے اس کی شادی کرادی۔

ان تفصیلات سے جو قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی قومی اسمبلی کے ۳۱۲ اراکین میں سے زیادہ ذہین اور لائق تھی اور اپنے ملک کا انتظام حسن و خوبی سے چلا رہی تھی' قرآن مجید مین ان کی حکومت کی اشارتاً بھی مذمت نہیں کی گئی' بلکہ ان تفصیلات سے تعریف کا پہلو ہی نکلتا ہے۔ اس واقعہ کو اگر ان قرآن احکامات کی روشنی میں دیکھا جائے جو سورۃ الحج اور سورۃ التوبہ کے حوالے سے اوپر بیان کیے جاچکے ہیں' تو اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسلمان عورت اسلامی ملک کی سربراہ بن سکتی ہے۔ اور اسلامی فوج کی کمان بھی کر سکتی ہے۔ قاضی کا عہدہ تو ان سے کم تر ہے اس لئے اس کے قاضی بننے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے مسلمان حکمرانوں کا احتساب

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانے کی سب سے زیادہ بہادر خاتون تھیں خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو افراتفری پھیلی تو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ حضرت عثمان کو شہید کرنے والے شرپسندوں پر ہاتھ ڈالنے سے گھبراتے تھے۔ وہ اس مقصد کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جمع ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوراً ان کی سرکوبی کے لئے تیار ہو گئیں۔

چنانچہ ان شرپسندوں کی سرکوبی کے لئے آپ نے مسلمانوں کی اس فوج کی قیادت کی جس میں تیس ہزار صحابہ کرام شامل تھے۔ ان میں وہ صحابہ کرام بھی تھے جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا تھا۔ بعض مؤرخین نے یہ غلط تصور دیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ختم کرنے کی سعی کر رہی تھیں۔ لیکن یہ بات تاریخ حقائق کے خلاف ہے۔ کیونکہ جنگ جمل کے بعد آپ نے سرکردہ صحابہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلیں۔ (تاریخ طبری جلد ہشم صفحہ ۱۹۷)۔

Marfat.com

خیال رہے کہ علامہ طبری جس کی کتاب سے یہ حوالہ دیا گیا ہے شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک گو نہ محبت تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس تاریخی حقیقت کو مسخ نہیں کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ جاکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لشکر کشی کا مقصد ان مفسدین کے لیڈروں کی سرکوبی کرنا تھا۔ جنہوں نے خلیفہ ثالث کو شہید کر ڈالا تھا اور یہ اس لئے ضروری تھا کہ آئندہ کیلئے اس قسم کے مفسدوں کا خطرہ نہ رہے اگرچہ یہ مفسد لوگ چالاک تھے لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انہیں سزا دینے میں کامیاب ہوگئیں اور جنگ جمل کے نتیجے میں ان کی طاقت ٹوٹ گئی تھی تاہم کچھ لوگوں نے جو ان مفسدوں کے پروپیگنڈے سے متاثر تھے حضرت عائشہ کا یوں جنگ میں مسلمانوں کی قیادت کرنا پسند نہ کیا۔ انہوں نے اس بارے میں احادیث وضع کیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی اصل جگہ اس کا گھر ہے اور یہ کہ عورتوں کے سیاست میں حصہ لینے کو آپ ؐ نے ناپسند فرمایا کہ جو قوم اپنے معاملات عورتوں کو سونپ دے گی وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتی۔ اس حدیث میں جنگ جمل کا بھی ذکر تھا۔ اور اس کے ذریعے حضرت عائشہ کے بارے میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ ان کا جنگ جمل میں مسلمانوں فوج کی قیادت کرنا خلاف اسلام تھا۔

اس حدیث کے بارے میں امروز کے کالموں میں تفصیل سے بحث کی جاچکی ہے کہ اس کے چاروں راوی غیر ثقہ تھے یہاںتک کہ اس کے صحابی راوی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو ایک سنگین اخلاقی جرم کی پاداش میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑوں کی سزا دی تھی اور سزا دینے کے باوجود اس کی گواہی کو تسلیم نہیں کرتے تھے (تہذیب التہذیب از علامہ ابن حجر عسقلانی جلد دہم صفحہ ۴۶۹) ایسا شخص جس کی چھوٹے چھوٹے دنیاوی معاملات میں گواہی قبول نہیں کی جاتی تھی، اس کی روایت حدیث پر کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

یہ روایت بھی وضع کی گئی کہ حضرت عائشہ کو شرپسندوں کی مہم پر جانے کا بعد میں افسوس ہوا اور یہ تاثر دیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ اس مقصد کے لئے گھر سے نہ نکلتیں۔ تاریخی حقائق کو سامنے رکھا جائے تو یہ روایت بھی غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زندگی کے آخری سانسوں تک عملی سیاست میں حصہ لیتی رہیں اور مسلمانوں حکمرانوں کی غلطیوں پر ان پر سخت احتساب کرتی تھیں۔ انہوں نے اپنے آدمی رکھے ہوئے تھے جو انہیں مملکت کے تمام امور سے باخبر رکھتے تھے اور جہاں بھی وہ کوئی خرابی پاتیں اس کا سختی سے نوٹس لیتیں بلکہ ایک دفعہ تو ایک ایسے ہی واقعہ کی بناء پر آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو اس وقت ساری اسلامی دنیا کے بااختیار حکمران تھے' کو قتل کرنے کی بھی دھمکی دے دی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیلات کچھ یوں ہیں۔

کوفہ میں ایک صحابی حضرت حجر رضی اللہ عنہ بن عدی مقیم تھے۔ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر سخت تنقید کرتے تھے بلکہ بعض اوقات اس تنقید میں سخت متشدد ہو جاتے۔ کوفہ کے گورنر نے ان کی زبان بندی کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے' بلکہ ان کے ساتھ جب حکومت کی جانب سے تشدد برتا گیا تو ان کے حامیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ معاملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نوٹس میں لایا گیا انہیں خدشہ ہوا کہ یہ معاملہ کہیں ان کے خلاف تحریک کی شکل اختیار نہ کر لے تو آپ نے حضرت حجر رضی اللہ عنہ بن عدی اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کا حکم دے دیا جب انہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے لایا گیا اور آپ نے انہیں اس قسم کی حرکتوں سے باز رکھنے کی کوشش کی تو حضرت حجر رضی اللہ عنہ بن عدی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ خیال رہے کہ اب لوگوں میں یہ جرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس کارروائی کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی جو انہوں نے مفسدوں کے خلاف کی تھی۔ حضرت حجر رضی اللہ عنہ بن عدی کے انکار پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اور ان کے سات ساتھیوں کے قتل کا حکم دے دیا۔

Marfat.com

جب اس قتل کی خبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو امور سلطنت سے کس طرح باخبر رکھتی تھیں تو انہوں نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "اے معاویہ! تم نے حجر بن وائل رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور وہ سب کچھ کرلیا جو کرنا چاہا۔ کیا تمہیں اس بات کا خوف نہیں ہوا کہ میں بھی کسی شخص کو پوشیدہ طور پر تمہارے قتل پر لگا سکتی ہوں۔" (البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۵۵)

پھر فرمایا کہ اگر بد اندیشوں اور بیوقوفوں کے غلبے کا اندیشہ نہ ہوتا تو حجر کے قتل کے سلسلے میں میرا اور معاویہ کا معاملہ کچھ یہی ہوتا۔ (ایضاً)

مختصر یہ کہ حضرت عائشہ حضرت حجر بن عدی کے قتل کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ سے اتنی سخت ناراض ہوئیں کہ آپ اسے اس جرم کی پاداش میں قتل کرنا چاہتی تھیں اور جس قسم کا انہوں نے سیاسی نظام قائم کر رکھا تھا اس کی تفصیلات کو سامنے رکھا جائے تو وہ اپنے اس ارادے کو عملی جامعہ پہنا بھی سکتی تھیں لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسلامی معاشرے میں جو طوائف الملوکی پھیلی تھی کہ جس کی سرکوبی کیلئے انہیں جنگ جمل لڑنی پڑی تھی۔ اس جیسی صورت حالات کو دوبارہ پیدا ہونے سے روکنے کیلئے آپ نے یہ انتہائی قدم نہ اٹھایا بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کا خواستگار ہوا لیکن آپ نے انہیں معاف کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس اہم تاریخی واقعہ سے بہت سے معاملات واضح ہو جاتے ہیں۔ پہلا یہ کہ حضرت عائشہ حضرت امیر معاویہ کی طرفدار تھیں اس لئے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کی تھی۔ انہوں نے جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قتل کی دھمکی دی۔ اس کی روشنی میں کوئی انہیں آپ کا حمایتی نہیں کہہ سکتا۔ اپنے ساتھیوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کا حکم دیا تھا اگر ان کی خلافت کو ختم کرنے کا ارادہ ہوتا تو کبھی ایسا نہ کرتیں تیسری یہ کہ وہ جنگ جمل میں حصہ لینے پر شرمندہ

Marfat.com

تھیں اگر معاملہ ایسا ہوتا تو پھر وہ کبھی سیاست میں حصہ نہ لیتیں جبکہ وہ اپنی زندگی کے آخری سانسوں تک سیاست میں حصہ لیتی رہیں۔ یہاں تک کہ امیر معاویہ جیسے زبردست حکمران کو آپ نے قتل تک کی دھمکی دے ڈالی تھی۔

دراصل حضرت عائشہ کسی ذاتی مقصد کیلئے ملکی سیاست میں حصہ نہیں لیتی تھیں وہ ملک سے خرابیاں ختم کرنا چاہتی تھیں اور انہوں نے اس مقصد کیلئے عملی کارروائی کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت مسلمہ بہت سی خرابیوں سے بچ گئی۔ معلوم نہیں کہ اگر آپ اس طرح سیاست میں سرگرم حصہ نہ لیتیں تو امت مسلمہ کو کن کن مصائب کا شکار ہونا پڑتا۔ (جولائی ۱۹۸۹ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مطلقہ عورت کے اسلامی حقوق

ان دنوں بھارت کے اخبارات میں شاہ بانو کیس کو خوب اچھالا جارہا ہے اس کیس کی کچھ تفصیلات ہمارے اخبارات میں بھی شائع ہو رہی ہیں۔ ان تفصیلات کے مطابق بھارت کے مختلف علاقوں کے مسلمانوں اس سلسلے میں بھارتی سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں کچھ لوگ اس کیس کے پردے میں اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑا رہے ہیں اور ہندوستان کے آئین جس کی دفعہ ۱۲۵ کے تحت سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا ہے کو اسلامی تعلیمات سے برتر ثابت کر رہے ہیں۔ یہ صورت حالات اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس سارے معاملے کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔

اخباری خبروں کے مطابق بھارت کے ایک مسلمان ایڈووکیٹ صاحب نے چالیس پچاس سال کی رفاقت کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے بعض خبروں میں ساٹھ سال کا عرصہ بیان کیا گیا ہے۔ اسلام نے مرد کو طلاق کا حق ضرور دیا ہے لیکن اس کی تعلیمات یہ ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ پچاس ساٹھ سال کی رفاقت کے بعد ایسی جرأت کی جائے۔ مطلقہ نے بھارتی سپریم کورٹ میں اپنے سابقہ خاوند کے خلاف اس بنا پر نفقہ کا دعویٰ کیا کہ چونکہ اب وہ شادی کی عمر سے گزر چکی ہے اس لئے

Marfat.com

اسے تاحیات نفقہ دلوایا جائے۔ عدالت نے بھارتی آئین کی دفعہ ۱۲۵ کے تحت اس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

خاوند نے اس فیصلے کے خلاف علماء سے ایک فتویٰ جاری کروا دیا کہ عدالت کا یہ فیصلہ مسلمانوں کے عائلی معاملات میں بے جا مداخلت ہے۔ فتویٰ کے مطابق طلاق کے بعد بیوی کا رشتہ ہمیشہ کے لئے خاوند سے ختم ہو جاتا ہے اس لئے وہ کسی قسم کے نفقے (اخراجات) کی حقدار نہیں۔ اس فتویٰ کی وجہ سے بھارت کے مختلف شہروں میں مسلمانوں نے عدالت کے اس فیصلے خلاف احتجاج کرنا شروع کیا بعض جگہوں پر مظاہرے بھی ہوئے اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو بھارتی آئین کی دفعہ ۱۲۵ سے مستثنیٰ قرار دے دے اس سلسلے میں علماء کی ایک جماعت نے ہندوستان کے وزیراعظم سے ملاقات کا وقت بھی مانگا ہے تاکہ اس کے سامنے بالمشافہ طور پر اسلام کا نقطہ نظر پیش کیا جاسکے۔ بھارتی سپریم کورٹ کے حالیہ اور سابقہ جج حضرات نے مسلمانوں نے اس احتجاج پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے ۲۲ دسمبر کو نئی دہلی میں اس بارے میں وکلاء کی بھارتی انجمن کی جانب سے منعقدہ ایک میٹنگ میں بھارتی سپریم کورٹ کے سابق جج جسٹس ڈی اے ڈیسائی نے کہا کہ کسی بھی فرقے کے پرنسل لاء سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے کسی بھی ایسے اقدام کے مخالفت کی جس کے تحت کسی بھی فرقے کو بھارتی آئین کی دفعہ ۱۲۷ کے دائرہ عمل سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ جسٹس ڈیسائی نے کہا کہ اگر مطلقہ عورت کا کوئی ذریعہ آمدنی انہیں تو اس کے سابقہ شوہر کو اس کے نان نفقہ کا ذمہ دار ہونا چاہیے۔

مسلمانوں نے جو اس فیصلے کو مداخلت فی الدین قرار دیا ہے تو اس کے پردے میں کچھ لوگوں نے اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑانا شروع کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات کیسی ہیں کہ ایک بوڑھی عورت کو ساٹھ سال کی رفاقت کے بعد طلاق دے کر گلی میں پھینک دیا جائے اور قانون اس کی کوئی مدد نہ کرے اور اگر قانون اس کی مدد کرے تو اسے مداخلت فی الدین قرار دے کر شور مچایا جائے۔ کیا

Marfat.com

اسلام میں بے یارومددگار عورت کی مدد کرنا جرم ہے اس کے جواب میں مسلمانوں کی جانب سے وضاحت کی گئی کہ وہ عورت بے یارو مددگار نہ تھی بلکہ اس کے صاحب روزگار بیٹے موجود تھے جو اس کی کفالت کر سکتے تھے لیکن اعتراض کیا گیا کہ ایسی عورت بھی تو ہوسکتی ہے کہ جن کی باروزگار اولاد نہ ہو۔ اس لئے آئین کی دفعہ ۱۲۵ کے بارے میں مسلمانوں کا مطالبہ جائز نہیں۔ اس کیس کے حوالے سے اب علماء کے اس فتویٰ پر بحث ہو رہی ہے کہ طلاق کے بعد عورت کا رشتہ ہمیشہ کے لئے سابقہ خاوند کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ کسی صورت میں اس کے تاحیات اخراجات کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوگا۔ چنانچہ مسلمانوں کے اس دعوے کو اچھالا جارہا ہے کہ اسلام عورتوں کے حقوق کا پاسبان ہے اور طنز کی جا رہی ہے کہ یہ کیسا پاسبان ہے کہ اگر ایک بے سہارا عورت کی مدد کی جائے تو اسے خلاف اسلام قرار دیا جائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ جلدی میں دیا گیا اور اس بارے میں اسلامی تعلیمات کا پوری تفصیل سے مطالعہ نہیں کیا گیا۔ اگر ایسا کرلیا جاتا تو صورت حالات مختلف ہوتی۔ بلاشبہ بعض فقہاء کے نزدیک طلاق کے بعد عورت کا رشتہ مرد سے ختم ہو جاتا ہے اور وہ کسی نفقہ کی حق دار نہیں سمجھی جاتی کیونکہ وہ نفقہ کو حقوق زوجیت کا معاوضہ قرار دیتے ہیں لیکن حنفی مذہب کہ جس کے ماننے والوں کی پاکستان اور ہندوستان میں اکثریت ہے کا فتویٰ اس بارے میں مختلف ہے۔ اگر عائلی زندگی کے مختلف مسائل کے بارے میں حنفی فقہاء کے فیصلوں کو سامنے رکھا جائے تو ان کی روشنی میں عدالت ایسی مطلقہ کو نفقہ دلوا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں حنفی فقہ کا ابتدائی اصول یہ ہے کہ نفقہ حقوق زوجیت کا معاوضہ نہیں' بلکہ صلہ ہے--------

(بحوالہ البحرلرائق از علامہ ابن نجیم جلد چہارم صفحہ ۱۸۶)

شاہ بانو کیس میں جو پیچیدگی پیدا ہوئی ہے۔ وہ معاوضہ اور صلہ میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور دونوں اصطلاحوں کا ایک ہی مفہوم یعنی بدلہ لے

Marfat.com

لیا گیا ہے۔ حالانکہ ان میں بڑا فرق ہے اس کی وضاحت سرکاری ملازم کی تنخواہ سے ہوگئی، جو اسے کام کرنے کے بدلے میں ملتی ہے، لیکن آخری عمر میں جب وہ کام کرنے کے قابل نہیں رہتا تو اسے کام کئے بغیر اس کی سابقہ خدمات کا صلہ دیا جاتا ہے۔ حنفی فقہ کا یہ اصول قرآن مجید کے اس ارشاد کی روشنی میں متعین کیا گیا ہے۔
وللمطلقات متاعا بالمعروف حقا علی المتقین۔ (ترجمہ) اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو، ان کی معروف طریقے سے مالی مدد کی جائے یہ متقی لوگوں پر فرض ہے۔

فقہا کی اکثریت کے نزدیک یہ متع، حق مہر کی رقم کے علاوہ ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مطلقہ کو اس کا ادا کرنا واجب ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۱۷۲)

متع کی شرح کے تعین کے بارے میں سلف صالحین میں اختلاف رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، کے نزدیک یہ تیس درہم ہے جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، کے نزدیک اس کی عمدہ صورت یہ ہے کہ سابقہ خاوند اپنے خرچ پر مطلقہ بیوی کو ایک خادم مہیا کرے جو بقیہ عمر اس کی خدمت کرے۔ بعض حضرات زیادہ سے زیادہ نقد رقم دینا ضروری سمجھتے تھے تاکہ مال کے لالچ کی وجہ سے کوئی دوسرا مرد اس سے شادی کرلے۔ اس لئے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ، نے اپنی مطلقہ بیوی کو بیس ہزار درہم یا دینار اور ایک مشکیزہ شہد کا دیا۔ (الجامع الاحکام القرآن جلد سوم صفحہ ۲۰۱)

خیال رہے طلاق دینے والے خاوندوں کی کوشش ہوتی تھی کہ ان کی مطلقہ کی کسی دوسری جگہ شادی ہو جائے اور چونکہ مال کا لالچ ہر ایک کو ہوتا ہے۔ اس لئے وہ حسب استطاعت کافی مال اپنی مطلقہ کو دیتے تھے تاکہ اس کی دوسری جگہ شادی ہو جائے۔ امام ابن نجیم نے اسی متع کو صلہ، کی اصطلاح سے بیان کیا ہے۔ غور فرمایئے کہ اگر قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں ایک مطلقہ کو سابق خاوند کے خرچ پر نوکر مہیا کیا جاسکتا ہے، تو خود اس کے اخراجات مہیا کرنے کو کیسے خلاف اسلام قرار دیا

Marfat.com

جاسکتا ہے؟۔

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ بہت سے فقہاء کے نزدیک طلاق کے بعد بیوی کا خاوند سے کوئی تعلق باقی نہیں رہ جاتا۔ اس لئے اگر اس کی عدت کے دوران خاوند مرجائے تو اسے اس کے ماتم میں شریک ہونے کی ضرورت نہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ' امام ابو یوسف' امام محمد' امام ثوری' امام حسن بن حی اور امام ابو ثور کے نزدیک طلاق کے بعد بھی کچھ رشتہ باقی رہتا ہے۔ اس لئے وہ اس صورت میں خاوند کی موت پر بیوی کا ماتم میں شریک ہونا لازمی قرار دیتے ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۱۸۲)

اس بارے میں حنفی فقہ کی ایک اور نظیر ان مثالوں سے بھی زیادہ واضح ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر خاوند زندگی میں اپنی بیوی کو مناسب نفقہ مہیا نہیں کرتا۔ وہ عدالت کی مدد سے ایسا کرا سکتی ہے اور یہ نفقہ اسے خاوند کی گرفتاری یا اس کے طلاق دینے کے باوجود بھی ملتا رہے گا۔ حنفی فقہ کے ایک امام بن نجیم نے اپنی مشہور کتاب البحرالرائق جلد چہارم میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے کہ طلاق کے بعد مطلقہ عورت کو عدالت کا مقرر کردہ نفقہ ملتا رہے گا یا ساقط ہو جائے گا۔ کچھ فقہا کے نزدیک یہ ساقط ہو جائے گا اور نہیں ملے گا۔ اس کے نزدیک خاوند کو یہ نفقہ طلاق کے بعد بھی ادا کرنا ہوگا۔ فتاویٰ البقالی میں اس بارے میں ابو یوسف اور امام محمد کا اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ امام محمد کے نزدیک یہ ساقط ہو جائے گا جب کہ عام ابو یوسف کے نزدیک ملے گا۔ بحث کے آخر میں ابن نجیم اپنا فیصلہ ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ ان میں سے نفقہ ساقط ہونے والا قول ضعیف ہے خاوند کو نفقہ ادا کرنا ہوگا اور وہ اس کی دلیل دیتے ہیں کہ تمام الفقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کسی عورت نے عدالت سے نفقہ مقرر کروالیا۔ اور خاوند اس کے دینے سے انکاری ہو تو اسے قید کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ اگر یہ طلاق دینے کے ذریعے رک سکتا تو وہ جیل جانے کی بجائے بیوی کو طلاق دے کر گلو خلاصی کر سکتا تھا لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اس لئے طلاق دینے کے

Marfat.com

بعد بھی اسے اپنی مطلقہ بیوی کا نفقہ ادا کرنا ہوگا۔ اسلامی فقہ کی معتبر کتابوں میں یہ تین نظائر پیش کیے گئے ہیں ان کی روشنی میں طلاق کے بعد مطلقہ کو قانون کی مدد سے نفقہ مہیا کرنا مداخلت فی الدین نہیں۔ علماء حضرات کو ان تفصیلات کی روشنی میں اس اہم مسئلہ پر غور فرمانا چاہیے اور مخالفین کو یہ موقع نہیں دینا چاہیے کہ وہ پروپیگنڈہ کرتے پھریں کہ اسلام لاچار مطلقہ عورتوں کی مدد کی اجازت نہیں دیتا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلامی عدالتی نظام کے ذریعے عورتوں سے ناانصافیاں ختم کرنی ہونگی

ہمارے ملک میں بڑے شہروں اور اکثر ترقی یافتہ علاقوں میں عورتوں کے قد' مردوں کی نسبت عام طور پر چھوٹی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ملک کے بعض ایسے حصوں میں جنہیں غیر ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے۔ صورت حال مختلف ہے۔ وہاں کے مردوں اور عورتوں کے قدوں میں اول تو کوئی فرق ہی نہیں اگر فرق ہے بھی تو بہت ہی معمولی۔ رقم کا تعلق بھی ملک کے ایک ایسے حصے سے ہے جہاں یہ فرق کم ہے اسی دوران راقم کو چند عرب اور یورپی ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں بھی یہ فرق کم پایا چنانچہ ذہن میں جستجو پیدا ہوئی کہ اس امر کی وجوہات معلوم کی جائیں کہ ہمارے ملک کے ترقی یافتہ علاقوں میں عورتوں کے قد نسبتاً چھوٹے کیوں ہیں۔

دنیا کے مختلف معاشروں کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کرہ ارض پر صرف دو معاشرے ایسے ہیں جہاں مردوں اور عورتوں کے قدوں میں اتنا تفاوت پایا جاتا ہے۔ یہ دو ہندوستانی چینی معاشرے ہیں ان معاشروں میں ابتداء سے لے کر آج کے دن تک لڑکوں کو معاشی سہارا سمجھا جاتا رہا ہے جبکہ

Marfat.com

لڑکیوں کو خاندان پر ناروا بوجھ' لڑکے بڑھاپے میں والدین کی کفالت کے ذمہ دار تصور کیے جاتے جبکہ لڑکیوں سے ایسی مالی مدد کی توقع کی بجائے انہیں شادی کے موقع پر بھاری جہیز مہیا کرنا پڑتا۔ اسی بنا پر لڑکیوں سے پیدائش کے فوراً بعد امتیازی سلوک برتا جانے لگا۔ ہر خاندان کی خواہش ہوتی کہ اس کے ہاں لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوں۔ لڑکیوں کو ناپسندیدہ مہمان سمجھا جاتا۔ لڑکوں کو عام طور پر لمبے عرصے تک دودھ پلایا جاتا مقصد یہ تھا کہ اس کی وجہ سے دوسرے حمل مین لمبے عرصے کا وقفہ ہو جسے لڑکے کی مناسب پرورش کیلئے ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

لڑکی کی پیدائش کی صورت میں طرز عمل مختلف ہوتا۔ مائیں جلدی سے دودھ چھڑا کر انہیں ٹھوس غذا کا عادی بناتیں۔ اس طرح لڑکے کے شوق میں مائیں دوبارہ جلد حاملہ ہو جاتیں لیکن ماں کی دودھ کی محرومی کی وجہ سے لڑکیوں کی صحیح نشوونما نہ ہوتی اور پھر اگر اس کمی کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتیں تو انہیں مناسب طبی امداد مہیا نہ کی جاتی بلکہ اگر وہ مرجاتیں تو والدین راحت محسوس کرتے کتنے دکھ کی بات ہے کہ ابھی تک ہمارے معاشرے مین یہی ذہنیت کار فرما ہے اس کے مقابلے میں لڑکے کی صحت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اور اسے بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے ماں کا دودھ چھڑانے کے بعد بھی اسے عمدہ سے عمدہ غذا فراہم کی جاتی ہے تاکہ اس کی نشوونما میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ انہیں تو ہمیشہ اچھی خوراک مہیا کی جاتی اور لڑکیوں کو بچی کچھی خوراک پر اکتفا کرنا پڑتا ہے بعض خاندانوں میں اب بھی یہ عادت ہے کہ مرد اور لڑکے پہلے کھانا کھاتے ہیں اور جوان سے بچ جاتا ہے وہ بعد میں عورتیں اور لڑکیاں کھاتی ہیں اور اگر کچھ نہ بچے تو ان بیچاریوں کو بعض اوقات بھوکا بھی رہنا پڑ جاتا ہے۔ لڑکیوں کی پرورش کے سلسلے میں ان سے اس امتیازی سلوک کی وجہ سے ان میں شرح اموات زیادہ رہی ہے اور مناسب نشوونما نہ ہونے کی وجہ سے ان کے قد چھوٹے رہ جاتے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اگر دوسری نسل کی بچیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہو تو ان کے قد مزید متاثر ہوتے اور مردوں اور

Marfat.com

عورتوں کے قدوں میں تفاوت دن بدن بڑھتا جاتا۔

عرب اور دوسرے مسلمان ممالک سے جو مسلمان برصغیر آئے۔ شروع شروع میں ان کے مردوں اور عورتوں کے قدوں میں کوئی تفاوت نہیں تھا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد' ان مسلمانوں نے بھی یہاں کے ہندوؤں کی رسموں کو اپنانا شروع کیا۔ جہیز کی رسم کہ جس سے مسلمان ابھی تک نابلد تھے اپنالیا گیا اور اس کے نتیجے میں لڑکیوں کو خاندان پر بوجھ سمجھا جانے لگا جو ہندو اپنی لڑکیوں سے کرتے تھے چنانچہ انہیں بھی ایسے ہی نتائج سے دو چار ہونا پڑا۔ عرب اور ہمارے پڑوسی ممالک ایران اور افغانستان میں ابھی تک شادی کے سلسلے میں اسلامی احکامات پر عمل ہوتا ہے ان ممالک میں شادیوں کے موقع پر لڑکیوں کو بھاری جہیز مہیا نہیں کیے جاتے بلکہ شادی کے تمام اخراجات ہونے والے خاوند کے ذمے ہوتے ہیں اسی بنا پر ان ممالک میں بچیوں کو بوجھ نہیں سمجھا جاتا کہ جس کی وجہ سے ان سے بچپن میں امتیازی سلوک برتیں یہی وجہ ہے کہ ابھی تک ان ممالک میں عورتوں کے قد متاثر نہیں ہوئے اور اگر کوئی فرق پایا بھی جاتا ہے تو وہ بہت معمولی ہے۔

ہمارے موجودہ معاشرے نے اسلام کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود بہت سی ہندوانہ رسموں کو اپنا رکھا ہے جس کی وجہ سے اب ہمارے ہاں بھی لڑکیوں کو بوجھ سمجھا جاتا ہے یہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ لڑکوں کی پیدائش پر افسوس بلکہ بعض اوقات ماتم کیا جاتا ہے۔ اس غیر اسلامی طرز عمل کو ختم کرنا ہوگا۔

قدامت پرست علاقوں میں ابھی تک لڑکی کے شادی کے اخراجات ہونے والے خاوند کو برداشت کرنے ہوتے ہیں اور نہ ہی والدین کو جہیز کا بھاری بوجھ برداشت کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی بچیوں کو خاندان کے لیے بوجھ نہیں سمجھتے لیکن ملک کے ترقی یافتہ علاقوں کے اثر سے اب ان علاقوں میں بھی جہیز کی رسم کا رواج ہو چلا ہے اور خدشہ ہے کہ وہاں کی بچیوں کو بھی انجام کار اس قسم کی صورت حالات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اور ان کے ساتھ بھی ایسا امتیازی سلوک نہ کیا

Marfat.com

جانے لگے کہ جس سے ان کی پرورش مناسب طریقے سے نہ ہو سکے۔

یہ صورت حالات درد مند اہل وطن کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے اگر ہم اپنی بچیوں کی مناسب پرورش کر کے ان کی قد کی کمی کی خامی کو دور کر سکتے ہیں تو ہمیں اس طرف پیش رفت کرنی چاہیے اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات ہماری بڑی مدد کر سکتی ہیں۔ اسلام میں جہیز کا کوئی تصور نہیں بلکہ شادی کے تمام اخراجات کی ذمہ داری ہونے والے خاوند پر عائد ہو جاتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا اس کی شادی کے تمام اخراجات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود برداشت کئے ان اسلامی تعلیمات کو اپنانے کے بعد کوئی بھی خاندان اپنی بچیوں کو اپنے لئے بوجھ نہیں سمجھے گا اور وہ پرورش کے سلسلے میں امتیازی سلوک کا شکار نہ ہوں گی اگر ان کی پرورش بھی لڑکوں کی طرح عمدہ طریقے سے ہو گی تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے قدوں میں جو اس وقت تفاوت ہے وہ بھی کم ہونا شروع ہو جائے گا اور پھر یہ بھی اسی سطح پر آجائیں گے جیسا کہ عرب اور یورپی ممالک میں دیکھتے ہیں۔ (جون ۱۹۸۷ء)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

تک دینا چاہیئے تھے ؟

ج:۔ جون ۱۹۴۷ء تک ۔

س:۔ مسلم لیگ نیشنل گارڈ پر پابندی کے باعث مسلم لیگ نے پنجاب میں تحریک سول نافرمانی کب شروع کی تھی ؟

ج:۔ ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء کو۔

س:۔ سول نافرمانی کی تحریک کے باعث پنجاب میں کن کن اہم مسلمان شخصیات کو گرفتار کیا گیا تھا ؟

ج:۔ میاں افتخار الدین، نواب افتخار حسین خان ممدوٹ، میاں ممتاز محمد دولتانہ اور سردار شوکت حیات وغیرہ کو۔

س:۔ بتایئے تحریک سول نافرمانی میں گرفتار ہونے والے پنجاب کے رہنماؤں کو کب رہا کیا گیا تھا ؟

ج:۔ ۲۶ جنوری ۱۹۴۷ء کو۔

س:۔ مسلم لیگ نیشنل گارڈ پر پابندی کب ختم کی گئی تھی ؟

ج:۔ ۲۸ جنوری ۱۹۴۷ء

س:۔ پنجاب کی تاریخ میں پہلی بار کن خواتین نے مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت میں جلوس نکالا۔

ج:۔ مس ممتاز، بیگم فاطمہ، بیگم سلمیٰ تصدق حسین اور لیڈی فیروز خان نون ۔

س:۔ برطانوی حکومت کے خلاف مظاہروں میں کس خاتون نے پنجاب سیکرٹریٹ پر مسلم لیگ کا پرچم لہرایا تھا ؟

ج:۔ محترمہ صغریٰ نے ۔

س:۔ تحریک آزادی کے دوران پنجاب میں "خضر حیات ہائے ہائے" کے نعرے لگتے تھے لیکن ۲۶ فروری ۱۹۴۷ء کو ایک نیا نعرہ کیا اور کیوں لگایا گیا ؟

ج:۔ "تازہ خبر آئی اے خضر ساڈا بھائی اے" اس لئے کہ حکومت نے مسلم لیگی

Marfat.com

رہنماؤں سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔

س:۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ ملک خضر حیات نے اقتدار مسلم لیگ کے حوالے کرنے کے لیے کس تاریخ کو استعفیٰ دیا تھا؟

ج:۔ ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو۔

س:۔ مسلم لیگ کی حکومت کی بجائے پنجاب میں گورنر راج کیوں قائم کیا گیا تھا؟

ج:۔ اکالی لیڈر ماسٹر تارا سنگھ کے اشتعال کے باعث پنجاب میں فسادات کی وجہ سے

س:۔ پنجاب اسمبلی کے باہر "پاکستان زندہ باد" کے نعرے کے جواب میں یہ کس نے کہا تھا کہ پنجاب میں حکومت کس کی ہوگی اس کا فیصلہ تلوار کرے گی؟

ج:۔ ماسٹر تارا سنگھ نے۔

س:۔ پنجاب کے واضح غیر مسلم اکثریتی علاقے کو پنجاب سے الگ کر دیا جائے۔ کانگرس نے ایک قرارداد کے ذریعے یہ مطالبہ کب کیا تھا؟

ج:۔ ۸ مارچ ۱۹۴۷ء کو (یہ قرارداد کانگرس کی مجلس عاملہ میں سردار پٹیل نے پیش کی تھی۔

س:۔ برطانوی وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن دہلی کب پہنچا اور اس نے سب سے پہلے کس خاندان سے ذاتی مراسم بنائے؟

ج:۔ ۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو دہلی پہنچ کر نہرو خاندان سے گھل مل گیا

س:۔ برطانوی حکومت نے وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو کابینہ مشن کے تحت کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ کرانے کی آخری تاریخ کونسی مقرر کی تھی؟

ج:۔ یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء۔

س:۔ وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے برصغیر کی کن شخصیات سے سب سے پہلے ملاقات کی تھی؟

ج:۔ نواب بھوپال، مہاراجہ بیکانیر اور پنڈت نہرو سے۔

س:۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے برصغیر کے رہنماؤں سے ملاقات کے بعد کیا نتیجہ اخذ کیا تھا؟

Marfat.com

ج:۔ ہندوستان ایک مرکزی حکومت کے تحت نہیں چل سکتا۔

س:۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کانگریس کو تقسیم کا اصول منوا کر صوبائی گورنروں کی کانفرنس کب طلب کی تھی؟

ج:۔ ۱۵ اپریل ۱۹۴۷ء کو۔

س:۔ وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کا نیا منصوبہ برطانوی حکومت کو منظوری کے لئے کب بھیجا تھا؟

ج:۔ ۲ مئی ۱۹۴۷ء کو۔

س:۔ ہندوستان کے انتقال اختیارات کے لئے وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کانگریس، مسلم لیگ اور سکھوں کے نمائندوں کے ساتھ ملاقات کب کی تھی؟

ج:۔ ۱۷ مئی ۱۹۴۷ء کو۔

س:۔ ہندوستان کے انتقال اختیارات کے لئے وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کانگرس، مسلم لیگ اور سکھوں کے نمائندوں کے ساتھ ملاقات کب کی تھی؟

ج:۔ ۱۷ مئی ۱۹۴۷ء کو۔

س:۔ ماؤنٹ بیٹن کا تیار کردہ منصوبہ تقسیم ہند برطانوی حکومت سے منظور ہو کر کب واپس آیا؟

ج:۔ ۱۰ مئی ۱۹۴۷ء کو۔

س:۔ قائداعظمؒ اور ماؤنٹ بیٹن کی ملاقات کب ہوئی؟

ج:۔ ۵ اپریل ۱۹۴۷ء کو۔

س:۔ برطانوی حکومت اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے منصوبے کو نہرو نے کیوں مسترد کیا تھا؟

ج:۔ وائسرائے نے اپنی دوستی میں نہرو کو اس کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا اور یہ مسلمانوں کے حق میں تھا؟

س:۔ وائسرائے ہند نے تقسیم ہند کے منصوبے پر نہرو کی برہمی کے باعث کس سے مشورہ کیا تھا؟

ج:۔ وی پی مینن سے۔

Marfat.com

س:۔ ہندوستان کے انتقالِ اختیارات کے لئے بلائی جانے والی وائسرائے کی میٹنگ ۱۷ مئی کی بجائے ۲ جون کے لئے کیوں ملتوی کی گئی تھی؟

ج:۔ تاکہ پنڈت نہرو کی مرضی کے مطابق نیا منصوبہ برطانوی حکومت سے منظور کرالیا جائے

س:۔ وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن نے "متفقہ نکات" کے عنوان سے تقسیم ہند کے منصوبے کی کاپیاں کب اور کن کن شخصیات کو بھیجی تھیں؟

ج:۔ ۱۲ مئی ۱۹۴۷ء کو۔ قائداعظم، لیاقت علی خاں، پنڈت نہرو، سردار پٹیل اور بلدیو سنگھ کو۔

س:۔ ۲ جون ۱۹۴۷ء کو دہلی میں ہونے والی وائسرائے کانفرنس میں کن کن شخصیات نے شرکت کی تھی؟

ج:۔ قائداعظم، لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، پنڈت نہرو، سردار پٹیل، اچاریہ کرپلانی اور بلدیو سنگھ۔

س:۔ کانگریس اور مسلم لیگی رہنماؤں نے وائسرائے ہند کی کانفرنس میں تقسیم ہند کے منصوبے کو آخری شکل کب دی؟

ج:۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو۔

س:۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے فیصلے کے سلسلے میں ریڈیو سے کس کس نے خطاب کیا تھا؟

ج:۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن، پنڈت نہرو، سردار بلدیو سنگھ اور قائداعظم محمد علی جناح نے

س:۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو ریڈیو سے تقریر کے اختتام پر کیا نعرہ لگایا تھا؟

ج:۔ "پاکستان زندہ باد"

س:۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے منصوبہ ۳ جون کو مسلم لیگ کے اجلاس میں کب منظوری دی گئی تھی؟

ج:۔ ۱۰ جون ۱۹۴۷ء کو دہلی میں۔

Marfat.com

اسلامی ریاست کے عدالتی نظام پر ایک کتاب

دور حاضر کے پیچیدہ مسائل کو اسلامی تعلیمات کے مطابق سمجھنے اور ان کا حل تلاش کرنے کی نظریاتی اور عملی کاوش ایک عالمی تحریک بن کر ابھر رہی ہے۔ پاکستان میں معیشت' عدل و انصاف اور دیگر سیاسی اور معاشرتی اداروں کی اسلامی اصولوں کے مطابق تشکیل نو کا عمل بڑی تیزی سے جاری ہے علماء' محقق' دانش ور اور ادیب بھی اپنے رشحات فکر کے ذریعے اس تحریک کی کامیابی کے لئے کوشاں ہیں۔ پروفیسر رفیع اللہ شہاب کی تازہ ترین تصنیف "اسلامی ریاست کا عدالتی نظام" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس کتاب میں مصنف نے دور رسالت سے زمانہ حاضر تک اسلامی نظام عدل کے ارتقاء اور کارکردگی کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے اور تاریخی حقائق کی روشنی میں اس نظام کے احیاء کی اہمیت کو واضح کیا ہے کتاب کے پہلے باب میں قبل از اسلام جو عدالتی نظام دنیا میں رائج تھے ان کی جھلک پیش کی گئی ہے اس باب میں اہل عرب و یہود' یونانی' ہندی' رومی اور ایرانی عدالتوں کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے مختلف تہذیبوں اور معاشروں میں انصاف اہل' اقتدار کے تابع تھا۔ حاکم وقت کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ قانون کا درجہ رکھتے تھے۔ معاشرے میں طبقاتی امتیاز کے باعث قانون کا دہرا معیار نافذ تھا اور

Marfat.com

محکوم انصاف کے نام پر ظلم و تعدی کی چکی میں پسنے پر مجبور تھے۔۔۔۔۔۔۔۔

اسلام میں نظام عدل کی بنیاد خدا کی واحدانیت اور انسانی مساوات پر ہے اسلام نے رنگ' نسل اور دیگر طبقاتی امتیازات و مراعات کو ایک قلم موقوف کر دیا۔ مصنف نے اسلامی نظام عدل' اسلامی حکومت' اسلامی جمہوریت کا تصور نظام عدل نافذ کرنے کے لئے شرائط پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

(باب دوم تا چہارم) اس بحث کے بعد تاریخ کے مختلف ادوار میں اسلامی نظام عدل کے نفاذ اور کارکردگی کا جائزہ لیا گیا ہے خلافت راشدہ کے بعد دور ملوکیت کے آغاز سے اس نظام عدل میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہوا اور کئی طرح کی خرابیوں اور مکروہات نے جڑ پکڑلی۔ تاہم زوال کے اس دور میں امام ابو حنیفہ' امام شافعی امام حنبل اور امام جعفر صادق نے اسلامی شریعت کے اصلی جوہر کو زندہ و تابندہ رکھنے کی کوشش کی اور تمام حقائق و شواہد کی چھان پھٹک کے بعد قرآن و سنت کی روشنی میں فقہ اسلامی کی تدوین کی تاکہ آئندہ نسلوں کی رہنمائی میں کوئی رخنہ نہ رہے۔

کتاب کے دسویں اور گیارھویں باب کا تعلق اس نظام عدل سے ہے جو ہندوستان میں مسلمان فاتحین اور سلاطین نے رائج کیا۔ اس نظام عدل میں وہ سب خوبیاں اور خامیاں موجود تھیں جو اس زمانے کے مختلف اسلامی ممالک کے نظام ہائے عدل کا خاصہ تھیں۔ آخری باب میں یورپی سامراج کے زیر تسلط مسلمان ممالک کے عدالتی نظام اور طریق کار کی تفصیل ملتی ہے۔ اس دور میں اسلامی عدالتی نظام تقریباً معطل ہو کر رہ گیا تھا اور اس کا تعلق صرف پرسنل لا کے دائرے میں آنے والے مقدمات تک محدود تھا۔

مصنف نے پاکستان میں اسلامی عدالتی نظام کے نفاذ کی مختلف کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے پاکستان میں عائلی قوانین کے نفاذ کے تجربہ کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے۔ مصنف پاکستان میں اسلامی قانون اور نظام عدل کے نفاذ اور اس کی کامیابی کے بارے میں پرامید ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کی صحیح

Marfat.com

تدوین ' قاضیوں کی تربیت کا اہتمام اور اجتہاد کی روایت کے احیا سے ہی اسلامی عدالتی نظام قائم اور کامیاب ہو سکتا ہے۔

یہ کتاب علماء و کلاء منصفین اور حکام کی خاص توجہ کی مستحق ہے تاکہ وہ اسلامی انصاف کے تقاضوں کو سمجھ سکیں اور اسلامی قانون کی عمل داری میں صحیح کردار ادا کر سکیں۔ مصنف کا انداز بیان موثر اور دلنشین ہے ہر بار مدلل طور پر مستند حوالوں کے ساتھ پیش کی گئی ہے اسلامیات کے سرمایہ میں یہ ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

کتاب کے مصنف پروفیسر رفیع اللہ شہاب ہیں اور اسے قانونی کتب خانہ کچہری روڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

ہماری چند کتب

❖ انسائیکلوپیڈیا قائداعظم	
❖ پاکستان کے پچاس سال	پروفیسر رفیع اللہ شہاب
❖ خون کی ہولی	رئیس احمد جعفری
❖ آزادی ہند	رئیس احمد جعفری
❖ حیات جوہر	عشرت رحمانی
❖ پاکستان سے پاکستان تک	عشرت رحمانی
❖ انجام گلستاں کیا ہوگا	ڈاکٹر ایم ایس ناز
❖ لاہور نامہ	ڈاکٹر ایم ایس ناز
❖ محمد علی جناح	منصور احمد بٹ
❖ مسلم لیگ ایک قومی تحریک	پروفیسر مظفر مرزا
❖ عرش آزادی	پروفیسر مظفر مرزا
❖ مطالعہ پاکستان	پروفیسر مظفر مرزا
❖ ملت کا ترجمان محمد علی جناح	پرفیسر مظفر مرزا
❖ رن کچھ سے چونڈہ تک	خالد محمود

Marfat.com

س :۔ کانگرس نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے منصوبہ ۳ جون کی ضمنی منظوری کب دی تھی ؟
ج :۔ ۱۴ جون ۱۹۴۷ء کو۔
س :۔ قیام پاکستان کے منصوبے کی تائید ہندوستان کے کن کن علاقوں سے کی گئی تھی ؟
ج :۔ مشرقی بنگال، مغربی پنجاب، سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحد سے۔
س :۔ سندھ اسمبلی نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کس تاریخ کو کیا تھا ؟
ج :۔ ۲۶ جون ۱۹۴۷ء کو۔
س :۔ بنگال اور پنجاب نے "پاکستان" کے حق میں تقسیم ہونے کا فیصلہ کب کیا تھا ؟
ج :۔ ۲۰ جون ۱۹۴۷ء کو۔
س :۔ تقسیم ہند کے بعد دونوں ممالک کا مشترکہ گورنر جنرل بننے کا خواہشمند کون تھا ؟
ج :۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن (وائسرائے ہند)
س :۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو مشترکہ گورنر جنرل بننے کی دعوت کس نے دی تھی مسلم لیگ یا کانگرس نے ؟
ج :۔ کانگرس نے۔
س :۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے مشترکہ گورنر جنرل بنائے جانے پر قائداعظم نے کیوں اعتراض کیا تھا ؟
ج :۔ اس لیے کہ انہیں اس پر اعتماد نہ تھا۔
س :۔ ۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو قائداعظم نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو کیا پیغام بھیجا تھا ؟
ج :۔ بعض وجوہات کی بناء پر میں نے خود پاکستان کا گورنر جنرل بننے کا فیصلہ کیا ہے۔
س :۔ برطانوی پارلیمنٹ نے قانونِ آزادی ہند کب منظور کیا تھا ؟
ج :۔ ۱۶ جولائی ۱۹۴۷ء کو۔
س :۔ قانون آزادی ہند پر تاجدار انگلستان نے کب دستخط کیے تھے ؟
ج :۔ ۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء۔
س :۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد اقتدار کی منتقلی کے لیے کون سی تاریخ مقرر کی گئی تھی ؟

Marfat.com

ج:۔ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء
س:۔ پنجاب اور بنگال کی حد بندی کے لئے حکومتِ برطانیہ نے کس کو مقرر کیا تھا؟
ج:۔ ریڈ کلف (حد بندی کمیشن کا چیئرمین)
س:۔ حد بندی کمیشن کا چیئرمین برطانوی وکیل ریڈ کلف برصغیر کب پہنچا تھا؟
ج:۔ ۸ر جولائی ۱۹۴۷ء کو۔
س:۔ بتایئے پنجاب کی حد بندی کے لئے کن افراد کو کمیشن کا رکن نامزد کیا گیا تھا؟
ج:۔ جسٹس دین محمد، جسٹس محمد منیر، ہندو جج مہر چند مہاجن اور سردار تیجا سنگھ کو۔
س:۔ حد بندی کمیشن کا چیئرمین ریڈ کلف پہلی بار لاہور کب آیا تھا؟
ج:۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۴۷ء کو۔
س:۔ ہندوستان کی تقسیم کے سلسلے میں ریڈ کلف اور ماؤنٹ بیٹن نے کس پالیسی سے کام لیا تھا؟
ج:۔ ہندو دوستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گورداس پور اور بٹالہ کی تحصیلیں بھارت میں شامل کر دیں۔
س:۔ ہندوستان کی فوج کے لئے فوج کی نفری اور فوجی سامان کی تقسیم کا کام کس کے سپرد کیا گیا تھا؟
ج:۔ کمانڈر انچیف سر کلاڈ آکنلیک کے (جس کا نیا عہدہ سپریم کمانڈر تھا)
س:۔ سر کلاڈ آکنلیک نے فوج کی نفری کو الگ الگ کرنے کا کام کس تاریخ تک مکمل کر لیا تھا؟
ج:۔ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء تک (بڑی ایمانداری کے ساتھ)
س:۔ سر کلاڈ آکنلیک کو ایمانداری کا صلہ کیا ملا؟
ج:۔ انہیں ماؤنٹ بیٹن نے فوراً برطانیہ واپس بھجوا دیا۔
س:۔ تقسیم ہند کا خواب پورا ہوتا نظر آیا تو سکھوں نے کون سا نعرہ بلند کیا تھا؟
ج:۔ جمنا سے چناب تک سکھ حکومت قائم کریں گے۔

Marfat.com

س:۔ قائداعظمؒ حد بندی کی ذمہ داری کس ادارے سے پوری کرانا چاہتے تھے ؟

ج:۔ اقوام متحدہ سے۔

س:۔ بتایئے ۱۹۴۷ء کے آخر تک کتنے مہاجرین بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے ؟

ج:۔ ۶۰ لاکھ سے زائد۔

س:۔ پاکستان بننے کے بعد ترک وطن کرنے والے ہندؤوں اور سکھوں کی تعداد کیا تھی ؟

ج:۔ ۵۵ لاکھ۔

س:۔ پاکستان کا دارالحکومت کراچی کو بناتے جانے کا فیصلہ کب ہوا تھا ؟

ج:۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو۔

س:۔ قائداعظمؒ اقتدار کی منتقلی کے لئے کراچی کب اور کیسے پہنچے تھے ؟

ج:۔ ۷ اگست ۱۹۴۷ء کو بذریعہ ہوائی جہاز۔

س:۔ قائداعظمؒ کو پاکستان کا اقتدار منتقل کرنے کے لئے ماؤنٹ بیٹن کب کراچی پہنچا تھا ؟

ج:۔ ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو۔

س:۔ پاکستان کے اقتدار کی منتقلی کی رسم کب اور کہاں ادا کی گئی ؟

ج:۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء میں کراچی میں۔

س:۔ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل اور پہلی کابینہ کی رسم حلف برداری کب ادا کی گئی تھی ؟

ج:۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی میں۔

Marfat.com

Marfat.com

✪ انسائیکلوپیڈیا اصحاب النبیؐ	ڈاکٹر ایم ایس ناز
✪ حضرت اویس قرنیؒ	ڈاکٹر ایم ایس ناز
✪ تمدن عرب	سید علی بلگرامی
✪ تمدن ہند	سید علی بلگرامی
✪ زوال ملت	سید واجد رضوی
✪ ذوق جہاد	سید واجد رضوی
✪ غزوات اسلام	عبدالمجید ساگر
✪ مسلمانوں کا عروج و زوال	مولانا سعید احمد
✪ مسلمان یورپ میں	محمد احسان الحق سلیمانی
✪ اسلام کے عظیم سائنسدان	حفیظ اللہ منظر
✪ داتا گنج بخش اور انکا عہد	خالد محمود

Marfat.com

✿	یقی
✿ قرآن حکیم اور ہماری زندگی	احسان الحق سلیمانی
✿ تین عظیم فلسفی	قمر نقوی
✿ خلافت راشدہ	مقصود ایاز
✿ تعلیم الاسلام	مفتی کفایت اللہ
✿ اجتہاد اختلافات	پروفیسر رفیع اللہ شہاب
✿ رسوم جاہلیت	مولانا نجم الدین
✿ آفتاب مہران	ڈاکٹر ایم ایس ناز
❖ پاکستان کا سیاسی سفرنامہ	ستار طاہر

Marfat.com

عدل کا اسلامی تصور
خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں
ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں
فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو
خدا تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے
بے شک خدا سنتا (اور) دیکھتا ہے۔
سورۃ النساء آیت ۵۸
امانت
پروفیسر رفیع اللہ شہاب

Marfat.com